فیہ ھدی للناس

اسلامی فقہ

تیسرا حصّہ

مکتبہ الحسنات رام پور (یوپی)

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

إن الحسنات يذهبن السيئات

اسلامی فقہ

مولانا مجیب اللہ ندوی

تیسرا حصہ

معاملات

مکتبہ الحسنات، رام پور، (یوپی)

تصحیح اور نظر ثانی کے بعد

تیسری بار ———— جون ۱۹۷۶ء

قیمت :- مکمل سٹ مجلد 25/-

تیسرا حصہ پیپر بیک 7/50

معاملات

مفصل فہرست عنوانات اس حصہ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

بسمِ اللہ الرّحمٰنِ الرّحیمْ

مُعاملات

عقائد و عبادات کے بعد اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت ان وسائل و ذرائع کی ہے، جن کے ذریعہ انسان خود اپنی روزی کماتا ہے، اور بندگانِ خدا کی روزی کا سامان مہیا کرتا ہے، عقائد و عبادات دراصل انسان کی روح کو اخلاقی غذا پہنچاتے ہیں، اور روح کے واسطے سے جسم پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، اور انسان کے روزی کے وسائل و ذرائع اصلاً اس کے جسم کو مادّی غذا پہنچاتے ہیں، اور روزی کے اچھے اور برے جتنے ذرائع ہوتے ہیں جسم کے واسطہ سے روح پر ان کا اثر پہنچتا ہے۔

ذرائع رزق و وسائل معاش تو بے شمار ہیں، لیکن عام طور پر دنیا میں تجارت، زراعت، محنت مزدوری، قرض، رہن اور مضاربت و شرکت کے ذریعہ انسان کو روزی مہیا ہوتی ہے، اور ان کے ذریعہ وہ اپنے جسم و جان کے رشتہ کو قائم رکھتا ہے، ان ہی وسائل و ذرائع کو اسلامی شریعت میں معاملات کہتے ہیں۔

مُعاملات کے معنی عربی میں عمل کام کو کہتے ہیں، اسی عمل سے معاملات بنا ہے، مگر معاملات صرف کام کو نہیں کہتے ہیں، بلکہ معاملات کے معنی ایسے کام کے ہیں جن میں کم از کم دو آدمی یا دو چیزوں کی شرکت ہوئی ہو، چنانچہ رزق کے ان تمام

وسائل میں دو آدمی یا دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، تجارت میں خریدنے والے اور بیچنے والے ہوتے ہیں، زراعت میں کاشتکار اور دوسرے عوامل پیدائش ہوتے ہیں، محنت مزدوری کے کاموں میں اجیر و مستاجر یا مالک و مزدور ہوتے ہیں، مضاربت میں ایک کا روپیہ دوسرے کی محنت ہوتی ہے۔

معاملات میں اسلامی ہدایات

معاملات میں اسلامی شریعت نے جو ہدایتیں دی وہ دو طرح کی ہیں، ایک منفی اور دوسری مثبت، منفی سے مراد یہ ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیئے اور مثبت سے مراد یہ ہے کہ یہ ہونا چاہیئے، مثبت ہدایات میں بنیادی ہدایت یہ ہے کہ جو معاملہ کیا جائے اس میں تراضی یعنی فریقین کی رضامندی ہو، اور منفی ہدایات میں بنیادی ہدایت یہ ہے، کہ وہ معاملہ باطل نہ ہو، مثلاً خرید و فروخت کے معاملہ میں ضروری ہے کہ خریدار اور دُکاندار دونوں راضی ہوں، اسی طرح مزدور و مالک میں جب کوئی معاملہ طے ہو، تو ضروری ہے کہ دونوں کی رضامندی سے طے ہو، اگر ان میں سے کوئی راضی نہ ہوگا تو اسلام میں یہ معاملہ ناجائز قرار پائے گا۔ معاملات میں رضامندی کی حد تک اسلامی ہدایات اور دُنیا کے دوسرے نظاموں کی ہدایات میں بڑی حد تک یکسانیت ہے، لیکن اسلامی شریعت نے رضامندی کے ساتھ جو دوسری منفی شرط لگا دی ہے۔ اس سے اسلامی معاملات، دنیا کے دوسرے نظاموں کے معاملات سے بالکل جدا ہو جاتے ہیں اور وہ شرط یہ ہے کہ یہ رضامندی کسی باطل معاملہ اور کسی حرام چیز میں نہ ہو، مثلاً اگر کوئی تجارت یا زراعت کا معاملہ ایسا کیا جائے، جس میں سود کی آمیزش ہو، دھوکہ ہو جھوٹ ہو تو اسلامی شریعت میں ایسے معاملات کو حرام قرار دیا جائے گا خواہ اس میں معاملہ کرنے والے آپس میں راضی ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ اسلام نے ان چیزوں کو مستقلاً حرام قرار دے دیا ہے، یا مثلاً کوئی شخص شراب کا کارخانہ قائم کرے، یا ایسے سامان بنائے جن سے زنا کی ترغیب ہوتی ہو، یا ان پر انسانی دولت بے کار ضائع ہوتی ہو تو پھر ان صنعتوں کی اجازت نہیں دی جاسکتی حتیٰ کہ مزدوروں کو ایسے کارخانوں میں کام کرنے سے بھی روکا جائے گا،

گو ان کاموں میں صناع و خریدار، مالک و مزدور آپس میں راضی ہی کیوں نہ ہوں، اس رضامندی کا اعتبار اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ حرام پر رضامندی کی اجازت یا تو کسی شدید معاشی مجبوری کی وجہ سے دی جا سکتی ہے. یا جان و مال عزت و آبرو کے خطرے کے وقت اور یہاں ان میں سے کوئی بات نہیں ہے۔

ان ہدایتوں کا فائدہ دنیا میں

ان دونوں ہدایتوں کا نتیجہ اور مادی فائدہ دُنیا میں یہ ہے کہ نہ تو معاملہ کرنے والوں میں کوئی اختلاف ہوگا اور نہ ایک فریق دوسرے فریق پر ظلم کر سکے گا اور نہ یہ وسائل و ذرائع چند لوگوں کے لئے تو عیش و عشرت کا سامان مہیا کریں گے اور باقی لوگوں کے لئے مصیبت اور وبال ثابت ہوں گے، آج پوری دُنیا اور خاص طور پر ہندوستان و پاکستان میں ضروریات زندگی کی جو قلت اور گرانی ہے اور اس کی وجہ سے کم آمدنی رکھنے والے کسانوں، مزدوروں اور تاجروں میں جو بے چینی پائی جاتی ہے، اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ معاملات میں نہ تو صحیح طور پر ان منفی قیدوں کی پابندی کی جا رہی ہے، اور نہ مثبت قیدوں کی۔[1]

آخرت کے نقطۂ نظر سے

معاملات کے سلسلہ میں جو ہدایتیں دی گئی ہیں، وہ نہ صرف اس دنیا میں مادی حیثیت سے مفید ہیں، بلکہ ایک مسلمان کے لئے ان کی رعایت، آخرت میں کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہے اور ان کی عدم رعایت دنیا میں بھی نقصان رساں ہے اور آخرت میں بھی، ناکامیابی و خسران کا سبب ہے۔

اگر کوئی مسلمان باطل، حرام اور تراضی کے بغیر کوئی معاملہ کرتا ہے تو وہ اس دنیا میں بھی کسی نہ کسی انسان کا حق مارتا اور نقصان کرتا ہے اور آخرت میں بھی اپنے لئے ناکامیابی اور خسران کا سامان بھی فراہم کرتا ہے، چنانچہ قرآن نے باطل اور تراضی کے بغیر مال کمانے والوں کے فعل کو مادی حیثیت سے قتل اور ظلم سے تعبیر کیا ہے اور آخرت میں دوزخ کی سزا کی دھمکی دی ہے۔

---

[1] اس کی پوری تفصیل راقم کی زیر طبع کتاب اسلامی قانون تجارت اور اسلامی قانون اُجرت میں ملے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (النساء ۲۹، ۳۰)	اے ایمان والو! آپس میں اپنے مال کو باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ رضامندی کے ساتھ کوئی تجارت ہو تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے (اور باطل معاملہ کرکے) ایک دوسرے کو (معاشی طور پر) قتل نہ کرو، اللہ تمہارے اوپر رحیم ہے (تو تم بھی رحم کے خلاف رویہ اختیار نہ کرو) اور جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم عنقریب آگ میں ڈالیں گے اور اللہ کے اوپر یہ بہت آسان ہے۔

اسی طرح جو لوگ رشوت اور جھوٹے مقدمات کے ذریعہ روپیہ کماتے ہیں، ان کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ "ناحق طور پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ، حالانکہ تم اس کے گناہ کو جانتے ہو۔"

اسی طرح جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے ہڑپ کر جاتے ہیں، ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہ یتیموں کا مال نہیں کھا رہے ہیں، بلکہ "اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔"

غرض یہ کہ روزی حاصل کرنے کا جو معاملہ باطل اور عدم تراضی کی بنیاد پر کیا جائے گا وہ دنیا میں ممکن ہے کہ اس کے لئے کچھ دنوں کے لئے مفید ہو جائے گا، مگر دوسرے بندگانِ خدا کے لئے دنیا میں اور خود اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں مضر اور گھاٹے کا سبب ہوگا اسی بنا پر قرآن نے باطل طریقہ پر مال کھانے والوں کو "اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ"

ا؎ عام مفسرین نے وَلَا تقتلوا انفسکم کو الگ جملہ مان کر اس کی تفسیر قتلِ نفس ہی سے کی ہے، مگر سیاق و سباق کی بنا پر بعض مفسرین نے یہی تفسیر کی ہے۔

کہا ہے، سُحت کے معنی نیست و نابود کر دینے اور مٹا دینے کے ہیں، یعنی یہ ذریعہ رزق انجام کے اعتبار سے اپنے کو بھی برباد و نیست و نابود کرتا ہے اور دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔

حلال کمائی کی ترغیب

تراضی اور باطل کی بہت سی تفصیل تو قرآن نے کر دی ہے، مگر اس کی پوری تفصیل آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات میں ملے گی، آپ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھ کی کمائی پر زور دیا کیونکہ ہاتھ کی کمائی میں باطل اور سُحت کا شائبہ کم پایا جاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ:

مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا خَیْرًا مِنْ اَنْ یَاکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ۔	کوئی روزی اس سے بہتر نہیں ہے، جو محنت مزدوری کر کے حاصل کی گئی ہو۔

آپ نے خود اپنے بارے میں فرمایا کہ میں قریش کی بکریاں ایک قیراط روزانہ پر چراتا تھا اسی طرح حضرت داؤد، حضرت ادریس اور بعض دوسرے انبیا کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کماتے تھے، آج یہ ایک ذلیل چیز سمجھی جاتی ہے، لیکن ان ہی ہدایات کی بنا پر صحابہ اور بزرگان ملت کی بیشتر تعداد اپنے ہاتھ کی کمائی پر گذارہ کرتی تھی، ان میں کتنے لوگ لکڑی کا کام کرتے تھے اور کتنے لوگ لوہے کا، کتنے سُنار تھے، کتنے کمہار تھے، کتنے موچی تھے، کتنے کپڑا بنتے تھے، کتنے کسان تھے، اور کتنے روزانہ معمولی مزدوری کر کے گذر بسر کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ حرام مال سے جو عبادت کی جائے وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا ہے کہ "حرام مال سے پلا ہوا جسم جنّت میں نہیں جاسکتا" اس کی دُعا مقبول نہیں ہوتی" آپ نے فرمایا کہ "جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ظلم سے دبالی قیامت میں اسے لعنت کا طوق پہنایا جائے گا" آپ نے فرمایا کہ حلال روزی طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، آپ نے فرمایا کہ "حلال مال طلب کرنے کا اجر جہاد کے برابر ہے" معاملات کے بارے میں یہ تو قرآن وسنت کی عام ہدایات تھیں، اب ہم الگ الگ ان

تمام معاملات کے بارے میں قرآن و سنت کی ہدایات اور ان کی روشنی میں فقہاء کرام رحمتہ اللہ علیہم نے جو اجتہادات کئے ہیں ان کی تفصیل پیش کرتے ہیں، مگر اس سے پہلے حرام چیزوں کی فہرست پر ایک نظر ڈال لینی ضروری ہے، کیونکہ معاملات کے بیان میں بار بار ان کا ذکر آئے گا۔

حلال و حرام چیزیں

(۱) اوپر حرام جانوروں کی تفصیل آ چکی ہے جو جانور حرام ہیں ان کی خرید و فروخت بھی بغیر کسی عذر شدید کے حرام ہے اگر ان کے سینگ، کھال اور چمڑے کو پکا کر استعمال کیا جائے یا ان کی خرید و فروخت کی جائے، یا ان کا کوئی سامان بنا کر بیچا جائے، تو جائز ہے لیکن سور کا چمڑا یا اس کی اور کوئی چیز کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔

۲۔ مردار۔ اگر مردار کا گوشت یا چمڑا کوئی بیچے تو یہ حرام ہے، لیکن اگر اس کا چمڑا پکا کر یا پکا کر کوئی بیچے تو جائز ہے۔ بغیر پکائے ہوئے اس پر خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ نشہ آور چیزیں، مثلاً ہر قسم کی شراب، تاڑی، افیون، بھنگ، گانجا، چرس حرام ہیں۔

۴۔ تمام زہریلی چیزیں حرام ہیں، مثلاً سنکھیا وغیرہ۔

۵۔ سونے اور چاندی کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے، مگر مردوں کے لئے حرام ہے، عورتوں کے لئے بھی اسی حد تک جس حد تک ان کے جسم کی زینت کا تعلق ہے، مگر ان کے برتن، چمچے، پاندان، خاصدان، گھڑی اور شیشے کا استعمال جائز نہیں ہے۔

۶۔ مردوں کے لئے تمام ریشمی کپڑے۔

۷۔ سود، اس کی جتنی بھی قسمیں ہوں وہ حرام ہیں، ان کی تفصیل آگے آئے گی۔

۸۔ جوا۔ اس کی جتنی قسمیں ہیں، مثلاً لاٹری، سٹہ بازی گھوڑ دوڑ پر شرط، غائب مال کی خرید و فروخت وغیرہ، دھوکہ و فریب کے ذریعہ جو تجارت کی جائے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

۹۔ ناچ گانا اور اس کا تمام سامان۔

۱۰۔ جاندار کی مصوری فوٹو گرافی، تصویر سازی اور فلم سازی جس میں رقص و سرود اور

عورتوں کی نمائش کی گئی ہو۔

ان چیزوں کے استعمال میں تھوڑا فرق ہے

اس میں کچھ چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان کی صنعت اور خرید و فروخت یا خرید و فروخت و صنعت میں بھی ان کی آمیزش کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی، مثلاً، سود، جوا، ناچ گانے کے سامان، شراب وغیرہ لیکن ان میں کچھ چیزیں ایسی ہیں، جن کا استعمال تو ناجائز و حرام ہے، مگر ان کی خرید و فروخت حرام نہیں ہے، مثلاً ریشمی کپڑے صرف مردوں کے لئے حرام ہیں، اور چاندی سونے کے سامان مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے حرام ہے۔ مگر عورتوں کے لئے ریشمی کپڑے اور سونے چاندی کے زیور حلال ہیں، اس لئے ان کی خرید و فروخت حرام نہیں ہے، حرام جانوروں اور مردار کا گوشت اس کی چربی ہر حال میں[1] حرام ہے۔ لیکن اگر اس کی ہڈی سینگ اور بال کا استعمال کیا جائے تو جائز ہے، اسی طرح مردار کی کھال کو پکانے اور سکھانے سے پہلے استعمال کرنا اور بیچنا تو ناجائز ہے ۔ لیکن اگر وہ پکا کر یا سکھا کر بیچی جائے تو جائز ہے، مگر سور کی کوئی چیز کسی حال میں حلال نہیں ہے، اسی طرح مردار کی چربی کھانے کے علاوہ دوسرے استعمال میں لائی جائے تو جائز ہے۔

چند اسلامی اصطلاحیں

چند الفاظ اور اصطلاحات کا ذکر بار بار آئے گا اس لئے ان کی تشریح کر دی جاتی ہے۔

۱۔ بیع ۔ بیع کے معنی بیچنے کے ہیں اور بیچنے والے کو بائع کہتے ہیں۔

۲۔ شرار ۔ شرار کے معنی خریدنے کے ہیں اور خریدنے والوں کو مشتری کہتے ہیں۔

۳۔ ایجاب و قبول جن الفاظ سے تجارت یا بیع و شرار کا معاہدہ ہوتا ہے ان کو ایجاب و قبول کہتے ہیں مثلاً بائع نے کہا کہ میں نے یہ چیز اتنے میں فروخت کی اور خریدار نے کہا کہ میں نے لی تو بائع کا قول ایجاب اور مشتری کا قول قبول کہا جائے گا، اگر مشتری نے پہلے کہا کہ اس چیز کی قیمت اتنی

---

[1] مردار کی چربی کے بارے میں بعض فقہاء نے یہ اجازت دی ہے کہ اگر کسی چیز پر لگانے کے کام لائی جائے تو مُباح ہے لیکن حدیث میں مطلقاً اس کی نفی کی گئی ہے اس لئے اس اجازت کو کسی مجبوری پر محمول کرنا چاہیئے۔

لے لیجئے بائع نے لے لیا تو مشتری کا کہنا ایجاب ہوا اور بائع کا لے لینا قبول ہوا۔ ایجاب و قبول کے الفاظ ماضی ہونے چاہئیں یا حال یعنی یہ کہے کہ میں نے خریدا یا بیچا یا خریدتا ہوں یا بیچتا ہوں اگر خرید دوں گا یا بیچوں گا کہا تو بیع صحیح نہ ہو گی، اسی طرح اگر بائع نے کوئی چیز دکھا کر قیمت بتائی اور مشتری نے کہا کہ مجھے پسند ہے یا کہا کہ مجھے منظور ہے مجھے اس کی ضرورت ہے تو ایجاب و قبول ہو گیا (۳) مبیع وہ چیز جو بیچی جائے (۴) ثمن جو بیع کے بدلے میں دی جائے ثمن اور قیمت میں تھوڑا سا فرق ہے، فریقین میں جو رقم طے ہو جائے وہ ثمن ہے اور جو اس کی اصلی قیمت ہو وہ قیمت کہلاتی ہے۔

تجارت

انسان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کی چیزیں فراہم کرنے کے سب سے بڑے دو ذریعے ہیں، ایک تجارت، دوسرے زراعت، بلکہ موجودہ دور میں تو زراعت صنعت اور دوسری تمام ضروریات زندگی تجارت ہی کی تابع ہو گئی ہیں، اگر تجارت صحیح طریقہ پر نہ کی جائے، تو کسی ملک میں خواہ کتنا ہی زیادہ غلہ، کپڑا، اور دوسری ضروریات کی چیزیں کیوں نہ پیدا کی جائیں اس کی کمی اور گرانی ہی رہے گی۔ مثال کے لئے ہندوستان میں غلہ کے بھاؤ کو لے لیجئے، سنہ ۱۹۵۷ء میں ہندوستان میں جتنا غلہ پیدا ہوا، سنہ ۱۹۶۳ء میں اس سے دو تین فی صدی زیادہ پیدا ہوا، مگر سنہ ۱۹۵۷ء میں اس کا جو بھاؤ تھا، سنہ ۱۹۶۳ء میں اس میں تقریباً ۳۰ فی صدی سے لے کر چالیس فی صدی تک اضافہ ہوا، یعنی جو گیہوں ۱۵ روپے من بکتا تھا، وہ ۲۰-۲۲ روپے من بکنے لگا اور پھر سنہ ۱۹۷۱ء میں یہ بھاؤ بڑھ کر ۴۵ روپے من تک ہو گیا اور سنہ ۱۹۷۴ء میں ۶۰-۷۰ تک پہونچ گیا، یہ سب ان تاجروں کی ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، خود غرضی و بددیانتی کی وجہ سے ہوا۔ جن کے ہاتھ میں غلہ کی تجارت ہے۔

تجارت کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، کہ انسانوں کو

ذرائع رزق (تسعۃ اعشار) تجارت کے ذریعہ ملتے ہیں، تاجروں کی ذہنیت درست کرنے کے لئے اسلام نے بہت سی مثبت اور منفی تدبیریں اختیار کی ہیں، یہ تدبیریں دو طرح کی ہیں، ایک تو اخلاقی، دوسری قانونی، اخلاقی سے مراد یہ ہے کہ یہ بتایا جائے کہ یہ بات ایک مسلمان کے ایمان وعقیدہ کے خلاف ہے یا عام انسانی قدروں کے منافی ہے اس لئے اس کا نتیجہ اس کے لئے آخرت میں بُرا ہوگا۔ اور قانونی سے مراد یہ ہے کہ ان کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کو دنیا میں سزا بھی دی جاسکتی ہے، اس کتاب میں اصلاً ہمیں قانونی تدبیروں ہی کو بیان کرنا ہے، مگر چند باتیں اخلاقی تدبیروں سے متعلق بھی لکھ دی جاتی ہیں تاکہ یہ بات ذہن میں تازہ رہے کہ اسلام میں جتنی قانونی ہدایتیں دی گئی ہیں، ان کا رشتہ ہر مسلمان کے ایمان وعقیدہ سے بھی جڑا ہوا ہے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قرآن نے باطل اور سُحت کے ذریعہ مال کمانے والوں کو دوزخ کے عذاب کی دھمکی دی ہے، ان کو ظالم قرار دیا ہے، ان ہی باتوں کی تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ "تاجر زمین میں خدا کے دئے ہوئے ذرائعِ رزق کے امین اور اپنی اور عام انسانوں کی عزّت وآبرو کے پردہ دار ہیں"

فَاِنَّهُمْ بُرُدُ الْاٰفَاقِ وَ اُمَنَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ

آپؐ نے فرمایا "سچّا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوگا"، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے گا جو بیچنے خریدنے اور تقاضا کرنے میں نرم دل اور رحیم واقع ہو" "آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام تاجر گنہ گار اُٹھائے جائیں گے، مگر وہ جو خدا سے ڈرے اور لوگوں سے نیکی ونرمی سے پیش آئے یعنی تجارت میں ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرے کہ وہ لوگوں کے لئے زحمت وتکلیف کا سبب ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ جھوٹ بول کر یا دھوکہ دے کر جو تجارت کی جاتی ہے وہ بظاہر تو فائدہ بخش نظر آتی ہے، مگر نتیجہ کے اعتبار سے نقصان کا سبب ہوتی ہے" آپؐ نے فرمایا ہے کہ تجارت رضامندی ہی سے صحیح ہوسکتی ہے۔

اسلام کی ان ہی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر تجارت کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، اس طریقۂ تجارت میں دنیا کے ہر انسان کے لئے بھلا ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمان جو ان تعلیمات کے مخاطب ہیں، وہ خود ان تعلیمات کو بھلا کر دوسروں کی دُنیا خراب کر رہے ہیں، اور اپنی دنیا و آخرت دونوں ــــ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد امام محمد سے کسی نے کہا کہ آپ زہد و تقویٰ کے بارے میں کوئی کتاب کیوں تصنیف نہیں کر دیتے، انھوں نے کہا کہ:-

صَنَّفْتُ كِتَابَ الْبُيُوْعِ — میں نے خرید و فروخت کے طریقہ پر ایک کتاب تصنیف کر دی ہے۔

مقصد یہ تھا کہ اصل زہد و تقویٰ تو حرام سے بچنا اور حلال ذریعہ رزق تلاش کرنا ہے، وہ تمام باتیں اس کتاب میں آگئی ہیں۔

تجارت کے معنی آپس میں لین دین اور خرید و فروخت کے لئے اسلامی شریعت میں تجارت کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور بیع و شرار کا بھی، تجارت کے لفظی معنی فائدہ کے لئے لین دین کرنا اور بیع کے معنی بیچنے اور شرار کے معنی خرید نے کے ہیں، اور کبھی کبھی بیع کو شرا کے معنی میں اور شرا کو بیع کے معنی میں بھی بولتے ہیں۔

تجارت کی تعریف موجودہ زمانہ میں تجارت کے لئے صرف افادہ کا ہونا ضروری ہے، یعنی جس میں کوئی فائدہ ہو اس کی تجارت یا اس کا تبادلہ صحیح ہے، لیکن اسلامی شریعت میں کسی ایسی پسندیدہ چیز کو جو باطل اور حرام نہ ہو، حلال ذرائع اور باہم رضامندی کے ساتھ بدلنے یا اس کی خرید و فروخت کرنے کا نام تجارت ہے، گویا اب جو تجارت باطل و حرام چیزوں میں کی جائے گی یا حلال ذرائع سے نہ ہوگی، چاہے اس خرید و فروخت میں بظاہر فائدہ ہی کیوں نہ نظر آتا ہو اسلامی شریعت میں باطل اور فاسد قرار پائے گی، اسی طرح اگر وہ تجارت حلال چیزوں اور حلال ذرائع سے تو کی گئی ہو، مگر لین دین کرنے والوں کی رضامندی اور پسندیدگی شامل نہ ہو تو وہ تجارت بھی باطل قرار پائے گی، جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے کہ اسلامی معاملات میں مثبت اور منفی دونوں شرطوں کا پایا جانا بہر حال ضروری ہے یعنی یہ کہ وہ باطل نہ ہو اور تراضی ہو۔

باطل باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے جن چیزوں کو مستقلاً حرام قرار دیا ہے۔ ان کی خرید و فروخت باطل ہوگی مثلاً شراب، گانے بجانے کا سامان، سور کی ہر چیز، کتا، مردار گوشت اس کی چربی یا جن ذرائع سے پیسہ پیدا کرنے کو اس نے حرام قرار دیا ہے، ان ذرائع سے دولت پیدا کرنا باطل ہوگا، مثلاً سود اور جوا، سود سے مراد صرف مہاجنی سود نہیں ہے یعنی کسی کو ایک روپیہ دے کر دو روپے لینے ہی کو سود نہیں کہتے، بلکہ سودی کاروبار کی ایک بڑی لمبی فہرست ہے اس کا ذکر بعد میں آئے گا، اسی طرح موجودہ زمانہ میں جوئے کی جو بے شمار قسمیں پیدا ہوگئی ہیں، ان کی تفصیل بھی بعد میں آئے گی۔

اسی طرح جو چیز کسی کے قبضہ میں نہ ہو یا ابھی وجود میں نہ آئی ہو، ان سب کی تجارت باطل ہوگی، اسی طرح مال کے بازار میں آنے سے پہلے پہلے تاجر اوپر اوپر جو اس کے فائدہ کو اچک لیتے ہیں تو یہ تجارت بھی اسلام میں فاسد قرار پائے گی۔

یہاں پر صرف تجارت کے باطل ہونے کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے، اسلامی فقہ میں باطل اور فاسد تجارت کی اصطلاحی تقسیم کی گئی ہے، اس کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔

تراضی یعنی رضامندی اسلامی شریعت نے تجارت کے صحیح ہونے کے لئے دوسری شرط، باہم رضامندی لگائی ہے۔

اس قید کے لگانے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ خریدنے والے اور بیچنے والے میں کوئی اختلاف نہ ہو، کسی کے اوپر ظلم نہ ہو کسی کا مال ناحق نہ لے لیا جائے، اس قید کی بنا پر وہ تجارت بھی رضامندی کے بغیر سمجھی جائے گی، جن میں کچھ لوگوں کا نفع تو متعین ہو اور کچھ لوگوں کا غیر متعین اس قید کی بنا پر وہ تجارت بھی ممنوع ہوگی، جس میں آدمی حالات و ضروریات سے مجبور ہو کر کوئی چیز خریدتا ہے مثلاً ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، کی وجہ سے عموماً اشیاء کی قلت اور گرانی ہوتی ہے، مگر آدمی مجبور ہو کر گراں چیز خریدتا ہے، کیونکہ اگر نہ خریدے تو کھائے اور پہنے کیا، لیکن ظاہر ہے کہ اگر اس کو یہ علم ہو جائے کہ اس کی گرانی کا اصل سبب ذخیرہ اندوز اور سٹہ باز تاجر ہیں، تو وہ انتہائی ناپسندیدگی سے اس کو خریدے گا، اسی طرح اگر کوئی تاجر

جھوٹ بول کر کسی سے زیادہ دام لے لے تو بظاہر خریدار نے رضامندی سے وہ چیز خرید کی ہے، مگر درحقیقت اس کی رضامندی اس میں شامل نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اس کو علم ہو جائے گا کہ جھوٹ بول کر مجھ سے دام لئے گئے ہیں تو وہ انتہائی ناراضی کا اظہار کرے گا، غرض یہ کہ دھوکے فریب اور جھوٹ اور زیادہ دباؤ کے جتنے کاروبار ہیں وہ سب عدم تراضی کی فہرست میں آتے ہیں۔

تجارت ایک معاہدہ ہے

تجارت خریدار اور دکان دار کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے، اس وجہ سے اسلامی شریعت میں اس کو عقدِ بیع کہا جاتا ہے، عقد کے معنی باندھنے اور گرہ دینے کے ہیں، یعنی اس معاہدہ کے ذریعہ دو یا اس سے زیادہ آدمی گویا آپس میں بندھ جاتے ہیں، اب جس طرح کوئی معاہدہ، دھوکہ فریب کے ساتھ اور رضامندی کے بغیر مکمّل نہیں ہو سکتا، اسی طرح خرید و فروخت کے معاہدہ میں بھی اگر دھوکہ و فریب ہو یا رضامندی نہ ہو تو وہ مکمّل نہیں ہو سکتا۔

خرید و فروخت کا طریقہ

خرید و فروخت کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز خریدی یا بیچی جائے تو سودا اچھی طرح دیکھ لیا جائے اور قیمت اچھی طرح طے کر لی جائے۔ یا اگر دو چیزیں بدلنی ہوں تو دونوں کو اچھّی طرح دیکھ لیا جائے۔ اور پھر زبان کے ذریعہ اس کا اقرار کر لیا جائے، کہ ہم نے اس چیز کی خرید و فروخت کی، یعنی سودے والا قیمت بتادے کہ اتنی ہے اور خریدار سودا دیکھ کر یا ہاتھ میں لے کر یہ کہے کہ ہاں ہم کو منظور ہے، مثلاً کسی نے دوکاندار سے پوچھا کہ گیہوں کتنے من ہے، دوکاندار نے بتایا کہ چالیس روپے من، اب اگر خریدار نے یہ کہا کہ ہاں یہ قیمت منظور ہے، تو اب یہ گیہوں بک گیا اگر اس نے کہا کہ تیس روپے نہیں بلکہ آٹھ روپے من لوں گا اور دوکاندار نے کہا کہ اچھّا قیمت لائیے تو بھی بیع درست ہو گئی، اب خریدار کو اس کا خریدنا اور دوکاندار کو بیچنا ضروری ہے، اگر ان میں کوئی انکار کرے گا تو قانوناً اس کو مجبور کیا جائے گا، اس قول و قرار کو شریعت میں ایجاب و قبول[1] کہتے ہیں۔

(1 نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

عملی اقرار اگر زبان سے دونوں نے اقرار نہیں کیا لیکن عملاً دونوں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے دونوں کی رضامندی ظاہر ہوتی ہو، تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً کسی نے بساطے کے دوکاندار سے یہ کہا کہ ایک پاؤنڈ اون فلاں نمبر کا دیدیجئے، یا بھاسکر کی لالٹین دیدیجئے یا کی۔ وی پالش دے دیجئے، تو اگر ان چیزوں کی قیمت پہلے سے اس دکان یا بازار میں متعین ہے تو اس کو چیز لے کر قیمت دینا ہی کافی ہے۔ قیمت کا تعین اور خریدار کا قیمت، دے دینا ہی اقرار سمجھا جائے گا۔ البتہ اگر دوکاندار بازار کی قیمت پر راضی نہ ہو تو پھر خریدار وہ چیز نہیں لے سکتا اسی طرح اگر کسی نے کوئی چیز دوکان سے لے کر کہا کہ اتنی قیمت لیجئے اور دوکاندار نے لے لیا تو یہ بھی رضامندی ہوئی، مثلاً کسی نے پھل بیچنے والے کی ٹوکری سے دس آم یا دس سنترے یا چار سیب لے لئے اور دو روپے اس کے ہاتھ میں رکھ دئے، اگر اس نے لے لیا تو بیع ہو جائیگی۔

لہ جب تک خرید و فروخت کی بات چیت کا سلسلہ جاری رہے اس وقت تک دونوں کو معاملہ کے ختم کرنے کا اختیار ہے لیکن اگر معاملہ طے ہو گیا تو پھر کسی کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار نہیں ہے البتہ اثنائے بات چیت میں دوسرا فریق وہاں سے اٹھ گیا یا کسی اور کام میں مشغول ہو گیا اور ایسا محسوس ہوا کہ وہ چیز بیچنا یا دوسرا خریدنا نہیں چاہتا تو اب یہ معاملہ ختم سمجھا جائے گا یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ جب تک دونوں جہاں گفتگو ہو رہی ہے وہاں سے چلے نہ جائیں اس وقت تک ایجاب و قبول کا اختیار باقی رہے گا خواہ بات کا سلسلہ جاری ہو یا منقطع ہو گیا ہو اس کو خیار مجلس اور خیار قبول کہتے ہیں، عام فقہائے احناف کی کتابوں میں تو مطلقاً مجلس سے اُٹھ جانا یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جانے اس کے نہ قبول کرنے کی علامت سمجھا گیا ہے مگر خواہر زادہ اور عینی نے اس کو چلے جانے (ذہاب) کے معنی میں لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کھڑا ہونا تو کسی ضرورت سے بھی ہو سکتا ہے تو مطلق کھڑے ہونے کو دلیل اعراض کیسے بنا لیا جائے؟ اگر یہ توجیہہ مان لی جائے تو امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں بہت کم اختلاف باقی رہتا ہے۔ بہر حال امام شافعیؒ کے مسلک میں وسعت ہے اور حنفی مسلک عملی اعتبار سے زیادہ بہتر ہے اور اخلاقی لحاظ سے بھی یہ مناسب ہے کہ جب زبانی یا تحریری بات چیت طے ہو گئی تو اس کو مزید وسعت نہ دی جائے، ورنہ بلاوجہ ٹال مٹول کا موقع ملے گا۔

ساگ کی ایک ڈھیری دس پیسہ میں بک رہی ہے ایک شخص گیا اور اس نے ڈھیری لے لی اور دس پیسہ دے دئے تو گو زبان سے دونوں نے کچھ نہ کہا ہو بیع ہو جائے گی۔ اس طرح کی بیع کو بیع تعاطی کہتے ہیں۔

تحریر کے ذریعہ جس طرح زبان یا طرز عمل سے معاملہ طے ہو جاتا ہے اور رضامندی ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح تحریر کے ذریعہ دونوں کوئی معاملہ طے کریں تو اس کی بھی اجازت ہے، لیکن تحریر ایسی قابلِ اطمینان شکل میں ہونی چاہیئے کہ آئندہ دونوں میں اختلاف نہ ہو۔

سودا اور قیمت کا بیان غرض یہ کہ سودا اور قیمت دونوں کا طے ہونا ضروری ہے، ان دونوں کے بارے میں اسلامی شریعت نے بہت سی شرطیں لگائی ہیں، یہاں ان کو بیان کیا جاتا ہے، سودے کو مبیع اور قیمت کو ثمن کہتے ہیں۔

مبیع کا بیان مبیع یعنی جو چیز بیچی جائے اس کے لئے چند باتوں کا ہونا اور چند باتوں کا نہ ہونا ضروری ہے۔ (۱) وہ چیز جو بیچی جائے وہ سامنے موجود ہونی چاہیئے، اگر موجود نہ ہو گی تو اس کا بیچنا صحیح نہ ہو گا، مثلاً کسی نے ہندوستان میں بیٹھ کر امریکہ میں خریدے ہوئے غلّے، کپڑے، یا کسی اور چیز کا سودا کیا تو یہ صحیح نہیں ہو گا، البتہ اگر غیر موجود چیز اس شرط پر بیچی جائے کہ خریدار دیکھنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ کرے گا تو اس کی اجازت ہے، یا اس مال کا نمونہ سامنے ہو تو خریدی و بیچی جا سکتی ہے، اسی طرح جو چیز ابھی وجود میں آئی نہیں ہے اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے، مثلاً باغ میں ابھی پھل آیا نہیں اور باغ بیچ دیا گیا، گیہوں کی بالیں ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھیں، اور کھیت بیچ دیا گیا، جانور کا بچہ پیٹ میں ہے اور اسے فروخت کر دیا گیا، تو بیچنا و خریدنا باطل ہو گا، اسی طرح اگر کوئی چیز موجود تھی مگر غائب ہو گئی یا معدوم ہو گئی تو اس کو بھی نہیں بیچا جا سکتا مثلاً جانور تھا وہ گم ہو گیا تو اس کو نہیں بیچا جا سکتا، یا دو منزلہ مکان تھا اوپر کا حصہ گر گیا تو اب اوپر کی فضا کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) جو چیز بیچی جائے وہ بیچنے والے کی ملک ہونی چاہیئے، یا مالک نے اس کو بیچنے کی

اجازت دی ہو، مثلاً کسی نے تالاب کا یا دریا و سمندر کا پانی یا اس کی مچھلیاں فروخت کیں یا فضا کے پرندے بیچے یا جنگل کی لکڑیاں یا اس کے جانور یا میدان کی گھاس بیچی تو چونکہ یہ چیزیں اسلام میں کسی کی ملک نہیں ہیں۔ اس لئے کسی کو ان کے بیچنے کا حق نہیں ہے چاہے بظاہر وہ اس کی ملک میں ہی کیوں نہ سمجھی جاتی ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانی، گھاس اور آگ تمام انسانوں کا مشترک سرمایہ ہیں، اسی طرح اگر کوئی جانور گم ہو گیا ہے اور اس کو فروخت کر دیا گیا، یا جنگل کے جانوروں کو فروخت کر دیا گیا تو بیع باطل ہوگی کیونکہ یہ چیزیں نہ تو بیچنے والے کے قبضہ میں ہیں اور نہ ان کی ملک ہیں۔

دریا کی مچھلی اور گھاس وغیرہ کب بک سکتی ہیں

یہ چیزیں اس وقت بک سکتی ہیں، جب ان کے اوپر محنت یا روپیہ صرف کیا گیا ہو، مثلاً اگر کسی شخص نے یا حکومت نے دریا پر بند ھ باندھا، یا تالاب کا پانی باقی رکھنے کے لئے کوئی تدبیر کی یا دریا سے نہر نکال کے یا مشین کے ذریعہ اس کا پانی باہر نکالا یا کسی نے جنگل یا گھاس پر پیسہ خرچ کر کے یا محنت کر کے اسے لگایا یا دریا سے مچھلی پکڑی یا پکڑنے کے لئے کوئی تدبیر کی یا جنگل کی لکڑی کاٹ کے لایا تو ان تمام صورتوں میں وہ اس کو بیچ سکتا ہے، یا حکومت دوسرے آدمی کو اس کے بیچنے کی اجازت دے سکتی ہے اسی طرح زمین کے نیچے کی معدنی اشیاء کو جب تک ان کے اندر سے نکال نہ لیا جائے بیچا نہیں جا سکتا، مثلاً لوہا، تانبا، سونا، چاندی، گندھک، ابرک، کوئلہ، پٹرول، مٹی کا تیل، البتہ اگر ان چیزوں کے دریافت کرنے میں محنت و دولت خرچ کی گئی ہے تو پھر ان پر محنت کرنے والے اور روپیہ خرچ کرنے والے کی ملکیت تسلیم کی جا سکتی ہے۔

ملکیت کی تعریف

کسی چیز کے ملک میں آنے کی کئی صورتیں ہیں مگر ان صورتوں کے بیان سے پہلے ملکیت کی تعریف ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ ابن ہمام نے فتح القدیر ج ۵ ص ۵۶ میں اس کی یہ تعریف کی ہے "الملك هو قدرة يثبتها الشرع ابتداء على التصرف"، تصرف پر اس قدرت و قابو کا نام ہے جس کو ابتداً شریعت نے اس کا حق دیا

ہے" فقہائے اور بھی تعریفیں کی ہیں ان سب کی روشنی میں شیخ مصطفیٰ زرقا نے اپنی کتاب "المدخل الفقہی میں یہ جامع تعریف کی ہے۔

اختصاص حاجز شرعا یسوغ صاحبہ التصرف الا لمانع (ج ۱ ص ۲۴۰)

"تصرف کی وہ خصوصیت جو کسی شخص کو شریعت کی اجازت سے اس وقت تک حاصل رہتی ہے جب تک کوئی دوسرا مانع نہ ہو۔ حاجز سے مراد یہ ہے کہ دوسرا شخص اس سے بغیر اجازت منتفع نہ ہو سکے۔ اور مانع سے مراد یہ ہے کہ وہ تصرف کے لائق بھی ہو مثلاً استعمال کی اہلیت ہو یا وہ دوسرے کی چیز نہ ہو۔ ملکیت کی دو قسمیں ہیں، ایک ملک عین اور دوسری ملک منفعت یہاں یہ بات یاد آنی چاہیئے کہ فقہائے احناف ملک اور مال میں فرق کرتے ہیں، ملک کی تعریف یہ ہے "الملك ماملكه الانسان سواء کان اعیاناً اومنافع" ملک وہ چیز ہے جس کا آدمی مالک ہو خواہ ملک عین ہو یا ملک منفعت اور مال کی تعریف یہ ہے کہ یمکن ادخارہ الی وقت الحاجۃ منقولا کان او غیر منقول گویا مال کا اطلاق صرف مادی چیزوں پر ہوتا ہے اور ملک میں مادی اور غیر مادی یعنی نفع اندوزی بھی شامل ہے۔

ملکیت میں آنے کی صورتیں کوئی شخص جب کسی چیز کا مالک ہوتا ہے تو اس کی چار صورتیں یا اس کے چار ذریعے ہوتے ہیں۔

۱۔ عقود، یا معاہدہ کے ذریعہ یعنی دو آدمی آپس میں کوئی معاملہ کر کے ایک دوسرے کو مالک بنا دیں، عقود کی ایک قسم عقود جبریہ ہے یعنی حکومت کسی کو کسی دوسرے کی چیز کا مالک بنا دے مثلاً مقروض کا مال قرض دینے والے کو دلا دیا یا احتکار کرنے والے کا مال لے کر بازار بھاؤ سے فروخت کرا دیا۔ شفع کی صورت میں بھی یہی ہوتا ہے اسی طرح مصالحہ عامہ کے لئے کسی کی ملک پر حکومت قبضہ کر لے اور رفاہ عام میں لگا دے۔ مثلاً اسکول کے لئے مسجد کے لئے، راستہ کے لئے، کوئی زمین کسی کی ملک سے نکال کر مصالح عامہ میں دے دے۔

۲۔ احراز المباحات۔ وہ چیزیں جو کسی کی ملک میں نہ ہوں بلکہ وہ پوری نسل انسانی کا مشترکہ سرمایہ ہوں۔ ان پر کوئی اپنی محنت و پیسہ لگا کر اسے حاصل کرے تو وہ اس کی ملک ہوگی مثلاً

سمندر کا پانی، اس کی مچھلیاں اور اس کے دوسرے خزانے، جنگل کی گھاس، فضا کی چیزیں۔ راقم الحروف کے نزدیک ان چیزوں پر کسی کا مستقلاً اقتدار و تسلط صحیح نہیں ہے۔

۳۔ الخلفیۃ۔ یعنی جانشینی۔ اس کی دو صورتیں ہیں (۱) کسی شخص کا جانشین ہونا مثلاً وراثت کی چیزوں کا آدمی مالک ہو (۲) یا آدمی کسی معاوضہ یا جرمانہ و سزا میں کوئی چیز پائے مثلاً کسی نے کوئی چیز نقصان کر دی اور اس کا عوض نقصان اٹھانے والے کو دلایا گیا یا مقتول کے ورثہ کو دیت وغیرہ میں کوئی مال ملا تو وہ اس کا مالک ہوگا۔

۴۔ عام طور پر فقہا ان ہی تین صورتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ خود المجلہ کے مرتبین نے بھی انہی تین صورتوں کا ذکر کیا ہے مگر اس کی چوتھی صورت یہ ہے، جو چیز کسی کی ملکیت سے طبعی طور پر پیدا ہو وہ بھی اس کی ملک ہے، مثلاً درخت کا پھل، جانوروں کے بچے، بکری کا بال اور دودھ، اب کوئی خرید و فروخت میں ان دونوں میں سے کسی کو علیحدہ نہیں کر سکتا بلکہ وہ چیزیں خود بخود اس میں داخل ہیں، آگے ان تمام صورتوں کی تفصیل آئے گی۔

(۳) جو چیزیں ایسی ہوں کہ ان پر تمام انسانوں کو قابو حاصل نہ ہو سکتا ہو ان پر نہ تو کسی کی ملکیت قائم ہو سکتی ہے اور نہ وہ بیچی جا سکتی ہیں۔ مثلاً جو لوگ سمندر پر یا فضا پر، یا فضا کی چیزوں پر اپنی ملکیت جمائے ہوئے ہیں، وہ انسان کے مشترک سرمایہ کے غاصب ہیں، ان کو اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

(۴) جو چیز بیچی جائے اس کے تمام اوصاف خریدار کو بتا دئے جائیں، مثلاً گیہوں اگر بیچنا ہے تو اس کی پوری تفصیل بتا دینی چاہئے، مثلاً وہ سفید ہوگا یا لال، موٹا ہوگا یا پتلا یا چاول ہے تو نیا ہوگا یا پرانا، موٹا ہوگا یا باریک، یا اگر مکان ہے تو اس کی پوری حیثیت اس کے عیوب اور خوبیاں سب بتا دی جائیں، یا زمین ہے تو اس کی زرخیزی کی حیثیت بتا دی جائے، یا جانور ہے تو اس کے محاسن و معائب بیان کر دئے جائیں، کپڑا ہے تو صاف بتا دیا جائے کہ کٹا پٹا تو نہیں ہے، مضبوط ہے یا کمزور ہے کس رنگ کا ہے غرض یہ کہ جو چیزیں دیکھی نہیں جا سکتیں یا دیکھی تو جا سکتی ہیں مگر ان کے بارے میں باتیں تجربہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہیں، مثلاً مکان

ٹپکتا ہے، زمین شور یا کنکریلی ہے، جانور مارتا ہے یا کپڑا بہت دنوں کا رکھا ہے اور کمزور ہو گیا ہے، یا تھان کے اندر کا حصہ کٹا ہوا ہے تو ان باتوں کو دوکاندار کے لئے بتا دینا ضروری ہے، اگر نہ بتایا تو یہ بیع فاسد ہو جائے گی اور خریدار کو واپس کر دینے کا حق ہوگا۔

(۵) جو چیز بیچی جائے وہ ایسی ہو جسے اسلام مال تسلیم کرتا ہو مثلاً جتنی چیزیں اسلام میں حرام ہیں، ان کو وہ مال تسلیم نہیں[1] کرتا، اس لئے ان کا بیچنا اور خریدنا بھی حرام ہے، البتہ اگر وہ انسان کی کسی ایک صنف کے لئے جائز ہے تو اس کا کاروبار جائز ہے، مثلاً سونا، چاندی، ریشمی کپڑے وغیرہ عورتوں کے لئے جائز ہیں مگر مرد کے لئے حرام ہیں۔

(۶) اگر کسی دوکاندار نے کوئی چیز بیچی، اور جو صفت بتائی وہ اس کے خلاف نکلی تو بیع فاسد ہوگی، اس نے کہا کہ اس کپڑے کا رنگ پختہ ہے، اور کچا نکلا یہ لالٹین بھاسکر کی ہے، اور دوسرے کارخانہ کی نکلی، یا موتی سچے ہیں اور جھوٹے نکلے یا زیور سونے کا ہے اور ملمع[2] نکلا۔ تو یہ تمام بیع فاسد ہوگی۔

(۷) کوئی شخص یہ کہے کہ جو کچھ میری ملکیت میں ہے وہ سب بیچتا ہوں تو یہ بیع فاسد ہوگی، کیونکہ ملکیت کا لفظ واضح نہیں ہے بلکہ مجہول ہے، ملکیت کی وضاحت ہونی چاہیئے۔

جو چیزیں بیع میں خود بخود داخل ہو جاتی ہیں یا نہیں داخل ہوتیں

بعض ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو بیچی ہوئی چیز کے ساتھ خود بخود بک جاتی ہیں، ان کی قیمت الگ سے نہیں لی جا سکتی، مثلاً

(۱) اگر کوئی مکان بیچے تو اس کے دروازے کھڑکیاں، باورچی خانہ پیشاب خانہ پاخانہ، اس میں جانے کا راستہ سب بک گیا، اسی طرح کسی نے گھوڑا بیچا تو اس کی لگام اور زین بھی بک گئی، یا کسی نے تالا بیچا تو اس کی کنجی بھی بک گئی، کسی نے بچہ والی اور دودھ دینے والی گائے یا بھینس

---

[1] یلزم ان یکون المبیع مالا متقوما ص۲۸ بیع غیر المتقوم من المال باطل والشراء بغیر المتقوم من المال فاسد ص۲۹ [2] یصیر المبیع معلوما ببیان احوالہ وصفاتہ ص۲۸ المجلہ

بیچی تو اس کا دودھ اور بچہ بھی بک گیا، البتہ اگر بچہ دودھ نہ پیتا ہو، تو پھر وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی زمین بیچے گا تو اس میں جو درخت وغیرہ ہوں گے وہ بھی بیع میں داخل سمجھے جائیں گے۔ غرض یہ کہ عرف عام میں جو چیزیں مبیع میں داخل سمجھی جاتی ہیں وہ اس کا جزو سمجھی جائیں گی۔

۲۔ کسی چیز کی خرید و فروخت کی بات چیت طے ہو گئی مگر ابھی خریدار بائع بیچنے والے کے پاس سے اسے لے نہیں گیا ہے اور اس مدت میں اس میں کچھ اضافہ ہو گیا، تو وہ خریدار کا حق ہے مثلاً کسی نے باغ خریدا، اور ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ پھل آگیا، یا گابھن جانور خریدا تھا اور اس نے بچہ دیا تو یہ سب خریدار کا حق ہے، بائع اس کو نہیں لے سکتا[1]۔

۳۔ اگر کسی نے اپنا باغ بالکل بیچ دیا، یا کوئی کھیت بیچ دیا، اور باغ کے درختوں پر پھل ہے، یا کھیت میں فصل لگی ہوئی ہے، تو یہ بائع کا حق ہے، مشتری یعنی خریدار کو اس کے لینے کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ اگر معاملہ کرتے وقت یہ طے ہو جائے کہ پھل اور لگی ہوئی فصل بھی بیع میں داخل ہے تو پھر خریدار کا حق ہو جائے گا، اسی طرح کسی نے مکان فروخت کیا تو جو چیز اس کا جز نہیں ہے، مثلاً تخت، پلنگ، کرسی، میز، اور گھر کا دوسرا سامان تو ان پر خریدار کا کوئی حق نہیں ہے[2]۔

جن باتوں کی اجازت ہے

۱۔ جو چیزیں تول کر یا ناپ کر یا گن کر بکتی ہیں ان میں اختیار ہے، کہ چاہے ان کو تول کر یا ناپ کر بیچے یا ان کے ڈھیر کو اندازہ سے فروخت کر دے، مثلاً غلہ کو اس طرح بھی کہہ کر بیچا جا سکتا ہے، کہ روپیہ کے چار سیر یا دو سیر اور اس طرح بھی کہہ کر بیچا جا سکتا ہے کہ یہ غلّہ کا ڈھیر یا یہ پورا کھیت دس روپے میں یا سو روپے میں بیچتا ہوں اسی طرح پھل وغیرہ کے ڈھیر کی بھی قیمت لگائی جا سکتی ہے، اور ان کو گن کر بھی بیچا جا سکتا ہے، مثلاً بائع یہ کہے کہ امرود کی یا سنترے کی یہ ڈھیری ایک روپے میں ہے یا ایک روپے میں دس یا پانچ سنترے ملیں گے، یا امرود ایک روپے کے چار سیر ملیں گے تو یہ سب صورتیں جائز ہیں، اسی

---

[1] اس سے پہلے بھی اس کی تشریح آچکی ہے [2] المجلہ ص ۳

طرح اگر پھلوں کی پوری ٹوکری کو بیچ دیا، اور کسی نے لے لی، تو یہ جائز بھی ہے، چاہے اس میں کتنا ہی پھل نکلے، لیکن اگر کوئی یہ کہہ کر بیچی گئی کہ اس میں اتنے پھل ہیں، مثلاً سنترے یا آم یا امرود کی ٹوکری کے بارے میں یہ کہا کہ اس میں پانچ سو پھل ہوں گے اور اس کی قیمت پانچ روپے ہوگی، تو اگر پانچ سو سے کم ہوں تو پھر خریدار کو اختیار ہوگا کہ وہ خریدے یا نہ خریدے، لیکن اگر پانچ سو سے زیادہ پھل ہوں گے، تو وہ بیچنے والے کے ہوں گے[1]

۲ - اگر کوئی چیز سامنے ہو تو اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے، مثلاً غلہ کا یا پھلوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے، بیچنے والے نے کہا کہ یہ ڈھیر میں اتنے روپے میں بیچتا ہوں، تو یہ جائز ہے۔

۳ - جن چیزوں میں یکبارگی پھول پھل نہیں آتے بلکہ برابر آتے رہتے ہیں، تو ایسے درختوں میں جب کچھ پھل آجائیں تو ان کو بیچا جا سکتا ہے، مثلاً مہوے کے درخت، امرود کے درخت، ترکاریاں، پھول کے پودے،

۴ - جن درختوں اور پودوں میں ایک ساتھ پھل آجاتے ہیں، یا دانے نکلتے ہیں، مثلاً آم، بیر، اور تمام غلے تو ان کا حکم یہ ہے کہ جب یہ سب ظاہر ہو جائیں تو ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے، چاہے کھانے کے لائق ہوں یا نہ ہوں، مثلاً جب آم میں کیریاں اچھی طرح آجائیں، یا گیہوں کے کھیت میں بالیں ظاہر ہو جائیں، یا بیر کے پھل ظاہر ہو جائیں، اگرچہ ابھی کھانے کے لائق نہ بھی ہوں تو ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔

۵ - اگر کوئی مشترک زمین یا کوئی مشترک جائیداد ہو تو حصہ دار کو اپنے حصہ کے فروخت کرنے کا حق ہے، چاہے وہ تقسیم ہو گئی ہو یا نہ ہوئی ہو، یا شریک سے اجازت لی گئی ہو یا نہ لی گئی ہو۔

ثمن یعنی قیمت کا بیان

ثمن یا قیمت سے مراد وہ رقم ہے جو کسی مال کو خریدنے کے بدلے میں دی جاتی ہے، قیمت[2] کبھی تو نقد دی جاتی ہے اور کبھی چیز کے بدلے کوئی دوسری چیز دی جاتی ہے، مثلاً ایک جانور کے بدلے دوسرا جانور یا ایک کپڑے کے بدلے دوسرا کپڑا جب چیز کے بدلے چیز یا جنس کے بدلے جنس دی جائے، تو اس کی بہت سی صورتیں ایسی

---

[1] المجلہ ص ۳۳، ۳۴ [2] ثمن اور قیمت کا فرق اوپر بتایا جا چکا ہے یہاں قیمت بمعنی ثمن بولا جا رہا ہے۔

ہیں، جن میں ذراسی بے احتیاطی سے خرید و فروخت کا معاملہ سود ہو جاتا ہے، اس کا مفصل بیان سود کے سلسلہ میں آئے گا، یہاں اس کے بارے میں چند باتیں لکھ دی جاتی ہیں۔

۱۔ قیمت کو واضح طور پر بتا دینا ضروری ہے اگر کسی نے مجمل رکھا تو بیع فاسد ہوگی، مثلاً کسی نے کہا کہ اس بیگ یا ہاتھ میں جتنا روپیہ ہے، وہ سب کے بدلہ میں فلاں چیز خرید تا ہوں، تو یہ جائز نہیں ہے، یا دوکاندار نے کہا کہ چیز لے جائیے جو واجب دام ہوں گے آپ سے مناسب لے لئے جائیں گے، یا میں بعد کو بتاؤں گا، یا جتنا فلاں نے دیا ہے آپ بھی دے دیجئے گا، یا آپ جو مناسب سمجھے دید یجئے یا فلاں آدمی جو دام لگا دیں گے وہ دے دیجئے گا تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی، البتہ اگر قیمت طے ہو جائے، پھر چاہے بعد میں ادا کرے تو کوئی حرج نہیں، یا قیمت بتا کر کہے کہ لیجائیے سوچ کر لینے یا نہ لینے کا فیصلہ کیجئے گا تو یہ کہنا صحیح ہوگا اگر اس نے سوچ کر قیمت بھجوا دی تو بیع ہوگئی۔

۲۔ جو قیمت ادا کی جارہی ہے، یا جس چیز کے بدلے چیز بدلی جارہی ہے، وہ سامنے ہو، تو پھر اس کی مقدار یا تعداد بتا دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سامنے رکھی ہوئی رقم یا موجود غلہ کے بدلے ہم یہ جانور یا کپڑا بیچتے ہیں۔

۳۔ اگر قیمت خرید تے وقت نہ دی جائے، مگر بائع کو یہ بتا دیا جائے کہ ہم اتنے روپے میں یہ چیز خرید تے ہیں بعد میں ادا کر دیں گے تو یہ درست ہے۔

۴۔ کسی نے کوئی چیز خریدی اور یہ کہا کہ بارش تک قیمت ادا کر دیں گے۔ تو یہ بیع فاسد ہوگی، اس کو دن یا تاریخ بتانا چاہیئے۔

۵۔ خریدار نے کوئی چیز ادھار خریدی مگر ادائیگی کی کوئی مدت نہیں بتائی اور یوں ہی لے کر چلا گیا، تو وہ مدت ایک ماہ سمجھی جائے گی، ایک مہینہ کے بعد اسے ادا کر دینا چاہیئے، ایک ماہ بعد دوکاندار اس کے خلاف قانونی کارروائی کر سکتا ہے[1]

۶۔ اگر کسی دکاندار کے یہاں سے سامان آتا رہتا ہے اور مہینہ میں حساب ہو جاتا ہے، جو کچھ

---

[1] المجلہ ص۳۶ اذا باع نسیئۃ بدون بیان مدۃ فتصرف المدۃ الی شھر واحد

نکلتا ہے وہ دے دیا جاتا ہے، تو یہ صورت جائز ہے، لیکن حساب کے وقت اگر قیمت مقرر کرنے میں اختلاف کا خوف ہو تو پھر جائز نہیں ہے، اس صورت میں قیمت طے کر کے پھر سودا منگانا چاہیئے۔

۷۔ جو سکّے کسی ملک میں رائج ہوں، ان میں سے جو سکہ بھی قیمت میں دیا جائے دُکاندار کو لینا پڑے گا، البتہ اگر دُکاندار نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم ریزگاری نہیں لیں گے، یا عموماً ریزگاری قیمت میں نہ لی جاتی ہو، تو پھر دُکاندار ریزگاری لینے سے انکار کر سکتا ہے اگر کسی ملک میں کئی طرح کے سکے رائج ہوں تو اس کی تصریح ضروری ہے مثلاً سنگاپور اور ملیشیا کے ڈالر اور امریکن ڈالر کی قیمت میں فرق ہے تو اگر یہ تینوں سکے کہیں چل رہے ہوں تو اس کی تصریح ضروری ہے کہ کونسا ڈالر مراد ہے۔

۸۔ جو مال اُدھار بیچا جائے اس میں مدت مقرر کر کے اکٹھا قیمت لینا اور قسط مقرر کر کے لینا دونوں درست ہے۔ مگر مدت کا تعین ضروری ہے۔

معاملہ طے ہو جانے کے بعد خرید و فروخت کا معاملہ کرنے کا جو طریقہ اوپر بتایا گیا اور سودا اور قیمت کے بارے میں جو تفصیل کی گئی ہے، اگر اس طریقہ پر کوئی معاملہ طے کر لیا تو پھر بائع اور مشتری میں سے کسی کو اس سے انکار کرنے کا حق نہیں ہے مثلاً ایک خریدار نے کپڑے کے دُکاندار یا غلّہ کے بیوپاری سے کپڑے یا غلّہ کا معاملہ طے کیا اور دونوں میں بھاؤ اور قیمت طے ہو گئی، تو پھر ان میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ انکار کرے، دُکاندار کو بیچنا اور مشتری کو خریدنا پڑے گا

یا معاملہ تو طے ہو گیا اور بائع نے یہ کہا کہ آج موقع نہیں ہے، کل سودا لے جائیے گا، یا مشتری نے کہا کہ میں کل قیمت دوں گا اور غلّہ لے جاؤں گا، تو دوسرے دن چاہے غلہ کا بھاؤ تیز ہو جائے یا کم ہو جائے دونوں اس معاہدہ کے پابند ہوں گے جو اس سے پہلے طے ہو گیا ہے اگر کوئی انکار کرے گا تو وہ گناہ گار ہوگا اور اسلامی حکومت قانوناً اس معاملہ کو نافذ کرے گی۔

بائع و مشتری کب معاملہ فسخ کر سکتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خریدار کو کوئی چیز خریدنے کے بعد پھیرنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے، یا

دو کاندار کسی وجہ سے سودا دینا نہیں چاہتا اور قیمت واپس کر دینا چاہتا ہے اگر ایسی صورت پیش آجائے تو پھران دونوں کو معاملہ کے فسخ کرنے کا اختیار ہے، بشرطیکہ دونوں اس پر راضی ہوں، اگر دونوں راضی ہوں تو پھر خریدار مال واپس کر دے اور دکاندار قیمت، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدار مال کا کچھ حصہ استعمال کر چکا ہوتا ہے اور دکاندار وہ پیسے خرچ کر دیتا ہے، تو اگر مال کا کچھ حصہ اس نے استعمال کر لیا ہے تو بھی اس کو پھیرنے کا اختیار ہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ دکاندار پھیر لینے پر اور یہ استعمال شدہ حصہ کی قیمت وضع کر لینے کے بعد بقیہ قیمت لینے پر راضی ہو اگر اس پر وہ راضی نہ ہو اور پوری قیمت مانگے تو دکاندار کو حق ہے کہ وہ نہ واپس کرے مثلاً کسی نے ایک پیکیٹ بسکٹ ایک روپیہ میں خریدا، اور اس میں بیس بسکٹ ہیں، اس میں سے چار بسکٹ کھالئے، پھر وہ پسند نہیں آئے یا اس کی ضرورت نہیں سمجھی، تو اگر دکاندار بقیہ کے واپس کرنے پر راضی ہو تو واپس کر سکتا ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ چار بسکٹ کی قیمت کاٹ لے اگر دکاندار واپسی پر راضی نہ ہو تو پھر خریدار اس کو مجبور نہیں کر سکتا، اسی طرح کسی نے زمین مع فصل یا باغ مع پھل خریدا اور اس نے جب فصل کاٹ لی، یا پھل کھالیا اس کے بعد زمین واپس کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی واپسی بائع کی رضامندی اور فصل اور پھل کی قیمت وضع کرنے کے بعد ہوسکتی ہے[1]

لیکن اگر خریدار نے پوری چیز استعمال کر لی، تو پھر اب اس کی واپسی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا[2] مثلاً اگر اس نے پورا پیکیٹ بسکٹ کا استعمال کر لیا تو پھر رقم کی واپسی کا اختیار نہیں رہا، خواہ اس کو وہ پسند آئے ہوں یا نہ آئے ہوں وہ اچھے رہے ہوں یا خراب کیونکہ اب اس کے پاس وہ چیز ہی نہیں ہے تو واپس کیا کرے گا، اس کو شریعت میں اِقالہ کہتے ہیں۔

قیمت خرچ ہوجانے کی صورت

لیکن قیمت کا معاملہ اس سے مختلف ہے، یعنی قیمت اگر بائع نے خرچ کر دی ہے تو بھی واپس ہوسکتی ہے، کیونکہ روپیہ کے بدلے دوسرا روپیہ وہ دے سکتا ہے اس لئے اگر وہ سودا کے واپس لینے پر راضی ہوگیا ہے تو اس کو قیمت کے خرچ ہوجانے کا بہانہ بنانا صحیح نہیں ہے، البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ

[1] لو کان بعض المبیع قد تلف صحت الاقالۃ [2] فلو کان المبیع قد تلف لا تصح الاقالۃ المجلہ ص۲۷

قیمت بعد میں ادا کرے مگر اس صورت میں خریدار کی رضامندی ضروری ہے، غرض یہ کہ جس طرح خرید و فروخت کا معاملہ ہوا تھا اسی طرح واپسی کا معاملہ بھی صاف صاف اور رضامندی کے ساتھ ہونا چاہیئے[1]۔

چند اور شرطیں (۱) اقالہ یعنی واپسی اصل قیمت سے زیادہ پر نہ ہونی چاہیئے (۱) اگر دُکاندار نے بازار کے بھاؤ سے قیمت زیادہ لی ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے (۳) اگر مشتری نے اس میں کوئی اضافہ یا عیب پیدا کر دیا ہے تو اقالہ نہیں ہو سکتا۔

سودا یا قیمت واپس کرنے کی بعض اور صورتیں معاملہ طے ہونے سے پہلے فریقین کو جو اختیار رہتا ہے اسے خیار مجلس اور خیار قبول کہتے ہیں اور معاملہ طے ہونے کے بعد قیمت پھیر کر سودا واپس لینے کی یا سودا واپس کر کے قیمت پھیر لینے کی سات صورتیں ہوتی ہیں، خیار شرط، خیار وصف، خیار نقد، خیار تعیین خیار رویت، خیار عیب، خیار غبن۔ اب ان سب کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

خیار شرط خرید و فروخت کا معاملہ طے ہو گیا مگر خریدار نے خریدتے وقت یہ شرط لگا دی کہ میں دو روز یا تین روز میں بتاؤں گا کہ اس کو لیتا ہوں یا نہیں، یا گھر میں دکھلا کر پھر بتاتا ہوں، تو خریدار کو اس کے پھیر دینے کا اختیار رہے، اس کو خیار شرط کہتے ہیں، یعنی یہ شرط لگا دینے کی وجہ سے اس کو یہ اختیار مل گیا، اسی طرح بائع کو بھی شرط لگانے کا اختیار ہے، یعنی وہ کسی خریدار کی پسندیدہ چیز کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ میں اس کے بیچنے کا فیصلہ دو روز یا تین روز بعد کروں گا۔ لیکن اس سلسلہ میں چند باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ (۱) **خیار شرط کی مدت[2] کی تعیین**

---

[1] ہلاک الثمن ای تلفہ لایکون مانعا من صحۃ الاقالہ المجلہ ص۲۷ [2] امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ خیار شرط میں زیادہ سے زیادہ تین دن کی مدت مقرر کی جا سکتی ہے، مگر صاحبین یعنی امام صاحب کے دونوں ممتاز شاگرد امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ یہ کہتے ہیں کہ مدت کی تعین ہونی چاہیئے مگر یہ مدت تین دن سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے، ان دونوں حضرات کے پاس دلائل ہیں، راقم کے خیال میں اس اختلاف کو موقع و محل یا سودے کے اہم و غیر اہم ہونے پر محمول کرنا چاہیئے: یعنی معمولی چیزوں میں تو تین دن سے زیادہ کی مدت نہ ملنی چاہیئے مگر کسی بڑی چیز کی خریداری میں یہ مدت کافی نہیں ہو سکتی ہے غالباً اسی لئے صاحبین نے یہ رائے دی ہے

باقی ص۲۹ پر

ضروری ہے، کہ وہ کتنے دن میں لینے یا نہ لینے کا جواب دے گا۔

۲۔ اگر مقررہ مدت کے بعد اس نے کوئی جواب نہیں دیا، تو اب اس کو واپسی کا کوئی اختیار نہیں ہے، ہاں اگر بائع اپنی خوشی سے واپس کرلے تو اور بات ہے۔

۳۔ اگر کسی نے خیار شرط کی مگر گھر لے جا کر اس کو استعمال کرلیا تو پھر اب واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ بلکہ اب اس کو قیمت ادا کرنا پڑے گی البتہ اگر وہ ایسی چیز ہو جس کے استعمال کے بعد ہی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے تو پھر استعمال کا حق ہے، مثلاً کسی نے ایک پلنگ خریدا، یا کرسی و میز خریدی، یا چادر خریدی، یا جوتا خریدا اور اس کو لے جا کر استعمال کرنا شروع کر دیا، تو اب اس کو واپسی کا حق نہیں ہے، ہاں اگر تھوڑا سا استعمال کرلیا تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر گھڑی خریدی اور دو تین دن تک کلائی میں لگا کر یا میز پر رکھ کر یا دیوار پر ٹانگ کر اس کا وقت دیکھا اور اس کے بعد واپس کیا تو اس کو واپسی کا حق ہے، اسی طرح اگر اس نے موٹر خریدا، سائیکل خریدی تو اس کی رفتار وغیرہ دیکھنے کے لئے اس پر چڑھنے کا حق ہے، اسی طرح اگر دودھ کے لئے گائے بھینس خریدی، یا سواری کے لئے گھوڑا خریدا، تو اس کو اس مدت میں دودھ دوہنے اور گھوڑے پر سواری کرنے کا حق ہے، اسی طرح کسی نے سوئٹر خریدا، یا موزہ خریدا یا بنیان خریدا تو ان کو پہن کر دیکھ سکتا ہے، کیونکہ ان تمام مذکورہ چیزوں کی اچھائی یا خرابی بغیر استعمال کے نہیں معلوم کی جا سکتی۔

خرابی آجانے کی صورت میں لیکن اگر استعمال سے اس چیز میں کوئی خرابی ہوگی تو پھر واپسی کا حق نہ ہوگا اور خریدار کو قیمت دینا ہوگی، اسی طرح اگر وہ چیز ضائع ہوگئی تو بھی خریدار کو قیمت ادا کرنی ہوگی، اس صورت میں اگر بائع اپنی خوشی سے واپس کرلے تو یہ اس کا احسان ہوگا، اسی طرح اگر موزہ پر لیبل لگا ہے اس کو چھڑانے کے بعد اس کی قیمت گھٹ جائے گی تو اس صورت میں بھی اس کو پہن کر دیکھنے کا اختیار نہ ہوگا۔

بقیہ ص ۲۸ المجلہ کے مرتبین نے بھی متن میں دن کی قید کا ذکر نہیں کیا ہے، اس سے ان کا رجحان بھی صاحبین کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر فریق ثانی زیادہ کی اجازت دیدے تو جائز ہے۔

موت کے بعد اگر خیار شرط کی مدت میں بائع یا مشتری میں سے کوئی مرجائے، تواب ورثہ کو اس کے توڑنے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہے گا، یعنی اگر بائع مرجائے، تو اب مشتری کو وہ چیز لینی پڑے گی، اگر مشتری مرجائے تو بائع کو اس کی قیمت لینے کا حق ہوگا، چیز واپس کرنے کا حق مشتری کے ورثہ کو نہیں ہوگا۔[1]

اگر خیار شرط بائع کی طرف سے ہے تو مال اسی کی ملکیت سمجھا جائے گا اگر اس مدت میں مشتری سے وہ مال ضائع ہوگیا تو مشتری کو اس کی اصل قیمت ادا کرنی ہوگی اور اگر خیار مشتری کی طرف سے ہے اور قبضہ کے بعد اس مدت میں مال ضائع ہوگیا تو مشتری کو طے شدہ رقم یعنی ثمن دینا ہوگا۔

خیارِ وصف کسی دکاندار نے کسی کپڑے کی، یا سُنار نے کسی زیور کی، یا کسی پھل والے نے پھل کی، یا کسی جانور کے بیوپاری نے جانور کی چال کی یا اس کے دودھ کی بڑی تعریف کی رات کا وقت تھا خریدار نے غور سے دیکھا نہیں یا محض اس کی ترغیب کی بنا پر خرید لیا مگر جب گھر لے جاکر دیکھا اور آزمایا تو اس چیز کو تعریف کے مطابق نہیں پایا، تو اب اس کو اس کی واپسی کا حق حاصل ہے، اسی طرح ایجنٹ نے کوئی چیز عمدہ دکھائی اور دوکاندار نے اس کا آرڈر دے دیا مگر جب چیز آئی تو نمونہ کے مطابق نہ تھی، تو اس کی واپسی کا حق ہے، البتہ اگر اس نے اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا یا خود استعمال کر لیا تو پھر واپسی کا حق نہیں ہے، استعمال کر لینے کی اوپر جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس کو یہاں بھی سمجھنا چاہئے۔ خیار وصف کی صورت میں اگر خریدار کا انتقال ہوگیا تو ورثہ کو بھی اس مال کے واپس کرنے کا حق باقی رہے گا۔

خیارِ رُویت اگر کسی نے بے دیکھے ہوئے کوئی چیز خرید لی، تو اس کو دیکھنے کے بعد خریدنے یا نہ خریدنے کا اختیار باقی رہے گا اس کو خیار رُویت کہتے ہیں، بیچنے والے کو خیار رویت کا حق ہے، مثلاً کسی نے اپنی چیز بغیر دیکھے فروخت کر دی تو

---

[1] ہدایہ باب خیار الشرط

اس کو اب واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے ایک مکان کسی دوسری جگہ پر خریدا یا کسی دوسرے ملک سے کوئی مال منگالیا اور دیکھنے کے بعد پسند نہ آیا، تو اس کو لینے یا نہ لینے کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر کسی نے کوئی مال یا جائداد دوسرے شہر میں وراثت میں پائی، یا اور کسی طریقہ سے اس کو مل گئی، اور اس نے کسی کے ہاتھ فروخت کر دی، تو اب اس کو دیکھنے کے بعد واپسی کا حق نہیں، چاہے اس میں اس کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو اس کو پہلے ہی دیکھ لینا چاہئے تھا، کیونکہ یہ اس کی ملک میں تھی، بخلاف خریدار کے کہ چونکہ اس کی ملکیت میں یہ چیز نہیں تھی، اس لئے اس کو دیکھنے کے بعد فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔

اس سلسلہ میں چند باتیں اور یاد رکھنی چاہئیں۔

۱۔ کسی چیز کا نمونہ دیکھ لینے کے بعد معاملہ کیا تو اب واپسی کا حق نہیں ہے، البتہ اگر مال نمونہ کے مطابق نہ ہو تو پھر دیکھنے کے بعد واپس کر سکتا ہے، مثلاً کسی نے کپڑے کا، اون کا، یا گھڑی کا یا غلہ کا نمونہ دکھایا اور اسی کے مطابق اس نے مال بھیج دیا تو اب اس کو واپسی کا حق نہیں ہے، البتہ اگر نمونہ کے مطابق نہ ہو تو پھر واپس کر سکتا ہے۔

۲۔ جن چیزوں کا صرف نمونہ دیکھنے سے اندازہ نہ ہو سکے، ان میں نمونہ دکھانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو دیکھنے کے بعد واپس کرنے کا اختیار ہوگا، مثلاً ایک بکری دکھا کر سو بکری کا معاملہ طے کیا، یا ایک بیل یا ایک گھوڑا دکھا کر چار بیلوں یا گھوڑے کا معاملہ طے کیا یا ایک یا چند پھل دکھا کر پوری ایک گاڑی پھل کا معاملہ طے کیا گیا، تو ان چیزوں میں چونکہ یکسانیت نہیں ہوئی، اس لئے خریدار کو خیار رویت کا حق باقی رہے گا۔

۳۔ جو چیزیں کھانے پینے والی ہیں، ان کو صرف دیکھنے ہی کا حق نہیں ہے، بلکہ ان کو چکھنے کا حق بھی خریدار کو ہے، بشرطیکہ اس سے بائع کو بہت زیادہ نقصان نہ ہو، یا وہ چیز بالکل خراب نہ ہو جائے اور بائع کو مطلع کر دیا گیا ہو، کہ ہم چکھیں گے، مثلاً اگر کسی نے بسکٹ کا ایک پیکٹ خریدا، جیلی کا ایک ڈبہ خریدا، امرود یا سنترے خریدے تو ان چیزوں کو آپ چکھ سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ آپ کو بائع سے یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ ہم چکھ کر خریدیں گے۔

اگر وہ راضی ہو تو چکھنے کے بعد بھی خریدار واپس کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ راضی نہ ہو تو اس کو چکھنے کا حق نہیں ہے یا چکھنے کی صورت میں دکاندار کو زیادہ نقصان ہو تو بھی وہ اس پر مجبور نہیں ہے، مثلاً اگر جیلی کا ڈبہ آپ کھول کر اس کو چکھیں اور پھر نہ لیں تو اس صورت میں بھی دکاندار کو بہت زیادہ نقصان ہوگا کیونکہ کھل جانے کے بعد اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اور اگر کچھ دن نہ بکے تو خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے، لیکن معمولی پھل وغیرہ کے چکھنے میں یہ بات نہیں اس لئے اس کے چکھنے کی مطلقاً اجازت ہے۔ برخلاف اس کے اگر گیہوں خریدا، یا آٹا خریدا۔ اور پسانے یا پکانے پر وہ خراب نکلا تو پھر بائع کی مرضی کے خلاف وہ واپس کر سکتا ہے۔ البتہ جتنا آٹا یا گیہوں وہ استعمال کر چکا ہے اس کی قیمت وضع کر لینے کا حق بائع کو ہے۔

۴۔ اگر خریدنے سے پہلے اس چیز کو دیکھ لیا تھا، اس کے بعد خریدنے کا معاملہ کیا تو اب دوبارہ اس کو خیار رویت کا حق نہیں ہے، لیکن دیکھنے اور معاملہ کرنے کی درمیانی مدت میں اس میں کوئی خرابی آگئی ہو تو البتہ واپسی کا حق ہے مثلاً کسی کا مال اسٹیشن پر یا دوسرے کسی مقام پر پڑا ہوا ہے خریدار نے اسے دیکھ لیا اور پھر اس نے مال والے سے اس کے خریدنے کا معاملہ کر لیا تو پھر اب دوبارہ دیکھ کر اس کو واپسی کرنے کا حق باقی نہیں رہا البتہ اگر اسی درمیان میں بارش آگئی، یا کوئی اور حادثہ پیش آگیا اور وہ مال خراب ہو گیا تو پھر اس کو واپسی کا حق ہے۔

۵۔ کسی دکاندار کا نمایندہ اگر کوئی چیز دیکھ کر خریدے تو اب مالک کو واپسی کا حق نہیں ہے، لیکن اگر اس نے مال کی خریداری کا نمائندہ اس کو نہیں بنایا تھا بلکہ اس لئے بھیجا تھا کہ وہ مال حفاظت سے پیک کرا کے بھیج دے، یا وہاں سے اٹھوا دے، تو پھر اس نمایندہ کا دیکھنا کافی نہیں ہے بلکہ اصل مالک کا دیکھنے کے بعد واپسی کا اختیار باقی رہے گا۔

۶۔ اگر خریدار اس چیز کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ تو پھر اس کو واپسی کا حق نہیں ہے، لیکن یہ استعمال چکھنے والا نہ ہو مثلاً کسی نے سو ڈبے جیلی کے منگائے، اور اس میں سے دس بیس ڈبے فروخت کر لئے تو اب پھر مال واپس کرنے کا حق نہیں ہے ہاں اگر ایک ڈبہ کھول کر

دکاندار نے چکھا اور وہ خراب نکلا تو واپسی کا حق ہے یا ابھی دو ایک ڈبے فروخت کئے تھے اور خریدار نے شکایت کی تو پھر اس کو مال واپس کر دینے کا حق ہے۔

۷۔ اگر کوئی اندھا ہو اور وہ اپنے ہاتھ سے چھو کر یا چکھ کر یا سونگھ یا دوسرے سے پوچھ کر کوئی چیز خرید لے تو اب اس کو خیار رویت کا حق باقی نہیں ہے، خیار رویت کی مدت میں مشتری کا انتقال ہو گیا تو اس کے ورثہ کو خیار رویت کا حق نہیں پہنچتا اب وہ معاملہ طے سمجھا جائے گا۔

خیارِ عیب

اوپر ذکر آچکا ہے کہ جو چیز بیچی جائے، بیچنے والوں کو چاہیے کہ اس کی اچھائی اور برائی کو بتا دیں، اگر کسی نے دھوکے سے کوئی چیز بیچ دی یا کسی نے خراب نوٹ یا روپیہ دھوکے سے کسی چیز کی قیمت دے دی، تو ایسا کرنا حرام ہوگا اور وہ سخت گنہ گار ہوگا، اور یہ خرید و فروخت باطل ہوگی، ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلّہ کی دکان پر تشریف لے گئے، اور اس کے غلّہ کے ڈھیر میں دست مبارک ڈال کر دیکھا تو اندر کچھ نمی محسوس ہوئی، آپؐ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے، اس نے کہا کہ بارش سے یہ غلّہ بھیگ گیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ پھر بھیگے ہوئے غلّہ کو اوپر کیوں نہیں کر دیتے تاکہ لوگوں کی نظریں پڑیں اور وہ دھوکہ نہ کھائیں، پھر فرمایا کہ جس نے دھوکے سے کوئی چیز فروخت کی وہ میری امّت سے نہیں ہے، اس سلسلہ میں چند ضروری باتیں یاد رکھنی چاہیے۔

عیب کی تعریف

عیب سے مراد ایسی خامی یا کمی یا نقص ہے جس سے چیز کی قیمت گر جاتی ہے۔

۱۔ اگر بائع نے کسی چیز کی قیمت اتنی لی جتنی صحیح سالم چیز کی لی جاتی ہے، اس کے بعد عیب نکلا، تو خریدار کو واپس کر دینے کا حق ہے، اگر خریدار اس عیب دار چیز کو لینا چاہتا ہے تو قیمت کم کرانے کا اس کو اختیار نہیں ہے، بلکہ یا تو وہ اسی قیمت پر لے ورنہ واپس کر دے، البتہ اگر دکاندار اپنی خوشی سے کچھ دام کم کر دے، تو اس کو اختیار ہے۔

۲۔ اگر دکاندار نے عیب بتا دیا اور اس کے باوجود کسی نے وہ چیز خرید لی، تو اب اس کو واپسی کا حق نہیں ہے۔

۳۔ اسی عیب و نقص کی بنا پر کسی چیز کے واپس کرنے کا حق ہے جو دکان یا بائع کے گھر میں پیدا ہو چکا ہو، اگر خریدار کے گھر میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو اب واپسی کا حق نہیں ہے یا ایک عیب دکان کا تھا،

دوسرا اس کے گھر پیدا ہو گیا، تو اس صورت میں بھی اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے، مثلاً کپڑا خریدا اور وہ کچھ کٹا ہوا تھا، گھر لاکر رکھا اور اس کے اوپر روشنائی گر گئی، یا کتھا گر گیا، یا چوہے نے کاٹ دیا یا خود ہی اس میں قینچی لگادی، تو اب اس دوسرے عیب کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کو واپسی کا حق باقی نہیں رہا۔ البتہ پہلے عیب کے بقدر اس کی قیمت کم کرانے کا حق ہے، قیمت کا اندازہ اس پیشہ کے ماہر یا اس چیز کے مستقل بیچنے والے یا خریدنے والوں سے کرانا چاہیے، اگر دوکاندار دوسرے عیب کے باوجود واپس کرلے تو یہ اس کی شرافت ہے مگر خریدار کو اس کی شرافت یا مروت سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیے، کیونکہ اس میں اس کا نقصان ہے۔

۴۔ اگر بائع یہ کہہ کر کوئی چیز فروخت کرے، کہ ظاہری طور پر اس میں کوئی عیب نہیں ہے، اور خریدار نے بھی اچھی طرح دیکھ بھال لیا تو اب اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر محض اس کے کہنے پر لے لیا۔ اور خود دیکھا بھالا نہیں تو اس کو واپسی کا حق ہوگا۔

۵۔ عیب معلوم ہو جانے کے بعد خریدار کو چیز فوراً واپس کر دینی چاہیے، اگر اس نے اس کے بعد بھی استعمال کی تو اب اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر ایسی چیز ہے جس کا عیب استعمال کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے مثلاً گھڑی، فاؤنٹن پین، سواری کا جانور، موٹر سائیکل رکشا، کار، موٹر تو ان چیزوں کا تھوڑا سا استعمال جائز ہے، اسی طرح اگر جوتہ پیر میں ڈال کر دیکھ لیا یا سوٹر پہن کر دیکھ لیا اور عیب نکلا تو اس کو واپسی کا حق ہے، لیکن اگر اس نے کئی دن استعمال کر لیا تو پھر واپسی کا حق نہیں ہے، لیکن اگر کسی ایسی چیز کا استعمال کر لیا جس کا عیب استعمال کے بغیر معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً پلنگ، کرسی، میز، تخت، بغیر سلا ہوا کپڑا، کتاب، کاغذ، وغیرہ تو ان چیزوں کے استعمال سے واپسی کا حق جاتا رہے گا، یا اس نے کوئی جانور خریدا، اور گھر لے جانے پر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے، یا اس میں کوئی اور عیب ہے، مگر اس کے باوجود وہ جانور پر سواری کرنے لگا یا اس کا دودھ دوہنے لگا، یا اس کو ہل میں جوتنے لگا، یا اس کا علاج کرانے لگا، تو اب اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے، یا کپڑا لیا، اور عیب معلوم ہو جانے کے بعد اسے رنگ دیا، یا سلنے کو دے دیا تو اب اس کو اختیار نہیں ہے، یا کوئی زمین لی اور اس کو معلوم ہوا کہ یہ ادسر ہے یا شور بنجر

ہے مگر اس کے باوجود اس نے اس میں درخت بٹھا دیا، یا کوئی چیز بو دی تو اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔

۶۔ اگر کوئی چیز ایسی خریدی جس کو گھر لا کر دیکھا تو کچھ خراب نکلی اور کچھ اچھی تو خریدار کو یہ حق نہیں ہے، کہ اچھی چیزیں رکھ لے اور خراب واپس کر دے البتہ اگر دوکاندار خوشی سے واپس لے لے تو کوئی حرج نہیں ہے مثلاً ایک من غلہ خریدا اس میں نصف سے زیادہ جو ملا ہوا ہے یا گرد و غبار ہے۔ یا پھل لیا اور اس میں آدھے کے قریب سڑے نکلے تو، یا تو پورا لے یا پورا واپس کر دے۔ چھانٹ کر لینے کا حق اس وقت ہے، جب بیچنے والا ہنسی خوشی اس پر راضی ہو۔

۷۔ اگر کسی نے غلہ خریدا اور ذرا سا اس میں گرد و غبار نکلا یا جو یا مٹر یا کنکری نکلی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، البتہ اگر ایک من میں دو چار سیر گرد و غبار نکل جائے، تو پھیرنے کا حق ہے، اس کا تعلق عرف عام سے ہے، یعنی عام طور پر جتنا گرد و غبار غلوں میں رہا کرتا ہے یا دوسرے اناج کی ملاوٹ رہتی ہے، اتنے میں تو پھیرنے کا حق نہیں ہے اور اس سے زیادہ میں ہے، مثلاً ایک من گیہوں میں اگر آدھ سیر یا پاؤ بھر گرد و غبار یا سیر یا دو سیر دوسرے اناج کی ملاوٹ ہو تو یہ عیب نہیں سمجھا جائے گا لیکن اگر دو چار سیر گرد و غبار یا ملاوٹ نکلے تو یہ عیب ہے خریدار کو واپسی کا حق ہے۔

اسی طرح کسی نے ایک سیر بادام یا چار درجن انڈے خریدے اور جب توڑا تو دو چار خراب نکل گئے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

البتہ اگر زیادہ خراب نکلیں تو اتنی قیمت خریدار کو واپس لینے کا حق ہے، مثلاً ایک انڈا خریدا اور وہ خراب نکلا یا دو خریدے اس میں سے ایک خراب نکلا تو خریدار کو قیمت واپس لینے کا حق ہے۔

۸۔ ایسی ترکاریاں یا ایسی چیزیں جن کی اچھائی یا خرابی کا پتہ کاٹنے کے بعد ہی چل سکتا ہے، تو اگر وہ سب کی سب بیکار اور پھینک دینے کے قابل ہوں، تو پھر خریدار کو دام واپس لینے کا حق ہے، اگر کچھ خراب ہیں تو اس کا حکم اوپر آ چکا ہے اگر یہ کھانے کے کام میں لانے کے قابل نہ ہوں مگر کسی دوسرے کام میں آ جائیں تو ان کی قیمت کم کرانے کا خریدار کو حق ہے، مثلاً کسی نے لوکی یا ککڑی، یا خربوزہ خریدا، گھر لا کر کاٹا، تو سب خراب نکلا تو ایسی صورت میں واپس کرنے اور دام لینے

کا حق ہے اور اگر وہ آدمی کے کھانے کے قابل نہیں تھے مگر اسے کسی جانور کو کھِلا دیا تو اس صورت میں قیمت کم کرانے کا حق ہے۔ یا دودھ لیا اور جس برتن میں لیا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں تھی، اور پھٹ گیا تو اگر وہ استعمال کے قابل تھا اور اسے استعمال کر لیا تو اس سے قیمت کم کرانے کا حق ہے، اگر پھینک دینے کے قابل تھا تو پھر پوری قیمت واپس لینے کا حق ہے، اسی طرح بادام اور انڈے وغیرہ کا حکم ہے[1]۔

خیار تعین

اگر کوئی شخص کئی چیزوں کی قیمت بتا کر مشتری سے کہے کہ اتنے دن میں آپ کو جو چیز لینی ہو اسے طے کر لیجئے تو بیع صحیح ہوگی اور مشتری کو مقررہ مدت کے اندر ایک یا دو چیز جو اسے خریدنا ہے اس کی تعیین کر لینی ہوگی۔

بائع اور مشتری کے اختیارات

(۱) جب تک خرید و فروخت کی بات چیت مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ معاملہ کو ختم کر دے مگر مکمّل ہو جانے کے بعد یا خیارِ شرط، خیار رویت، خیار عیب، اور خیار وصف کی وجہ سے معاملہ ختم ہو سکتا ہے، یا پھر دونوں میں سے کسی کو شدید قسم کا دھوکا دیا گیا ہو، یعنی مثلاً کسی نے سونے کے زیور خریدے اور سونے کے نہیں نکلے، بلکہ صرف اس پر سونے کا ملمعہ تھا یا خریدار نے جو روپے دیئے وہ سب کھوٹے نکلے، یا جعلی تو ایسی صورت میں دونوں کو واپس کر دینے کا حق ہے۔

۲۔ اگر معاملہ طے ہو گیا مگر خریدار نے ابھی قیمت نہیں دی، تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ قیمت فوراً دینے کا وعدہ تھا تو جب تک مشتری قیمت ادا نہ کر دے، بائع کو اپنی چیز اپنے پاس روکے

---

[1] خیار عیب کے سلسلہ میں راقم نے وقت کی تعیین کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں تلاش کی مگر ملی نہیں، غالباً فقہائے نے اسے عرف عام پر چھوڑ دیا ہے۔ ہدایہ کے اس جزء سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جلد سے جلد اس کا فیصلہ ہو جانا چاہئے وہ جزء یہ ہے کہ اگر مشتری نے عیب کا دعویٰ کیا اور جب اس سے ثبوت مانگا گیا تو اس نے کہا کہ میرے گواہ یہاں سے دور ہیں تو بائع کو قسم دے کر اس کی قیمت دلا دی جائے گی پھر وہ لکھتے ہیں کہ لان فی الانتظار ضرراً بالبائع اس سے معلوم ہوا کہ نقصان و عدم نقصان کا اندازہ کر کے اس کی تعین کی جانی چاہیئے۔

رکھنے کا حق ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ معاملہ اُدھار طے ہوا تھا، اور خریدار سودا اپنے گھر لے گیا تو اب بائع کو اپنی چیز واپس لینے کا حق نہیں ہے، اگر مشتری خود واپس کر دے تو اور بات ہے، اس کو پہلے ہی سوچ سمجھ کر دینا چاہیئے تھا، اب خریدار کی حیثیت مقروض کی ہو گی، اور بائع کی قرض خواہ کی، جس طرح مقروض سے روپیہ وصول کرنے کا حکم شریعت نے دیا ہے اسی طرح وصول کرلے، قرض کا بیان آگے آئے گا۔

۳۔ پہلے قیمت ادا کی جائے، پھر سامان پر قبضہ کیا جائے، خریدار کو یہ حق نہیں ہے، کہ وہ پہلے سودے کا مطالبہ کرے اور قیمت بعد میں دے۔

۴۔ اگر کوئی زمین فروخت کی گئی اور اس میں فصل کھڑی ہے یا باغ بیچا گیا اور اس میں پھل ہے تو بائع کو فوراً اس زمین کو خالی کر دینا اور درختوں سے پھل کو توڑ لینا ضروری ہے، خواہ فصل کچی اور پھل ناپختہ ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ اگر مشتری فصل کٹ جانے یا پھل کے پک جانے تک کی اجازت دے تو یہ جائز ہے، مگر بیع کے وقت یہ شرط نہ ہونی چاہیئے، ورنہ بیع فاسد ہو جائے گی۔

۵۔ بائع جو چیز بیچے اس کو چاہیئے کہ وہ خریدار کے اس طرح حوالہ کر دے کہ اس کو قبضہ کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو، مثلاً کوئی زمین بیچی اور رہن ہے تو یہ بیع حاضر نہیں ہے، کیونکہ رہن قبضہ میں مانع ہے یا درخت بیچا اور اس میں کوئی اور شریک ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں شرکت قبضہ میں مانع ہے غرض یہ کہ ایسی صورت وہ پیدا کر دے کہ خریدار اس کو اپنے قبضہ میں کر سکے، کوئی مزاحمت پیش نہ آئے، مثلاً مکان بیچا، اور اس کا تالا کنجی اس کے حوالے کر دیا تو اب قبضہ سمجھا جائے گا، یا اس نے آلو بیچا اور خریدار نے اس کو بورے میں کس لیا تو اب اس کا قبضہ ہو گیا۔

۶۔ حوالہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں جو چیز بیچی جائے وہاں وہ خریدار کی سپردگی اور چارج میں دے دی جائے، یہ ضروری نہیں ہے کہ خود بائع یا مشتری جہاں ہیں وہیں چیز حوالہ کی جائے، مثلاً کسی ہندوستانی تاجر نے مصر میں یا کسی پاکستانی تاجر نے امریکہ میں اپنا کوئی مال بیچا اور خریدار کے حوالہ کر دیا تو وہ بیع تمام ہو گی اب خریدار خواہ ہندوستان کا ہو یا جاپان و چین کا، بائع پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اس مال کو چین، یا جاپان یا ہندوستان میں لا کر اس

کے گھر پہنچا دے یا اس کو یہیں فروخت کرے، بلکہ اس کو حق ہے کہ وہ مال جہاں ہے وہاں بیچ دے، اور اس کو خریدار کے حوالے کر دے، اب یہ خریدار کی ذمہ داری ہے کہ اس نے بخوشی خرید لیا ہے تو وہ اُٹھا کر جہاں جی چاہے لے جائے، لیکن اگر خریدار نے یہ شرط لگا دی تھی کہ ہم یہ مال ہندوستان یا چین میں لیں گے، تو بائع پر یہ ذمہ داری ہوگی، کہ وہ شرط کے مطابق مال وہاں پہنچا بھی دے۔

۷۔ اگر بائع نے کوئی مال بیچا مگر وہ سامنے نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے تو خریدار کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد اگر معلوم ہو کہ مال ایسی جگہ ہے جہاں سے آنے میں خطرہ ہے یا بہت خرچ پڑے گا، تو وہ عقدِ بیع کو ختم کر سکتا ہے۔

۸۔ معاملہ طے ہو گیا، لیکن ابھی خریدار نے قیمت نہیں دی ہے، تو جب تک بائع اجازت نہ دے اس کو چیز اُٹھانے کا حق نہیں ہے اگر اس نے اٹھا لیا اور اس چیز میں کوئی خرابی آگئی، تو اب یہ اس کا قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا، اور اس کو قیمت دینی پڑے گی۔

۹۔ معاملہ طے ہو گیا، مگر ابھی خریدار نے قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ چیز خراب ہو گئی، تو اس کا نقصان بائع کو برداشت کرنا پڑے گا، اور اگر اس نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ ٹوٹ گئی تو اب خریدار کو قیمت دے کر اس کو خریدنا پڑے گا۔

مثلاً کسی نے شیشہ کا ایک گلاس خریدا، یا چینی خریدی، یا چینی کا برتن خریدا، لیکن ابھی اس نے قیمت ادا نہیں کی تھی کہ وہ کسی طرح ٹوٹ گیا، تو خریدار پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اس نے پسند کر کے اپنے ہاتھ میں لے لیا یا اپنے سامنے اسے رکھ لیا، اور وہ ڈھلک کر یا گر کر ٹوٹ گیا، تو اب خریدار کو قیمت دینی پڑے گی، یعنی جس کے قبضہ میں وہ ٹوٹے گا اسی پر ذمہ داری ہوگی۔

۱۰۔ معاملہ طے ہو گیا تھا مگر قیمت دینے سے پہلے مشتری یا سودا دینے سے پہلے بائع مر گیا، تو بائع کو قیمت لینے کا اور مشتری کو سودا لینے کا حق ہوگا فرض کیجیے کہ بائع نے دو سو روپیہ کا غلّہ بیچا، اور قیمت بھی لے لی، مگر ابھی غلّہ خریدار کے حوالے نہیں کیا تھا کہ وہ مر گیا اور اس کے اوپر کچھ قرض بھی ہے، تو خریدار کو اس کے ورثہ سے غلّہ لینے کا حق حاصل ہے، دوسرے قرض خواہ اگر غلّے

کو اپنے قرض میں لینا چاہیں تو ان کو اس کا حق نہیں ہے، اسی طرح اگر مشتری مر جائے، اور اس نے قیمت نہ دی ہو تو بائع کو لینے کا حق ہے۔ قرض خواہ روک نہیں سکتے۔

۱۱۔ بائع نے اگر کوئی چیز بخوشی زیادہ دے دی، یا خریدار نے کچھ قیمت زیادہ دے دی تو معاملہ طے ہو جانے کے بعد کسی کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، یوں اپنی خوشی سے واپس کر دیں تو ان کو اختیار ہے، مثلاً کوئی دوکاندار چار آنے میں دو درجن بٹن بیچتا ہے اور اس نے اپنی خوشی یا رعایت سے کسی کو چار آنے میں ڈھائی درجن دیدیئے تو اب اس کو واپس لینے کا حق نہیں ہے' اسی طرح اگر خریدار نے اس کو بخوشی چار آنے کی چیز کی قیمت ۴ر دے دی تو اب اس کو واپسی کا حق نہیں ہے، البتہ غلطی سے دونوں نے زیادہ دے دیا تو واپسی کا حق باقی رہے گا، مثلاً خریدار نے غلطی سے ۴ر کے بجائے ۵ر دے دیئے یا دوکاندار نے دو درجن کے بجائے ڈھائی درجن بٹن دیدیئے، تو دونوں کو اپنی زیادہ چیز واپس لینے کا حق ہے۔

قیمت کی ادائیگی اور مبیع کے اخراجات

چھوٹی موٹی یا تھوڑی چیزوں کی دست بدست خرید و فروخت میں کچھ خرچ نہیں ہوتا، لیکن کوئی بڑی یا بہت زیادہ چیز خریدی جائے۔ یا کوئی چھوٹی چیز باہر سے منگائی جائے، یا کسی چیز کا تبادلہ کیا جائے تو پھر اس میں ڈاک خرچ یا بار برداری کا خرچ بھی ہوتا ہے، تو یہ اخراجات کس پر ہوں گے، اس بارے میں بھی اسلامی شریعت نے یہ ہدایتیں دی ہیں۔

۱۔ قیمت کی ادائیگی کے متعلق جو اخراجات ہوں گے وہ خریدار کے ذمہ ہوں گے، مثلاً منی آرڈر کا خرچ، بیمہ کا خرچ وغیرہ۔

۲۔ اسی طرح لکھا پڑھی کے جتنے اخراجات ہوں گے وہ سب خریدار کو دینے پڑیں گے، مثلاً کوئی زمین یا مکان خریدا تو اس کے دستاویز رجسٹری وغیرہ کے اخراجات خریدار کو دینے پڑیں گے۔

۳۔ جو اخراجات کہ مبیع یعنی بیچی ہوئی چیز کو خریدار کو حوالہ کرنے سے متعلق ہیں، وہ بائع کے ذمہ ہوں گے، مثلاً غلہ بیچا تو اس کے تولنے کی ذمہ داری بائع پر ہے، اگر زیادہ غلہ ہو تو اس کے تولنے یا ناپنے میں جو خرچ آئے گا وہ بھی بائع پر ہوگا۔ اسی طرح کوئی جائداد بیچی مگر اس کا کاغذ اس

کے پاس نہیں ہے، تو اس کاغذ کے حصول میں جو خرچ ہو گا وہ بائع کے ذمہ ہو گا۔

۴۔ اگر کوئی چیز تول کر نہیں، بلکہ اندازے سے بیچ دی گئی، مثلاً کھڑی فصل بیچ دی، یا باغ بیچ دیا، تو کھیت کاٹنے یا باغ کے پھل توڑنے یا تڑوانے وکٹوانے کی ذمہ داری بائع پر نہیں مشتری پر ہو گی۔

۵۔ جو چیز سواری یا ڈاک خانہ یا ریل یا مزدور کے ذریعہ بھیجی جائے اس کے تمام اخراجات خریدار کو برداشت کرنے پڑیں گے، البتہ اگر بائع خود اخراجات برداشت کرلے تو یہ اس کا احسان ہوگا، مگر خریدار کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں اور اگر اس نے یہ شرط لگادی کہ خرچ بائع برداشت کرے گا تو یہ بیع فاسد ہو گی۔

۶۔ اگر اشیاء کا تبادلہ اشیاء سے ہو گا، مثلاً ہندوستان کی حکومت یا ہندوستان کے کسی تاجر نے امریکہ سے غلہ منگایا اور اس کے بدلہ میں پٹ سن چمڑا یا کوئی اور جنس دی تو دونوں خریداروں کو اپنی اپنی چیزوں کے منگانے اور باربرداری کے اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے، البتہ اگر دونوں میں طے ہو جائے، کہ دونوں ایک دوسرے کی جائے قیام تک پہنچادیں، تو پھر دونوں کو اپنی اپنی چیز پہنچانے کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔

بیع کے جائز طریقے

عام طور پر تین طریقوں سے خرید و فروخت ہوتی ہے، اور اسلامی شریعت نے ان تینوں طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔

ایک یہ کہ خرید و فروخت یا دو چیزوں کا تبادلہ دست بدست ہو، یعنی اسی وقت خریدار کو سودا مل جائے، اور دوکاندار کو قیمت، بیع کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے، اور اوپر زیادہ تر اسی طریقہ کا بیان ہوا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سودا تو معاملہ کرنے کے بعد ہی دے دیا جائے اور قیمت اودھار لگادی جائے۔

اس طریقۂ بیع کو اسلامی شریعت میں بیع نسیہ کہا جاتا ہے اس طریقۂ بیع کی اجازت خریدار کی سہولت کے پیش نظر دی گئی ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ قیمت تو پیشگی وصول کر لی جائے، مگر سودا بعد میں دیا جائے، اس کو اسلامی شریعت میں، بیع سلم یا بیع سَلف کہتے ہیں، اس طریقہ بیع کی اجازت اصلاً بائع کی سہولت کے پیش نظر دی گئی ہے مگر اس میں خریدار کا فائدہ بھی مضمر ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کچھ نہ کچھ تفصیلات اوپر آچکی ہیں، خاص طور پر دست بدست لین دین کا ذکر اوپر تفصیل سے آیا ہے، مگر کچھ اور باتیں بیع نسیہ اور بیع سَلَم کے بارے میں لکھی جاتی ہیں۔

بَیعِ نَسیَہ جو چیزیں اُدھار بیچی جائیں، یعنی سودا پہلے دے دیا جائے، اور قیمت اس کے کچھ دن بعد لی جائے، اس کے بارے میں کچھ باتیں قیمت کے بیان میں آچکی ہیں، چند باتیں اور بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ اُدھار معاملہ کرنے میں بائع کی رضامندی ضروری ہے بغیر اس کی رضامندی معلوم کئے قیمت اُدھار لگانا جائز نہیں ہے۔

۲۔ قیمت کی ادائیگی کی مدت اسی وقت مقرر ہو جانی چاہیئے یعنی یہ کہ فلاں مہینہ یا فلاں تاریخ کو یا فلاں مہینہ کے فلاں دن کو دیں گے۔ یا یہ کہہ دیا کہ عید کے دن یا عید الاضحیٰ کے دن تو بھی جائز ہے، مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہے، کہ جاڑے تک یا گرمی تک یا بارش تک دیں گے، کیونکہ جاڑے اور گرمی میں بڑی گنجائش ہے، اس لئے اس میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے، اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ پھر دیں گے، یا جب خرچ آئے گا تو دیں گے یا جب پیسہ آئے گا تو دیں گے۔

۳۔ اُدھار فروخت کر دینے کے بعد بائع کو سودا کے واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔

۴۔ اُدھار کی مدت بڑھانے کا اختیار بائع کو ہے۔

۵۔ اگر کوئی مدت مقرر نہ کی تو وہ مدت زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ کی ہوگی، ایک ماہ کے بعد خریدار یا تو فوراً قیمت دے یا بائع سے کچھ اور مہلت مانگے، اس نے مہلت نہ دی تو لامحالہ خریدار کو قیمت اس مدت کے ختم تک دے دینی پڑے گی۔

۶۔ اُدھار کی مدت اس وقت سے شروع ہوتی ہے، جس وقت بائع نے وہ چیز خریدار کے

حوالہ کردی، اگر بائع نے معاملہ کے بعد ایک ماہ بعد، یا دس دن بعد چیز دی تو دس دن بعد یا ایک ماہ بعد سے مدّت شروع ہوگی، اسی طرح بائع نے تو چیز حوالہ کردی، مگر مشتری اس وقت اس کے پاس سے لے نہیں گیا، بلکہ دس دن بعد لے گیا، توجس وقت بائع نے حوالہ کیا ہے، اسی وقت سے اُدھار کی مدّت شروع ہوجائے گی، خریدار کا جب جی چاہے، لے جائے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

۷۔ اگر بائع نے قیمت کی ادائیگی کی قسط مقرر کردی ہے تو پھر پوری قیمت اکٹھا مانگنے کا حق اس کو نہیں ہے۔

۸۔ بائع کو اختیار ہے کہ نقد کوئی چیز سستی بیچے اور اُدھار کچھ گراں، مگر اس بارے میں خریدار کو بتا دینا اور اس کا منظور کر لینا بھی ضروری ہے۔

اُدھار خرید و فروخت کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایتیں دی ہیں اُن کو ضرور سامنے رکھنا چاہیے۔

خریدار کو ہدایت خریدار کے پاس جب قیمت ہوجائے، تو پھر اس کو ٹالنا اور بائع کو پریشان کرنا حرام ہے، اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو سزا دی جائے گی، جو استطاعت کے باوجود کسی کی بقایا رقم نہ ادا کرے، آپؐ نے فرمایا ہے۔

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

دینے کی قدرت رکھنے والے کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

آپؐ نے فرمایا کہ "سب سے اچھا وہ شخص ہے جو کسی کا بقایا اچھے طریقے پر ادا کردے"۔

بائع کو ہدایت بائع کو مدّت پوری ہوجانے کے بعد تقاضے کا بلکہ سختی کے ساتھ وصول کرنے کا بھی حق ہے، ایک بار خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کسی کی کوئی رقم باقی تھی اس نے کچھ سختی کی، بعض صحابہ کو معلوم ہوا اور انھوں نے بھی اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنا چاہا تو آپؐ نے اس کو منع فرمایا، اور پھر فرمایا۔

اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا

حق دار کو کہنے سننے کا حق حاصل ہے

لیکن بائع کو اپنے اس قانونی حق کے استعمال میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ممکن ہے، یہ شخص نہ دے سکتا ہو، یا کوئی واقعی مجبوری ہو، اسی بنا پر آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی

تنگ دست کو ادائیگی کی مہلت دے، یا اس کو بالکل چھوڑ دے اور معاف کر دے تو خدائے تعالیٰ قیامت کی دشواریوں سے اس کو نجات دے گا۔

بیع سَلَم اُدھار بیع کی ایک قسم بیع سَلَم ہے، یعنی بائع نے مشتری سے قیمت پہلے لے لی یا مشتری نے خود پہلے قیمت دے دی، اور چیز بعد میں دینے کا وعدہ ہوا، تو یہ بھی جائز ہے، بیع سَلَم کی اجازت بائع اور مشتری دونوں کی سہولت کے لئے دی گئی ہے، اس لئے کہ کبھی خریدار کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اور کبھی دوکاندار کو، بیع سلم ہر اس چیز کی جائز ہے، جس کی صفت زبان سے بیان کی جا سکے، یا تحریر میں لائی جا سکے، اور اس کی مقدار کا اندازہ کیا جا سکتا ہو تاکہ بائع و مشتری کے درمیان جھگڑا نہ پیدا ہو، اس کے صحیح ہونے کے لئے چند شرطیں لگائی گئی ہیں، اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط بھی نہ پائی جائے گی تو بیع باطل ہو جائے گی۔

پہلی شرط یہ ہے کہ جو چیز لینی ہو اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جانی چاہئیے اور بہتر ہے کہ کوئی نمونہ دکھا کر بتا دیا جائے، مثلاً غلہ لینا ہو، تو غلّہ کے بارے میں پوری تفصیل آجانی چاہئے، گیہوں ہو گا یا جو، اگر گیہوں ہو گا تو کیسا ہو گا، موٹا ہو گا یا پتلا، سفید ہو گا یا لال، اس میں گرد و غبار نہ ہو گا، دوسرے غلوں کی ملاوٹ نہ ہو گی، خشک ہو گا وغیرہ وغیرہ اسی طرح اگر کپڑا لینا ہے تو اس کی قسم معلوم کر لینی چاہئیے، یعنی ململ ہو گا یا چھالٹی، تن زیب ہو گا یا ادھی یا سوتی ہو گا، یا ریشمی وغیرہ وغیرہ، سائیکل، گھڑی، یا فاؤنٹین پن خریدنا ہے تو بتا دینا چاہئیے، کہ فلاں کارخانہ اور فلاں ماڈل کی ہو گی، اگر یوں کہہ دیا کہ کوئی چیز کیسی بھی دے دینا تو یہ صحیح نہیں ہے، اس میں آئندہ اختلاف کا خدشہ ہے، اور جہاں اختلاف کا خدشہ ہو وہ بیع درست نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بھاؤ اور قیمت بھی طے کر لی جائے، یعنی اگر گیہوں لے گا تو ایک روپے کا کتنا سیر لے گا اور کتنے روپے کا لے گا یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ فصل کے وقت جو بھاؤ ہو گا لے لینا، اسی طرح ایک سائیکل یا فاؤنٹین پین یا گھڑی کے بارے میں بات چیت ہوئی اور دوکاندار نے کہا کہ ہم منگا دیں گے، قیمت آپ پیشگی دے دیجئے یا خریدار نے خود ہی پیشگی رقم دے کر کہا کہ ہمیں یہ چیز منگا دیجئے تو اسی وقت یہ بات چیت ہو جانی چاہئیے، کہ وہ کتنی قیمت کی ہو گی تاکہ بعد میں کوئی

اختلاف نہ ہو، یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ جتنے میں پڑے گی، لے لیجئے گا، غرض یہ کہ نرخ اور قیمت دونوں طے ہوجانی چاہیئے۔ ہاں منگانے کے اخراجات کے سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جتنا خرچ ہوگا وہ دیدیجئے گا، کیونکہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اور یہ خریدار کے ذمے ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ سودا لینے کی مدت مقرر کرلی جائے، یعنی یہ طے ہوجانا چاہیئے کہ فلاں مہینے یا فلاں تاریخ کو ہم سودا دے دیں گے

چوتھی شرط یہ ہے کہ خریدار وہ جگہ بتادے کہ ہم یہ چیز فلاں جگہ لیں گے، مگر یہ شرط ان چیزوں میں ہے جو آسانی سے منتقل نہ ہوسکیں، مثلاً دس بیس، یا سو دو سو من غلہ خریدنا ہے، یا دو چار گانٹھ کپڑے کی لینی ہے، یا دس بیس کرسیاں خریدنی ہیں تو ایسی چیزوں کے بارے میں خریدار بائع کو یہ بتادے کہ ہم کو فلاں جگہ یہ چیزیں پہنچا کر دینی ہوں گی اگر ایسی چیزیں ہیں جو آسانی سے منتقل ہوسکیں، مثلاً گھڑی، فاونٹین پن، لالٹین، دس بیس گز کپڑا، دس بیس سیر غلہ تو پھر ایسی چیزوں میں اس کی شرط کی اجازت نہیں ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ پورا روپیہ معاملہ کرتے وقت ہی ادا کردیا جائے، اگر بات چیت آج ہوئی اور روپیہ کل دیا، تو بائع کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ کل کی بات کا آج بھی پابند رہے، بلکہ اب پھر سے اس کو معاملہ کرنے اور انکار کردینے کا حق ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ جتنی مدت کے لئے یہ معاملہ کیا گیا ہے اُس پوری مدت میں وہ چیز بازار میں موجود ہو، اگر وہ بازار سے غائب ہوجائے تو پھر بائع روپیہ واپس کرسکتا ہے، یہ قید فقہائے احناف نے لگائی ہے، مگر امام شافعیؒ امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اس کو وہ چیز دینا ہے، اس وقت موجود ہونا چاہیئے، پوری مدت میں موجود رہنا ضروری نہیں ہے راقم کے نزدیک عام حالت میں فقہائے احناف ہی کی رائے کتاب و سنت کی عام ہدایات کے زیادہ مطابق معلوم ہوتی ہے، مگر شدید ضرورت میں ائمہ ثلثہ کی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے، شدید ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ جب اشیاء کی قلت کا شدید اندیشہ ہو۔

اسی طرح جن چیزوں کی تعیین نہ کی جاسکے، اس میں بیع سلم نہیں ہے، مثلاً جانور، اس بارے

ہیں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں بھی تعیین کی جاسکتی ہے، اس لئے ان کی بیع سَلَم بھی جائز ہے، بہر حال اس کا تعلق عرف عام سے ہے، اگر عرف عام میں اس کی تعیین ہوجائے، تو اس کو اس طرح خریدا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

مدت گذر جانے کے بعد اگر بائع نے چیز نہیں دی، تو اس روپیہ سے خریدار کو دوسری چیز لینے کا حق نہیں ہے، یا تو روپیہ واپس لے لیا جائے، یا پھر اس کو کچھ اور مہلت دی جائے، اسی طرح جس چیز کے لئے خریدار نے کہا تھا، اب اس کو اس کی ضرورت نہیں رہی، تو اب وہ معاملہ ختم کرسکتا ہے، مگر اس کے بجائے وہ دوسری چیز نہیں لے سکتا، بلکہ وہ اپنا روپیہ واپس لے لے، اس کے بعد پھر دوسری چیز کے خریدنے کا دوسرا معاملہ کرے۔

کئی وجوہ کی بنا پر اس سے روکا گیا ہے، ایک تو یہ کہ بائع اگر کسی وجہ سے مال نہ دے سکا تو خریدار کو جب بھی وہ دوسری چیز دے گا، تو شرمندگی یا وعدہ خلافی کی وجہ سے اس میں کچھ نہ کچھ رعایت ضرور ملحوظ رکھے گا، اور ظاہر ہے کہ اس رعایت کے بدلہ میں بائع کو تو کچھ ملے گا نہیں، بلکہ نقصان ہوگا، اور اسی کا نام سود ہے، دوسرے یہ کہ یہ روپیہ بطور قرض دیا گیا ہے اور قرض کے بدلہ میں کوئی نفع اٹھانا منع ہے اور یہ رعایت ایک طرح کا نفع ہے، تیسرے یہ کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

بیع استصناع بیع سلم ہی کی ایک قسم بیع استصناع بھی ہے، استصناع کے معنی بنوانے کے ہیں، یعنی وہ بیع جو کسی چیز کے بنوانے کے لئے کی جاتی ہے، دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ بیع سلم میں قیمت معاملہ کرتے ہی ادا کر دی جائے، اور بیع استصناع میں قیمت فوراً ادا کرنی ضروری نہیں ہے، بلکہ جب اس کو مال مل جائے تب قیمت ادا کرلے اور تمام باتیں بیع سلم کی طرح پہلے ہی طے ہوجانی چاہئیں۔

مثال مثلاً آپ نے ایک جوڑے جوتے کا آرڈر دیا تو جوتہ کے بارے میں یا تو کوئی نمونہ دکھاکر معاملہ طے کرنا چاہیئے یا پھر اس کی پوری تفصیل طے ہوجانی چاہیئے، کہ نیوکٹ رہے گا یا فیتہ دار، چمڑا کس رنگ کا ہوگا، براؤن یا کالا یا ڈارک براؤن، یا مثلاً کسی تاجر نے ہندوستان یا

امریکہ کی کسی فرم کو چند سائیکلوں یا موٹروں کا آرڈر دیا تو اس بارے میں یہ بات طے ہوجانی چاہیئے کہ وہ موٹر یا سائیکل کیسی ہوگی، اس کا ماڈل کیسا ہوگا، پُرزے امریکن ہوں گے یا جرمن یا برطانوی، قیمت کتنی ہوگی، وہ سامان بمبئی میں لے گا، یا دلی اور لکھنؤ میں، قیمت وہ ہندوستانی روپیہ میں دے گا، یا ڈالر یا پاؤنڈ میں، وہ کتنی مدت میں موٹریں سپلائی کرے گا، وغیرہ وغیرہ غرض یہ ہے کہ وہ تمام باتیں طے ہوجانی چاہئیں، جن سے بعد میں کوئی اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

بیع کے ناجائز طریقے اوپر بیع کے باطل ہونے کے سلسلہ میں چند باتیں ناجائز بیع کے بارے میں بھی بتائی گئی تھیں، اب یہاں اس کی تمام قسمیں بیان کی جاتی ہیں، عموماً فقہاء ناجائز بیع کی تین قسمیں کرتے ہیں، ایک بَیْع باطل، دوسرے بیع فاسد، تیسرے بیع مکروہ،

بَیْع باطل کا حکم بیع باطل کا حکم یہ ہے، کہ وہ خرید وفروخت کا معاملہ بالکل کالعدم سمجھا جائے گا، یعنی خریدنے والا نہ تو چیز کا مالک سمجھا جائے، اور نہ بیچنے والا قیمت کا، اس کا کھانا اور پھر اس کا بیچنا سب حرام ہے، مثلاً کسی نے سودی کاروبار کیا یا شراب کا کارخانہ قائم کیا یا اس کی دوکان کھولی، یا جوئے کے ذریعہ تجارت کی تو چونکہ یہ چیزیں اسلام میں مال ہی تسلیم نہیں کی گئی ہیں، اس لئے یہ سارا کاروبار حرام اور باطل ہوگا۔

بیع فاسد و مکروہ بیع فاسد و مکروہ کا حکم یہ ہے کہ اگر غلطی سے ایسی خرید وفروخت ہوگئی ہے تو اس معاملہ کو فسخ کردینا چاہیئے، اگر نہ کرے گا تو اسلامی حکومت بیع فاسد کو تو زبردستی فسخ کرا دے گی بیع مکروہ کو زبردستی فسخ نہیں کرائے گی۔

لیکن اگر خرید وفروخت مکمل ہوگئی اور خریدار نے سودا اور بائع نے قیمت لے لیا، اس کے بعد علم ہوا کہ یہ بیع فاسد تھی، تو یا بیع کو فسخ کردینا چاہیئے یا کم ازکم بائع کو اس کی قیمت اور مشتری کو سودا استعمال نہ کرنا چاہیئے بلکہ کسی غریب محتاج کو دے دینا چاہیئے، اور اس سے ثواب کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے، لیکن اگر دونوں نے ایسا نہ کیا تو بہرحال قانوناً ان کو مجبور نہیں کیا جائے گا، کہ واپس ہی کردیں، ہاں اگر وہ ایسا معاملہ کرنے کو صحیح سمجھتے ہوں، یا اب اس پر اصرار کرتے ہوں، تو پھر ان کو قانوناً اس سے روکا جائے۔

فاسد و مکروہ کا فرق

فاسد و مکروہ میں یہ فرق ہے کہ فاسد بیع وہ ہوتی ہے، جس میں بیع بک تو سکتی ہے، لیکن جس صورت میں بیچی جارہی ہے، اس میں وہ جائز نہیں ہے، مثلاً کسی نے میدان میں خود سے اُگی ہوئی گھاس بیچ دی تو گو کہ مطلقاً گھاس کا بیچنا ناجائز نہیں ہے، لیکن چونکہ خودرو ہونے کی صورت میں یہ اس کی ملک نہیں ہے، مگر پھر بھی اس نے بیچ دیا، اس لئے اب یہ بیع فاسد ہو جائے گی، اور مکروہ میں مال بھی حلال ہوتا ہے، اور جو چیز بیچی جارہی ہے، وہ بھی اس کی مِلک ہوتی ہے، مگر جس طریقہ سے خرید و فروخت کرکے فائدہ اٹھایا جارہا ہے، وہ ناجائز ہے، مثلاً کسی چیز کی قیمت دس روپے لگ گئی ہے، اور یقین ہے کہ بیچنے والا راضی ہو جائے گا لیکن ایک دوسرا شخص آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہم اس کے گیارہ روپے دیں گے، اور وہ گیارہ روپے دے کر لے لیتا ہے تو یہ بیع مکروہ ہوگی۔ یا دام بڑھاتے سے اس کا مقصود لینا نہیں ہوتا بلکہ صرف یہ ہوتا ہے کہ خریدار کے کچھ پیسے زیادہ لگ جائیں، یا بائع کا فائدہ ہو جائے، چونکہ خریدار کو ضرورت ہے اس لئے اب وہ بارہ روپے لگا کر لے لیتا ہے یہ دو روپے خریدار کو محض اس دوسرے شخص کی وجہ سے زیادہ دینے پڑے ہیں اس لئے اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا، اگر وہ اس کو پیشہ بنالے یا بائع خود اس طرح کے دلال مقرر کرے تو پھر یہ بیع فاسد قرار دی جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بھاؤ کے اوپر بھاؤ لگانے سے منع فرمایا ہے، نیلام کا حکم اس سے جُدا ہے۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک کی کچھ تفصیل کرتے ہیں:۔

سودی کاروبار

اسلامی شریعت میں سود قطعی حرام ہے، سود کا مطلب اتنا ہی نہیں ہے کہ آپ نے کسی کو ایک روپیہ دیا، اور ایک سال یا ایک ماہ بعد اس کے بدلے میں دو روپے وصول کئے بلکہ سود یہ بھی ہے کہ آپ نے سود پر روپیہ لے کر تجارت میں لگایا، آپ نے بلا سودی قرض دے دیا مگر روپے کے دینے کی رعایت میں قرضدار سے روپے لینے کے علاوہ کچھ اور فائدہ اٹھایا، مثلاً اپنی خدمت لی، یا کوئی چیز سستی خریدی، تو یہ سب سود میں داخل ہے، اسی طرح جو چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں، ان کی خرید و فروخت اور تبادلہ میں بھی بعض

وقت سود ہو جاتا ہے، اس لئے ہر طرح کے سودی کاروبار کی اسلام میں ممانعت آئی ہے، قرآن میں سود کو حرام اور گندگی کہا گیا ہے اور جو لوگ سود لیتے ہیں ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی کیفیت ایسی ہوتی ہے، جیسے کسی کو شیطان نے مخبوط کر دیا ہو، جو لوگ مسلمان ہونے کے باوجود سود نہیں چھوڑتے ان کے بارے میں کہا گیا ہے۔

فَاذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ خدا سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ

یعنی سود لینا خدا کے ساتھ جنگ اور اس سے بغاوت ہے یعنی اگر کوئی مسلمان، مسلمان ہونے کے باوجود سود لیتا ہے، تو وہ خدا کا نافرمان اور اس کا باغی قرار پائے گا، اور اس کو وہی سزا ملے گی جو خدا کے باغیوں اور سرکشوں کو ملتی ہے، اس کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا، کہ وہ مسلمان ہے یعنی فرماں بردار ہے، کیونکہ فرماں بردار ہوتا تو خدا سے بغاوت و سرکشی کی راہ (سودی لین دین) کیوں اختیار کرتا، کیا کوئی مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے خدا سے بغاوت کرنا پسند کرے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ سود کے ستّر درجے ہیں، اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی اپنی ماں سے زنا کرے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ فرماتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے سودی کاروبار لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے سب پر لعنت کی ہے، جس معاملہ میں ذرا سا بھی سود کا شبہ ہوتا ہو، اس سے بھی بچنے کی آپ نے تاکید فرمائی ہے، حضرت عمرؓ اس کی حرمت کی شدّت کے پیش نظر فرماتے تھے کہ ربوٰ (سود) اور ریبہ (شبہ) دونوں چھوڑ دو، یعنی سود بھی چھوڑ دو اور جس میں سود کا شائبہ اور شبہ پایا جائے، اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔

کتاب و سنت کے ان ہی سخت احکام کے پیش نظر فقہائے کرام نے کاروبار کی ان تمام قسموں کو حرام قرار دیا ہے، جن میں سود کا کوئی حصہ شامل ہو جائے، یا اس کے سود ہو جانے کا شبہ ہو۔ سود کی برائی اب آہستہ آہستہ تمام دُنیا پر روشن ہوتی چلی جا رہی ہے، چنانچہ کتنے ملکوں نے اپنے یہاں سودی کاروبار کو بالکل ممنوع قرار دے دیا ہے۔

اخلاقی حیثیت سے سود کی برائی سود صرف دینی ہی حیثیت سے بُرا نہیں ہے بلکہ اس کا اثر

انسان کے اخلاق وکردار پر بھی بہت بُرا پڑتا ہے، ہمدردی اور بہی خواہی جو انسانیت کا جوہر ہے اور جس کی تاکید قرآن وحدیث میں بھی آئی ہے سود اس کو مٹا کر اس کی جگہ خود غرضی اور خالص منفعت پرستی سکھاتا ہے، اپنے نفع کی خاطر وہ دوسروں کی عزت وآبرو ہی نہیں بلکہ جان ومال سے بھی کھیل سکتا ہے وہ اگر کسی لاوارث کی تجہیز وتکفین کے لئے چند روپے دے گا تو اس کی خواہش ہوگی، کہ اس روپیہ کا سود اگر نہ ملے تو کم از کم اصل روپیہ ہی لوگ چندہ کر کے واپس کر دیں، غرض یہ کہ انسانیت کا یہ جوہر اس سے بالکل چھن جاتا ہے اور اسلام سب سے زیادہ اسی جوہر کو پیدا کرنا چاہتا ہے، قرآن میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی بھلائی اور کسی غرض اور ریا کے بغیر ان کی مالی اعانت کی تاکید بار بار کی گئی ہے، اسی طرح بے شمار احادیث میں اس کی تاکید آئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، الدین النصیحۃ۔ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خیر الناس من ینفع الناس (بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے) کیا جو اخلاق اور کردار اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے وہ سود خواری کی ذہنیت کے ساتھ ممکن ہے؟

بینک اور ڈاک خانہ کا سود ڈاک خانہ اور بینک سے جمع شدہ روپیہ پر جو سود ملتا ہے وہ بھی حرام ہے اور ان سے سود پر روپیہ لے کر اس سے تجارت کرنا یہ بھی حرام ہے، اسی طرح نیشنل سیونگ سرٹیفکٹ یا زمینداری بانڈ وغیرہ پر جو سود ملتا ہے وہ بھی حرام ہے، پراوڈنٹ فنڈ[1] بیکاری فنڈ پر یا کسی اور فنڈ پر حکومت کی طرف سے جو سود ملتا ہے

[1] پراوڈنٹ فنڈ کے سود کے بارے میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سود نہیں ہے بلکہ حکومت کا انعام ہے گویا اس کو مولانا سود سمجھتے ہی نہیں، راقم کے نزدیک چونکہ یہ بھی سود ہی ہے اس لئے اس نے فرق نہیں کیا ہے، پراویڈنٹ فنڈ میں گورنمنٹ یا کسی ادارہ کا انعام اتنا حصہ ہے جتنا وہ اپنی طرف سے کٹوتی کے بقدر دیتا ہے اور اس کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے مگر جو سود ملتا ہے اس کی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوتی، یعنی وہ سب کو دو فی صدی یا ڈھائی فی صدی ملتا ہے، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواز کے لئے دوسری دلیل یہ دی ہے کہ وہ روپیہ اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اس کو ملا ہی نہیں بلکہ راقم کے نزدیک وہ روپیہ اس کی ملکیت میں ہوتا ہے وہ روپیہ کسی بھی معاشی یا ہنگامی ضرورت پر وہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

وہ بھی حرام ہے۔

سودی کاروبار صرف اخلاقی حیثیت سے ہی برا نہیں ہے، بلکہ معاشی حیثیت سے بھی وہ غریبوں کے لئے انتہائی تباہ کن ہے، اس کی خرابی کا اندازہ کرنا ہو تو ہندوستان کی ایک مثال لیجئے، ہندوستان میں جب ۵۶ء سے غلّہ کا بھاؤ بڑھنا شروع ہوا تو تاجروں نے زیادہ سے زیادہ روپیہ غلّہ کی تجارت میں لگانے کے لئے بینکوں سے سود پر لے کر پیشگی غلّہ کی خریداری کے لئے تقسیم کیا، اور بینکوں نے جی کھول کر روپیہ قرض دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جو گیہوں بازار میں بارہ روپیہ من بکتا تھا وہ بیس بائیس روپے من بکنے لگا اور اس وقت وہ ۶۰۔۷۰ روپے من بک رہا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کی مانگ زیادہ ہوتی ہے، تو دام بڑھ جاتے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، گویا ایک طرف اگر ہندوستان میں سیلاب وغیرہ کی وجہ سے فصل تباہ ہوئی تو دوسری طرف سودی کاروبار نے اس بات کا موقع دیا کہ تاجر اپنے فائدہ کے لئے زیادہ سے زیادہ غلّہ جمع کر کے غریبوں اور کم آمدنی والے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کریں، گویا چند بینکوں کے مالکوں نے اور غلّہ کے بڑے تاجروں نے تو سودی کاروبار سے فائدہ اٹھایا، اور ہم آپ جیسے لوگوں کے گھروں میں تین وقت کے بجائے ایک وقت کھانا پکنے لگا یا فاقہ ہونے لگا، حکومت گو اس جرم میں خود شریک تھی، لیکن جب عوام کی طرف سے بہت چیخ پکار ہوئی، تو پھر اس نے بینکوں کو زیادہ قرض دینے سے روکا مگر یہ قدم اس وقت اٹھایا گیا، جب وہ اپنا کام کر چکے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹

نے سکتا ہے وہ اپنی ملکیت سمجھ کر اسے ہر ماہ کٹواتا ہے جس طرح کوئی ہر ماہ ڈاک خانہ میں جمع کرے، کم از کم اس کی ملکیت اس روپے پر اس سے زیادہ ہوتی ہے، جتنی قرض پر دیئے ہوئے روپیہ پر ہوتی ہے، جس طرح قرض میں دیئے ہوئے روپے پر تمام احکام جاری ہوتے ہیں، اسی طرح اس پر بھی ہونے چاہییں، راقم کو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل سے کوئی مناسبت نہیں ہے، مگر اس کے باوجود جس بات کو وہ صحیح سمجھتا ہے اس کے بارے میں اپنی رائے کو چھپانا گناہ سمجھتا ہے اس لئے یہ جرأت کی ہے اگر میں نے اس اختلاف میں غلطی کی ہے تو اہل قلم حضرات مجھے متنبہ فرمادیں۔

کچھ چیزیں ادھار بیچنے اور خریدنے کی وجہ سے سود ہو جاتی ہیں اور کچھ کم وبیش ہونے کی وجہ سے

عموماً پانچ طرح کی چیزیں ہوتی ہیں، جن کو ہم استعمال کرتے ہیں، اور ان میں کمی بیشی کر کے یا اُدھار اُن کو بیچتے ہیں، ایک تو سونا چاندی یا ان کی بنی ہوئی چیزیں دوسرے وہ چیزیں جو تول کر بکتی ہیں، جیسے غلّہ، مسالہ، گھی، تیل دودھ، دہی، ترکاری، میوے، روئی، لوہا، تانبہ، پیتل وغیرہ تیسرے وہ جو پیمانہ سے بکتی ہیں، مثلاً سیمنٹ، چونا، شربت روشنائی وغیرہ چوتھے وہ چیزیں جو گز، یا فٹ سے ناپ کر بکتی ہیں، مثلاً کپڑے، ٹاٹ، ربن، فیتے، تار وغیرہ، پانچویں وہ چیزیں جو گن کر بکتی ہیں، جیسے جانور، گائے، بیل، بکری، گھوڑے، یا پھل، بعض چیزیں بعض جگہ گن کر بکتی ہیں، مثلاً آم سنترے اور وہی چیزیں دوسری جگہ تول کر بکتی ہیں تو جہاں جیسا رواج ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا، اب ہم ان میں سے ہر ایک کا بیان الگ الگ کرتے ہیں۔

چاندی اور سونے کا حکم

(۱) ایک تو وہ چیزیں جو سونے یا چاندی کی بنی ہوں اگر وہ سونے یا چاندی یا ان کے سکوں سے خریدی یا بدلی جائیں تو اس میں دو باتیں ضروری ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ دونوں کا وزن برابر ہو، دوسری یہ کہ دست بدست ہوں، یعنی آمنے سامنے دونوں چیزیں خریدی یا بدلی جائیں، اگر ان میں کوئی بات نہ ہو گی تو یہ معاملہ سود کا معاملہ ہو جائے گا، اس کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ دونوں طرف چاندی ہو یا دونوں طرف سونا ہو، مثلاً کسی کے پاس چاندی ہے، وہ چاندی کے بدلہ دوسری چاندی یا چاندی کا زیور لینا چاہتا ہے یا سونا ہے اور اس کے بدلہ میں دوسرا سونا یا سونے کا زیور لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاملہ دست بدست کرے اور دونوں کا وزن برابر ہو اگر اس نے ادھار معاملہ کیا یا دونوں کے وزن میں کمی بیشی کی تو یہ معاملہ حرام ہو جائے گا۔ اگر نئے زیور کی بنوائی دینی ہو تو اس کو الگ سے دینا چاہیئے جو جس چاندی یا سونے یا ان کے بنے ہوئے زیور یا برتن کے بدلہ میں یہ نیا زیور لیا جا رہا ہے اس میں کمی بیشی نہ ہونی چاہیئے۔

سونے چاندی کے سکّے

اسی طرح جن ملکوں میں سونے یا چاندی کے سکّے چلتے رہیں، مثلاً جہاں میں دیجا اصر یکہ میں ڈالر تو ان سکوں کے بدلہ میں، اگر وہ سونا ہو تو

سونا اور چاندی ہو تو اتنی ہی چاندی لینی چاہیئے، اسی طرح جب ایک حکومت دوسری حکومت سے سونے اور چاندی کے سکوں کا تبادلہ کرتی ہے تو اس میں سے دونوں حکومتیں کچھ بٹہ کاٹتی رہیں، یہ بھی اسلام میں سود ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دینار کو دو دینار کے بدلہ یا ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ نہ بیچو، آپ کے اس حکم کو سمجھنے کے لئے موجودہ زمانہ میں سکوں کے تبادلہ کو جاننا ضروری ہے، اسی طرح سکوں کی بلیک مارکٹنگ بھی حرام ہے، آج ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں پر یہ کاروبار خوب ہوتا ہے، بلکہ اب تو اندرونِ ملک بھی باقاعدہ اس کی تجارت ہونے لگی ہے۔

(۲) اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ سونے کو چاندی سے یا چاندی کو سونے سے بدلے یا سونے کے سکّے سے چاندی خریدے یا چاندی کے سکہ سے سونا خریدے تو اس صورت میں وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن ایک شرط اس میں باقی رہے گی وہ یہ کہ معاملہ دست بدست ہو، اگر اُدھار ہوا تو یہ ناجائز ہوگا، مثلاً ایک تولہ سونے کے بجائے جتنی چاندی ملے، لے سکتا ہے یا دس تولے چاندی کے بدلے میں جتنا سونا بھی ملے وہ خرید سکتا ہے، مگر لین دین کا معاملہ دست بدست ہونا چاہئے، غرض یہ کہ چاندی اور سونا اور اس کی بنی ہوئی چیزوں کو اگر ایک ہی جنس سے بدلنا ہے تو پھر اس میں دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وزن بھی برابر ہو، اور دست بدست بھی ہو لیکن اگر جنس بدل جائے، تو پھر کمی بیشی تو ہو سکتی ہے، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے

ضروری ہدایتیں

(۱) اگر کسی نے دس تولے چاندی خریدی اور اگر اس کے بدلہ میں ۵ تولہ چاندی، یا ۵ تولے چاندی کا زیور دے دیا اور بقیہ پانچ تولہ چاندی کی قیمت میں دس روپے یا ۵ تولے کی جتنی قیمت ہو، اتنی ریزگاری یا نوٹ دے دیا تو یہ جائز ہو جائے گا، اسی طرح اگر ایک پُرانے سونے کے زیور کے بدلہ میں دوسرا نیا سونے کا زیور لینا ہو، تو اگر نئے زیور کا وزن زیادہ ہو تو پرانے زیور کے ساتھ اتنا روپیہ[1] یا نوٹ اس میں ملا کر دے دے تو یہ صورت بھی

---

[1] جب روپے چاندی کے بنتے تھے تو اس طرح معاملہ کرنا صحیح نہیں تھا کیونکہ دونوں ایک جنس کے تھے لیکن اب روپے دوسری دھاتوں کے بنتے ہیں۔

جائز ہے، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، لیکن یہ معاملہ دست بدست ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو سکہ دیا جارہا ہے وہ چاندی یا سونے کا نہ ہو، اگر وہ چاندی یا سونے کا ہوگا تو پھر وزن کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور دست بدست ہونا بھی۔

خلاصہ یہ کہ اس سونے اور چاندی اور ان کی بنی ہوئی چیزوں کا وزن جو وہ دے رہا ہے اس سونے اور چاندی یا ان کے سامان کے وزن سے کم ہو جسے وہ لے رہا ہے تو اس کے ساتھ کچھ پیسے روپے ملا کر اس زیادتی کی قیمت پوری کر دی تو جائز ہے، لیکن اگر چاندی یا سونے یا ان کے سکوں سے یہ کمی پوری کی تو جائز نہیں ہے۔

۲۔ یہی حکم ان تمام چیزوں کا ہے جو چاندی کی بنی ہوئی ہوں، مثلاً سچے گوٹے پٹھے، انگوٹھی، برتن وغیرہ۔

۳۔ سونے یا چاندی کے سکّوں یا ان کی بنی ہوئی چیزوں میں اگر نصف سے زیادہ ملاوٹ ہو، اور ان سے چاندی یا چاندی کے زیور یا سونا خریدا جائے تو پھر اس میں وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن دست بدست ہونا ضرور چاہیئے، اگر ذرا ملاوٹ ہے تو اس کا حکم سونے یا چاندی کا ہے، جیسا کہ عام طور پر زیور وغیرہ میں دو پیسہ یا ایک آنی بھر تانبا ملا دیتے ہیں تو اس سے حکم نہیں بدلتا۔

(۲) تول کر بکنے والی چیزوں کا بیان

سونا چاندی کے علاوہ جو چیزیں تول کر بکتی ہیں، مثلاً غلّہ، ترکاری، میوہ، شکر، نمک، گوشت، دودھ، لوہا، تانبا، پیتل، ایلومنیم، اگر یہ چیزیں روپے پیسے سے خریدی جائیں پھر تو خریدار اور دوکاندار میں جو بھاؤ اور قیمت طے ہو جائے اس کے مطابق وہ خریدی و بیچی جاسکتی ہیں، لیکن اگر ان میں سے کوئی چیز یا ان کی بنی ہوئی چیزیں ایک دوسرے سے بدلی جائیں تو ان کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دونوں طرف ایک ہی جنس کی چیز ہو مثلاً آپ تانبے کا لوٹا دے کر تانبے کی پتیلی لیں، یا گیہوں دیکر گیہوں لیں، یا جو دیکر جو لیں المونیم یا شکر دے کر شکر لیں تو اس تبادلہ میں اوپر کی دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ یعنی وزن بھی برابر ہو اور آمنے سامنے اور ہاتھ در ہاتھ معاملہ

ہو جائے اب اگر کوئی شخص گیہوں سے گیہوں کا آٹا، یا جو کے آٹے سے جو کا آٹا بدلنا چاہے، تو اس میں کمی بیشی اور ادھار جائز نہیں ہے، بلکہ وزن بھی برابر ہونا چاہیئے، اور ہاتھ در ہاتھ لینا دینا چاہیئے، خواہ ایک طرف خراب اور دوسری طرف اچھی ہی چیز کیوں نہ ہو اور دونوں اس کے بدلنے پر راضی کیوں نہ ہوں، کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص خراب گیہوں دے کر اچھا گیہوں لینا چاہتا ہے تو دست بدست ہونا چاہیئے اور دونوں کا وزن برابر ہونا چاہیئے، البتہ اگر اس نے وہ گیہوں قیمت سے خرید لیا، تو اس قیمت سے وہ جس بھاؤ سے بھی دوسرا گیہوں چاہے خرید لے یہ جائز ہے، غرض یہ کہ تول کر بکنے والی چیزوں میں اگر ایک جنس کا تبادلہ دوسری جنس سے کرنا ہو تو پھر وزن میں برابری اور دست بدست ہونا ضروری ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جو چیزیں بدلی جا رہی ہیں، وہ مختلف جنس کی ہیں، مثلاً کسی نے گیہوں دے کر جو لیا یا جو دے کر دھان لیا، یا دھان دے کر چنا، یا باجرہ لیا، یا کوئی غلہ دے کر ترکاری لی، یا دودھ لیا، تانبے کی چیز دے کر المونیم یا لوہے، یا پیتل کی چیز لی، تو اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، مگر معاملہ آمنے سامنے ہونا چاہیئے، اُدھار اور وعدہ کرنا صحیح نہیں ہے، یعنی اس صورت میں وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے، کمی بیشی جائز ہے، مگر معاملہ فوراً ہونا چاہیئے، کیونکہ اس صورت میں اُدھار معاملہ کرنے میں اختلاف اور وزن میں کمی بیشی ممکن ہے، مثلاً کسی نے دھان دے کر ترکاری خریدی، یا ترکاری آج لی گئی، اور دھان اس کو کل دینے کا وعدہ کیا گیا، تو اس بارے میں یہ اختلاف ہو سکتا ہے، کہ ترکاری والا کہے کہ دھان تو اچھا نہیں ہے، یا یہ وزن میں کم ہے اور دینے والا باصرار کہے کہ تم کو یہی لینا پڑے گا، تم سے میں نے اسی کا وعدہ کیا تھا۔

(۳) پیمانے سے بکنے والی چیزیں پیمانے سے ناپ کر بکنے والی چیزوں کا حکم بھی وہی ہے جو تول کر بکنے والی چیزوں کا ہے، مثلاً ایک بوری سیمنٹ لینی ہے، یا کنکر کا سو فٹ چونا دے کر دوسرا سو فٹ چونا لینا ہے تو دونوں کے پیمانے کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور دست بدست ہونا بھی لیکن ایک بوری سیمنٹ دے کر چونا یا چونا دے کر

سمینٹ لینی ہے تو پھر اس میں کمی و بیشی ہو سکتی ہے، مگر معاملہ آمنے سامنے ہونا چاہیے، یعنی جو چیزیں بدلنی ہوں وہ الگ کر دی جائیں۔

جو چیزیں گز یا فٹ سے ناپ کر یا گنتی سے بکتی ہیں

جو چیزیں تول کر نہیں بکتیں، بلکہ ناپ کر بکتی ہیں، مثلاً کپڑا، فیتہ، ٹاٹ وغیرہ یا تعداد کے اعتبار سے گن کر بکتی ہیں، مثلاً آم، انڈے وغیرہ تو ان کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے، مثلاً کسی نے ایک کتاب دے کر دوسری کتاب یا کاغذ لے کر کاغذ بدلا، یا ایک جوتہ دے کر دوسرا لیا تو اس کے لئے صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ معاملہ آمنے سامنے اور دست بدست ہو، یعنی دینے والی چیز فوراً دی جائے اور لینے والی چیز فوراً لے لی جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں چیزیں دو قسم کی ہوں، مثلاً کسی نے کتاب کے بدلہ جوتہ لیا، یا جوتہ کے بدلے کپڑا لیا ان میں سے ایک چیز تول کر بکنے والی ہے، دوسری ناپ کر مثلاً کسی نے ایک من گیہوں دے کر کپڑا لیا ترکاری یا آم دے کر کپڑا لیا یا سنترے دے کر میوے خریدے تو ان تمام صورتوں میں نہ تو وزن کے برابر ہونے کی ضرورت ہے اور نہ دست بدست کی، بلکہ ادھار بھی لین دین ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر ایک ہی طرح کی چیز ہو، مگر اس کی صورت یا اس کی قسم بدل گئی ہو تو بھی اس میں ان دونوں شرطوں کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً کپڑے بہت قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً کسی نے چھالٹی کے بدلے ململ یا تنزیب کے بدلے گزی خریدی یا بدلی یا دودھ دے کر کھویا لیا، یا کاغذ دے کر کاپی لی، یا کتاب دے کر کاپی خریدی تو ان تمام صورتوں میں برابر ہونا یا دست بدست ہونا ضروری نہیں ہے۔

خلاصہ

غرض یہ کہ وزن اور پیمانہ سے بکنے والی چیزوں میں اگر دونوں طرف ایک ہی جنس کی چیز ہو تو دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ دست بدست ہو، اور دونوں کا وزن برابر ہو، اور جو چیزیں پیمانہ سے یا تول کر نہیں بکتیں، بلکہ ناپ کر یا گن کر بکتی ہیں، اگر دونوں طرف ایک ہی طرح کی چیزیں ہیں مثلاً دونوں طرف انڈے ہی انڈے ہیں، یا دونوں طرف جوتے ہیں، یا تول کر تو بکتی ہیں، مگر ان کی جنس دو ہے، مثلاً گیہوں یا جو، اور چنا تول کر بکتے ہیں، مگر ان سب کی جنس جدا جدا ہے، تو ان تمام کا حکم یہ ہے کہ ان میں وزن پیمانہ اور تعداد کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ صرف دست بدست ہونا

ضروری ہے اور جو چیزیں پیمانہ سے اور تول کر نہیں بکتیں یا دونوں طرف دو قسم کی چیزیں ہیں، ایک تول کر بکنے والی چیز ہے، اور دوسری گن کر تو ان میں نہ تو وزن کی برابری ضروری ہے، اور نہ پیمانہ اور تعداد کی، مثلاً اگر آپ تانبے کی پتیلی دے کر دس چینی کی یا تام چینی کی پلیٹیں خریدیں تو ان میں دونوں میں سے کوئی شرط بھی نہیں ہے، یا ایک تھان کپڑا دے کر ایک من شکر خرید لو تو یہ جائز ہے۔

جوا اور شرط والے کاروبار

جس طرح ہر طرح کا سودی کاروبار حرام ہے اسی طرح جوئے کا تمام کاروبار حرام ہے، جوا خواہ بازی لگا کر کھیلا جائے یا کوئی شرط لگا کر یا بخت و اتفاق کی بنا پر کوئی فائدہ اٹھایا جائے، اسلام میں یہ سب ناجائز ہے، قرآن و حدیث میں جوئے (میسر) کو حرام کیا گیا ہے، مگر جوا صرف یہی نہیں ہے، کہ چند روپے یا چند پیسے کی بازی لگا کر فائدہ یا نقصان اٹھایا جائے، بلکہ جوئے اور قمار بازی میں وہ تمام صورتیں داخل ہیں، جن میں ایک آدمی کا مال دوسرے آدمی کو بخت و اتفاق کی بنا پر مل جاتا ہو، چنانچہ موجودہ زمانہ میں لاٹری، ریس اور معمہ وغیرہ کے ذریعہ جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے، وہ سب جوئے میں داخل ہے، کیونکہ اس میں سارا فائدہ یا نقصان اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔

میسر یعنی جوئے کی تعریف

میسر کی تعریف علماء نے یہ کی ہے تَعْلِیْقُ الْمِلْكِ عَلَی الْخَطَرِ[1] یعنی اس کا فائدہ اتفاق پر مبنی ہو، اسی بنا پر حدیث میں بیع الغرر اور اس کی تمام قسموں سے منع کیا گیا ہے مثلاً بیع منابذہ، بیع ملامسہ، بیع الحصاۃ وغیرہ، بیع الغرر ایک جامع لفظ ہے، اس میں ہر وہ کاروبار داخل ہے جس میں مذکورہ صفت پائی جائے گویا میسر (جوئے) کی تفسیر جن جامع الفاظ سے آپ نے فرمائی ہے، ان میں ایک غرر بھی ہے، غرر کی چند قسمیں یہاں بیان کی جاتی ہیں

بیع منابذہ

یہ ہے کہ ایک طرف تو متعین رقم یا جنس ہو، اور دوسری طرف غیر متعین رقم یا جنس ہو مثلاً کسی نے کہا کہ اس باغ کا پھل میں نے اس شرط پر بیچا کہ اگر اس میں پانچ ہزار پھل سے جتنے زیادہ ہوں گے تو وہ سب میرے ہوں گے کم ہوں گے تو اس کی ذمہ داری خریدار

[1] اپنی ملکیت کو خطرہ میں ڈالنا

پر ہوگی، یا کسی نے کہا کہ اس چار من گیہوں کے بدلے مجھے اس مٹر کے کھیت کی فصل فروخت کر دو۔ یا کسی نے کہا کہ فلاں جہاز پر جو سامان آ رہا ہے، یا فلاں ریل کے ڈبہ میں جتنا سامان ہے وہ سب ہم اتنے روپے پر بیچتے ہیں تو ان تمام صورتوں میں خرید فروخت صحیح نہ ہوگی، کیونکہ اوپر ذکر آچکا ہے، کہ قیمت کی تعیین بھی ہونا چاہیئے، اور جو چیز بیچی جا رہی ہے اس کو متعین اور مقرر ہونا چاہیئے کیونکہ جس وقت یہ معاملہ طے ہو جائے گا تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو بائع کو نقصان اُٹھانا پڑے گا یا مشتری کو اور دونوں صورتوں میں اختلاف اور ناراضگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، یوں تو نقصان و فائدہ کا امکان ہر خرید و فروخت میں ہوتا ہے، مگر اس کی وجہ دوسری ہوتی ہے اصل معاملہ اتفاق پر مبنی نہیں ہوتا، اور یہاں اصل معاملہ ہی اتفاق پر مبنی ہے، اس لئے اس میں ایک کا فائدہ اور ایک کا نقصان بالکل متعین ہوتا ہے، چنانچہ آئے دن ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ ایک آدمی ایک جہاز کا مال بغیر اس کو دیکھے ہوئے خرید لیتا ہے اور اس کو ایسا دھکا لگتا ہے کہ وہ بالکل دیوالیہ ہو کر پیسے پیسے کو محتاج ہو جاتا ہے۔

بیع الملامسہ اور بیع الحصاۃ یہ ہے کہ بہت سی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، ایک شخص نے ان میں سے ایک چیز کو چھو دیا، یا اس نے کسی چیز پر ایک کنکری پھینک دی، یا، یہ کہا کہ میرا ہاتھ جس چیز پر پڑ جائے، یا جس پر کنکری پہنچ جائے، وہ میری ہے، جیسا کہ آج کل ریس میں اور لاٹری میں ہوتا ہے کہ لاکھوں روپے کا مال صرف پانسے، داؤ اور بازی کے ذریعہ بک جاتا ہے۔

معمہ بازی میں یہ ہوتا ہے، کہ دو آدمیوں کا فائدہ تو متعین ہوتا ہے ایک معمہ جاری کرنے والے کا دوسرے جس نے بازی جیتی ہے، یا انعام پایا ہے مگر ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کی جیب کا پیسہ بلا کسی وجہ کے نکل جاتا ہے اور یہ سب اتفاقی طور پر ہوتا ہے، اور پھر معمہ بازی اس پہلو سے بھی اسلامی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتی کہ یہ صریحی ظلم ہے کہ ہزاروں کی جیب کاٹ کر دو آدمی کی جیب بھر دی جائے اور یہ ظلم ہزاروں آدمی صرف ایک موہوم امید کی بنا پر برداشت کرتے ہیں، اگر ان میں سے ہر ایک کو معلوم ہو جائے، کہ اس کے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا، تو بہت کم آدمی

ہوں گے جو اپنا روپیہ معمہ کی نذر کریں گے اور اس کے حل کرنے میں اپنی محنت عزیز ضائع کریں گے معمہ صرف وہی حرام نہیں جو فیس ادا کر کے شائع کیا جائے بلکہ وہ بھی ناجائز ہے جو بغیر فیس کے شائع کیا جاتا ہے، اور بظاہر بغیر فیس کے جو معمے شائع کئے جاتے ہیں، ان میں بھی اس رسالہ کو بیچ کر ایک دوسرے طریقے سے فیس حاصل کر لی جاتی ہے، یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک رسالہ دس آدمی لے کر اور اس سے نقل کر کے اپنا حل بھیج دیں، بلکہ ہر معمہ بھیجنے والے کو ایک رسالہ خریدنا پڑتا ہے، جب تک کسی حل کے ساتھ اس رسالہ کی کوپن نہ بھیجی جائے گی، اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

بیمہ خواہ مال کا ہو یا جان کا ناجائز ہے، اور حرام ہے اس میں سود بھی ہوتا ہے اور قمار بھی اور رشوت بھی مثلاً مال کے بیمہ میں جو معاوضہ بیمہ کمپنی دیتی ہے وہ معاوضہ مال کا نہیں ہوتا بلکہ اس رقم کا ہوتا ہے جو بیمہ کرانے والے اس کو سالانہ ادا کرتے رہتے ہیں ورنہ مال سے تو اس کمپنی کو کوئی فائدہ ہوتا نہیں، ظاہر کہ یہ نفع بالکل بخت و اتفاق پر مبنی ہے اور اسی کا نام میسر یا قمار و جوا ہے اور یہ سود اس طرح ہے کہ بیمہ کمپنی نقصان کا جو معاوضہ دیتی ہے وہ رقم یا تو اس رقم سے زیادہ ہوگی جو اس کو بیمہ کرانے والوں سے ملی ہے یا اس سے کم دونوں صورتوں میں کسی نہ کسی فریق کا نقصان ہوگا اور کسی نہ کسی کا فائدہ، اور اسی کا نام سود ہے کہ ایک کا فائدہ یا نقصان تو متعین ہو اور دوسرے کا غیر متعین، اسی طرح جان کا بیمہ سود ہونے کے ساتھ رشوت بھی ہے کیونکہ جان اسلام کے نزدیک مال متقوم نہیں ہے یعنی وہ عوض یا خرید و فروخت کے بدلہ میں استعمال نہیں کی جا سکتی اور معاملات میں دونوں طرف ایسی چیزوں کا ہونا ضروری ہے جو عوض بن سکیں اور رشوت کی یہی تعریف ہے کہ رشوت کسی مال متقوم کے عوض کے بغیر دی جاتی ہے۔

رشوت سود اور جوا کی طرح رشوت بھی حرام ہے، قرآن میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا ہے، آپؐ نے فرمایا ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنم میں جائیں گے، رشوت یہ ہے کہ آدمی ایک کام کے لئے مقرر ہے اور وہ اس کام کے لئے حکومت سے یا کسی ادارہ یا کسی شخص کی طرف سے تنخواہ پاتا ہے اور پھر بھی اسی کام کے کرنے کے لئے وہ کچھ اور معاوضہ لیتا ہے مثلاً ایک دفتر کا کلرک اس لئے مقرر ہے

کہ وہ لوگوں کا پاسپورٹ بنادیا کرے، اب اگر پاسپورٹ بنانے میں تنخواہ کے علاوہ پاسپورٹ بنوانے والے سے اس نے کچھ لیا تو رشوت ہوگی. کیونکہ اس کو اس کام کا معاوضہ مل رہا ہے، اب یہ معاوضہ وہ کس چیز کے بدلہ میں لے رہا ہے، رشوت یہ بھی ہے کہ کسی عہدہ کی وجہ سے اس کو کوئی تحفہ اور ہدیہ ملے۔ ایک بار ایک آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے مقرر فرمایا جب وہ واپس ہوا تو اس نے کہا کہ اتنا مال زکوٰۃ کا ہے اور اتنا مجھے ہدیہ ملا ہے آپؐ نے سُنا تو فرمایا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے پھر دیکھے کہ کوئی ہدیہ اس کو دیتا ہے. یعنی یہ ہدیہ عہدہ کی وجہ سے ملا ہے۔

حَبلُ الحُبلَۃ اور مُعاوَمہ یعنی مستقبل کے سودے

اسی طرح. بیع معاومہ اور حبل الحبلہ سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، یعنی ایک شخص دو تین سال کے لئے اکٹھا اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل بیچ دے اس کو معاومہ کہتے ہیں، یا جانور کے ایک یا کئی حمل کو بیچ دے اس کو حبل الحبلہ کہتے ہیں، مثلاً کسی کھیت میں ایک سال دس من غلہ پیدا ہوا، یا باغ کا پھل سو روپیہ میں بکا تو اسی پر قیاس کرکے یا اندازے سے دو تین سال آئندہ کے لئے معاملہ کرلیا جائے، یا جانور نے بچہ نہیں دیا، مگر اس کو فروخت کردیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے تمام کاروبار سے اس لئے روکا ہے یہ بھی میسر کی ایک قسم ہے۔

موجودہ زمانہ میں چھوٹی تجارت سے لے کر بڑی سے بڑی تجارت میں مستقبل کے سودے کا طریقہ جاری ہے اس کے ناجائز ہونے کی طرف مسلمان تاجروں کا دھیان بھی نہیں جاتا، اس کے ناجائز اور حرام ہونے کے دو خاص پہلو قابلِ غور ہیں۔

ایک تو یہ کہ اس میں جو چیز بیچی جارہی ہے وہ سامنے اور قبضہ میں نہیں ہے، دوسرے اس کا فائدہ محض بخت واتفاق پر مبنی ہے، غرض یہ کہ یہ خصوصیات جس کاروبار میں پائی جائیں گی، وہ ناجائز ہوگا، خاص طور پر مستقبل کے سودوں کی وجہ سے تو کہیں کہیں چھوٹے تاجروں کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے، مگر زیادہ تر اس سے بڑے تاجروں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ چیزوں کا اسٹاک

کرکے گرانی پیدا کریں اور خوب فائدہ اٹھائیں۔

بیع الحبلہ کے بعض اور مسائل بیع الحبلہ صرف حمل ہی کے بیچنے کو نہیں کہتے بلکہ ہر مجہول چیز کے بیچنے کو کہتے ہیں، مثلاً کسی نے کہا کہ گائے کے تھن میں جو دودھ ہے وہ میں بیچتا ہوں یا بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہیں وہ سب ہی بیچتا ہوں یہ سب بیع الحبلہ میں داخل اور ناجائز ہے، دودھ کو بیچنا ہے تو دوہ کر بیچے اور بال کو بیچنا ہے تو کاٹ کر بیچے، اسی طرح جو لکڑیاں یا بانس مکان میں لگے ہوئے ہیں، ان سب کا بیچنا باطل اور حرام ہے، اگر بیچنا ہے تو ان کو نکال کر بیچنا چاہیئے۔

جس کاروبار میں فریب یا دھوکہ ہو جس کاروبار میں دھوکا یا فریب ہو وہ اسلام میں حرام ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غش، غرر نجش اور مُصَرَّاۃ وغیرہ سے روکا ہے، غرر کے معنی خطرہ برداشت کرنے کے ہیں، وہ کاروبار جس میں کسی فریق کا فائدہ خطرہ میں ہو یا پڑ جائے[1]، یا جس چیز کی فروخت ہوئی ہے وہ قبضہ سے باہر ہو، تو یہ سب غرر میں شامل ہے، مثلاً کسی نے دریا کی مچھلی فروخت کی، جیساکہ آج کل حکومتیں ملاحوں کو مچھلی کا ٹھیکہ دیتی ہیں، اسلام میں ان تمام چیزوں کا ٹھیکہ دینا فاسد ہے، جو اس کی ملکیت میں نہ ہوں، اسلامی شریعت میں یہ مچھلیاں ان لوگوں کی ملک ہیں، جو ان کو پکڑتے ہیں، حکومت کا کام یہ نہیں ہے کہ ان سے ٹھیکہ کے ذریعہ فائدہ اٹھائے، بلکہ اس کام میں صرف اتنا ہونا چاہیئے کہ ان کو پکڑنے کے لئے وہ آسانی فراہم کرے، اسی طرح وہ کاروبار جس میں خریدار یا بائع کا فائدہ خطرہ میں ہو ناجائز ہے، جیساکہ اوپر معاملہ حبل الحبلہ وغیرہ کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے، غرر کی چند اور قسمیں ملاحظہ ہوں۔

غِشّ اور مُصَرَّاۃ غش کے معنی کھوٹ کے ہیں، اسی سے دھوکے کا مفہوم نکلا ہے، اور مُصَرَّاۃ کے معنی ہیں کسی گائے بھینس یا بکری کا دو تین وقت کا دودھ تھن میں اس لئے روک لیا جائے کہ خریدار سمجھے کہ یہ بڑی دودھاری گائے یا بکری ہے۔

---

[1] امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں بَیْعُ الْغَرَرِ یَتَنَاوَلُ کُلَّ مَا فِیْہِ مُخَاطَرَۃٌ (فتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۱)
بیع غرر ان تمام صورتوں کو شامل ہے جو بخت و اتفاق پر مبنی ہے۔

غش اور مُصَراۃ میں وہ تمام کاروبار آجاتے ہیں جن میں لوگ غلط پُروپیگنڈے شو اور دکھاوے کے زور سے اپنا خراب مال بھی اچھی قیمت سے بیچ دیتے ہیں اور لوگ دھوکے میں پڑکر اسے خرید لیتے ہیں، اگر اسلامی حکومت ہوگی تو وہ غلط پروپیگنڈے اور غلط ذرائع سے کئے گئے اس کاروبار کو ناجائز قرار دے گی، جس میں خراب یا نقلی مال کو عمدہ دکھاکر اور اصلی بناکر بیچ دیا جاتا ہے، اور لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

غیر موجود یا ادھار مال اور غیر موجود یا ادھار قیمت

ایک طریقہ یہ بھی رائج ہے، کہ مال اور اور قیمت دونوں غیر موجود یا اُدھار ہوتے ہیں، اور خرید و فروخت ہوجاتی ہے، اس کو حدیث میں الکالی بالکالی کہا گیا ہے، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، چنانچہ ہندوستان پاکستان کے ساحلی شہروں مثلاً کلکتہ، بمبئی، کراچی وغیرہ میں اسی طرح لاکھوں روپے کا کاروبار روزانہ صرف زبانی ہوتا ہے، ایسے کاروباریوں کو صرف چند منٹ بات کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑتی ہے، یا پھر کسی مال کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کہ وہ کہاں ہے اور کہاں سے آرہا ہے، اپنی جیب سے ایک پیسہ خرچ کئے اور مال کے موجود ہوئے بغیر ہزاروں روپیوں کا فائدہ یا لاکھوں روپے کا نقصان اٹھاتے ہیں، اور اس فائدہ اور نقصان دونوں کا اثر عام خریداروں کی جیب پر پڑتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ایک ادھار معاملہ پر دوسرا ادھار معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً کسی نے ایک مکان خریدا، اور قیمت ادھار لگادی، پھر کچھ دن کے بعد اس نے فروخت کرنے والے یعنی بائع سے کہا کہ اس مکان کی اگر تم اتنی قیمت دے دو تو پھر تم کو واپس کردوں، یا اتنا روپے لے کر اپنا مکان یا جانور واپس لے لو، تو یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، یا کوئی مال امریکہ یا روس سے چلا ہے اور ابھی وہ راستہ ہی میں ہے کہ مال کے ایجنٹوں سے بمبئی یا کلکتہ کا ایک تاجر معاملہ طے کرلیتا ہے اور پھر وہ تاجر کسی دوسرے تاجر سے کچھ منافعہ لے کر پھر وہ مال بیچ دیتا ہے، آخری خریدنے والے کو کبھی نقصان بھی ہوتا ہے، اور زیادہ تر فائدہ ہوتا ہے مگر اس الٹ پھیر کی وجہ سے وہ چیز جو یہاں چار آنے میں بکتی وہ پانچ آنے میں یقیناً بکتی ہے۔

بیچ سے فائدہ اُچک لینا

کاروبار میں کچھ بیچ کے لوگ بھی ہوتے ہیں جو بائع اور خریدار کے درمیان واسطہ بن کر اُس فائدہ کو جو بائع اور خریدار کو ہوتا خود اُچک لیتے ہیں۔ مثلاً دلال یا وہ تاجر جو بازار میں مال کو آنے سے پہلے ہی مال خرید کر ذخیرہ کرتے ہیں، اور بازار میں براہ راست مال آنے کی صورت میں جو فائدہ صارفین یعنی عام خریداروں کو ہوتا وہ خود مار لیتے ہیں، اسلامی شریعت نے ایسے تمام لوگوں کو انتہائی ناپسند کیا ہے، جو واسطہ بن کر فائدہ اُچک لیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ :-

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَلَقَّى الْجَلَبُ فَإِنْ تَلَقَّاهُ إِنْسَانٌ فَابْتَاعَهُ فَصَاحِبُ السِّلْعَةِ فِيهَا بِالْخِيَارِ	آپ نے منع فرمایا فائدہ اُچک لینے سے اگر کوئی ایسا کرے تو بیچنے والے کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا مال واپس لے لے۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے خرید و فروخت کو اُچک لینے سے منع فرمایا :-

نهى عن تلقى البيوع ایک اور دوسری روایت میں اور زیادہ واضح الفاظ ہیں۔

نَهَى عَنْ تَلَقِّي السِّلَعِ حَتّٰى تَهْبِطَ الْأَسْوَاقَ	مال کو بازار میں آجانے سے پہلے بیچ سے اُچک لینے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح آپ نے شہری دلالوں کو دیہاتیوں کے مال خریدنے سے منع فرمایا ہے۔

کسی چیز کے بازار میں آنے سے پہلے جتنے زیادہ واسطے ہوں گے وہ چیز اتنی ہی زیادہ گراں ہوگی کیونکہ جتنے ہاتھوں میں سامان جائے گا وہ سب کے سب کچھ نہ کچھ کمانے کی فکر میں رہیں گے، اس طرح وہ بازار میں آتے آتے کافی گراں ہوجاتا ہے، اور عام خریداروں کو جو چیز ایک دو واسطوں سے ایک روپیہ میں ملتی اب ان کو ایک روپے چار آنے میں ملے گی۔

اس خرابی کو دور کرنے کے لئے اسلامی شریعت نے ان تمام لوگوں پر پابندی عائد کی ہے جن کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے یا جس طریقۂ تجارت سے عام خریداروں کو مال گراں پڑتا ہے،

کیونکہ ان صورتوں میں دو چار آدمیوں کو تو ضرور فائدہ ہوتا ہے، مگر ہزاروں غریب اور متوسط الحال آدمیوں کی جیب سے لاکھوں روپے نکل جاتے ہیں۔

اس طریقۂ بیع یعنی بیچ سے فائدہ اُچک لینے کے بارے میں ائمہ فقہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، عام ائمہ فقہ وحدیث تو اس کو بالکل ناجائز قرار دیتے ہیں، یعنی یہ معاملہ کالعدم ہو گا، مگر امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں، کہ یہ طریقۂ بیع عام حالت میں تو ناجائز نہیں ہے، لیکن جب عوام اس کی وجہ سے دقت میں پڑ جائیں اور سامان گراں ہو جائے تو پھر یہ ناجائز ہے، عام حالت میں بھی، اگر بنئے دیہاتیوں کے مال کو سستے داموں پر یہ کہہ کر خرید لیں کہ شہر میں اس کا بھاؤ یہی ہے اور وہ بھاؤ نہ ہو تو یہ امام صاحب کے نزدیک بھی ناجائز ہے، غرض یہ کہ عام ائمہ اس طریقۂ بیع کو مطلقاً اس لئے ناجائز قرار دیتے ہیں کہ اس طریقۂ بیع میں عموماً دھوکہ ہوتا ہے اور یہ بھی ایک طرح کا دھوکا ہے جو گرانی کا سبب بنتا ہے، اور امام صاحب اس کو اس وقت ناجائز قرار دیتے ہیں، جب واقعتہً یہ طریقۂ بیع نقصان کا سبب ہو رہا ہو گویا نقصان اور گرانی کی صورت میں سب ہی اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، لیکن حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس طریقۂ بیع کو مطلقاً ہی ناجائز ہونا چاہیئے جیسا کہ عام ائمہ کا مسلک ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ الفاظ ملاحظہ ہوں "شہری دیہاتی کی خرید و فروخت کا واسطہ نہ بنے لوگوں کو چھوڑ دو وہ خود اپنا معاملہ کریں، اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض لوگوں کو روزی دیتا ہے" یعنی اگر وہ خود بیچے گا، تو صرف ایک ہی واسطہ ہو گا، اس لئے یہ مال اس صورت کے مقابلہ میں خریداروں کو زیادہ سستا ملے گا، جس میں کئی واسطے ہو جائیں۔

بیع کی چند اور ناجائز صورتیں

(۱) اگر کسی نے بیع میں یہ شرط لگائی کہ اگر تم اپنا مکان میرے ہاتھ بیچ دو، تو میں تمہارے ہاتھ اپنا فلاں کھیت بیچ دوں، تو یہ شرط لگا دینے کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا، اس کو حدیث میں ایک بیع کے اندر دو بیع کہا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح کسی نے اپنا کھیت یا مکان یا کوئی جانور بیچا اور یہ شرط لگا دی کہ میں اس کھیت میں ایک فصل بولوں گا تب اس کو تمہارے حوالہ کروں گا، یا مکان میں ایک مہینہ رہ کر چھوڑوں گا، یا جانور

کو چار مہینے استعمال کرنے کے بعد دوں گا تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد اور ناجائز ہوگی، اسی طرح کپڑا کسی دوکاندار سے اس شرط پر خریدا کہ اس کو کاٹ، سی کر مجھے دو یا تھوڑا سا غلہ یا پھل خریدا اور یہ شرط لگا دی کہ اس کو ہمارے گھر تک پہنچا دو، تو اس شرط کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہوگی، یا کسی نے ایک بھینس یا گائے خریدنا چاہا اور یہ شرط لگا دی کہ یہ چار سیر دودھ دے گی تو لوں گا، یا بائع نے کہا کہ یہ چار سیر دودھ ضرور دے گی، تو یہ بیع فاسد ہے، کیونکہ جانوروں کا دودھ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ آج وہ چار سیر دودھ دے، مگر کل کم دے، تو اس سے بدمزگی ہوگی، البتہ اگر یہ کہہ دیا کہ یہ گائے دودھاری ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اگر کسی نے بیع میں کوئی زائد شرط لگا دی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں مثلاً کسی نے مکان بیچتے وقت کہا کہ اس میں پاخانہ نہ بنایا جائے یا جانور بیچتے وقت کہا کہ اس کو کسی کے ہاتھ فروخت نہ کیجئے گا تو شرط فضول ہے مگر بیع میں اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، بیع تمام ہو جائے گی اور اس شرط پر کوئی دھیان نہیں دیا جائے گا۔

شرط کا قاعدہ کلیہ

بیع میں شرط لگانے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ایسی شرط جو نفس معاملہ سے متعلق ہو اور اس سے کوئی مزید مالی منفعت حاصل کی جا رہی ہو تو وہ ناجائز ہے اور اس سے بیع باطل ہو جائے گی اور جو شرط نفس معاملہ سے متعلق نہ ہو بلکہ زائد ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اس کا تعلق یک طرفہ مالی منفعت سے ہے تو معاملہ فاسد ہوگا اور اگر اس کا تعلق مالی معاملات سے نہ ہو تو شرط لغو ہوگی اور معاملہ صحیح ہوگا، مثلاً نکاح وغیرہ میں کوئی قید لگائی تو اس کا حکم یہی ہے حاشیہ[1] میں مزید تفصیل ہے۔

---

[1] جن معاملات میں دو آدمی شامل ہوتے ہیں خواہ وہ خرید و فروخت ہو یا عقد نکاح ہو شرکت یا مضاربت ہو اس میں دونوں فریق اگر کوئی شرط لگاتے ہیں تو وہ شرط اگر اسلامی شریعت سے ٹکراتی نہیں ہے تو وہ شرعاً قابل قبول ہے حدیث میں ہے "المسلمون علی شروطہم" مسلمان اپنی شرط کے پابند ہیں لیکن اگر وہ شرط کسی شرعی حکم سے ٹکراتی ہے یا اس کے ذریعہ کوئی زائد مال منفعت جو اصل معاملہ سے متعلق نہیں ہے حاصل کی جائے تو فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے "کل شرط لیس فی کتاب اللہ فہو باطل" کتاب اللہ سے مراد احکام شریعت ہیں "نہی عن بیع شرط" والی ضعیف حدیث کو اس (بقیہ حاشیہ ص ۶۵)

(۳) کسی نے خریدار سے کوئی چیز خریدنے کی خواہش ظاہر کی، اور بائع سے یہ کہا کہ اگر تم ہم کو کچھ روپے قرض دے دو یا فلاں چیز کو ان کے لئے عاریتہً دے دو تو میں یہ چیز تمہارے ہاتھ بیچ دوں گا تو یہ بیع فاسد ہوگی، یا کسی نے کسی سے قرض لینے کی ضرورت ظاہر کی، قرض دینے والا قرض دینے پر تو راضی ہوگیا، مگر یہ شرط لگائی کہ اگر تم میری فلاں چیز خرید لو یا مجھے اپنی فلاں چیز بیچ دو تو میں تم کو قرض دے سکتا ہوں، تو یہ بیع باطل ہوگی، کیونکہ قرض دے کر اس سے کوئی فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص ایک مکان بیچے یا باغ کے پھل فروخت کرے، اور یہ شرط لگا دے کہ ایک کمرہ میں نہیں دوں گا یا فلاں درخت کا پھل میں خود کھاؤں گا تو یہ جائز ہے، لیکن اگر اس نے اس کو متعین نہیں کیا اور یہ کہا کہ اس میں سے کچھ پھل یا پانچسو پھل ہم لیں گے یا کوئی کمرہ اس میں ہمارا ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہو سکتا ہے، البتہ اگر پھل کی تعداد بتا کر آم کے درخت کی یا آم کی قسم کی تعیین کر دی تو جائز ہے، غرض یہ کہ کوئی بات مجہول یعنی چھپی نہ رہ جائے۔

بقیہ حاشیہ صلا

روشنی میں دیکھنا چاہیے مثلاً یہ شرط کہ مال پہنچانے کی ذمہ داری بائع پر ہوگی یا دونوں فریق میں کوئی کسی کو اتنا قرض دے تو یہ معاملہ مکمل سمجھا جائے گا البتہ اگر یہ شرط غیر مالی معاملات سے متعلق ہو مثلاً نکاح وغیرہ میں کوئی زائد شرط لگا دی جائے تو شرط بے کار ہو جائے گی اور اصلی معاملہ صحیح سمجھا جائے گا۔ مگر فقہاء احناف تین طرح کی شرطوں کو خواہ وہ نفس معاملہ سے متعلق ہو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔

۱۔ وہ شرط جس کی شریعت نے اجازت دی ہے مثلاً قیمت تاخیر سے ادا کرنا۔ دونوں میں سے کسی کو خیار شرط دینا اور اسی پر خیار نقد و تعین کو قیاس کیا گیا ہے۔ گو یہ شرط نفس معاملہ میں ہے مگر شریعت کی اجازت کی وجہ سے صحیح ہے۔

۲۔ وہ شرط جو اصل معاملہ کے مناسب ہو مثلاً کسی نے کوئی چیز بیچی اور قیمت ادھار طے ہوئی مگر بائع نے یہ شرط لگا دی کہ مشتری قیمت کی ادائیگی تک یا تو کوئی چیز رہن رکھ دے یا یہ کہ کوئی ضامن دے چنانچہ فقہائے احناف کہتے ہیں کہ اگر یہ شرط طے ہوگئی تو قضائے قاضی سے مشتری کو مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ بائع نے قیمت کی حفاظت کے لئے یہ شرط لگائی ہے اور اس کے تناسب سے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تصویر(۵) ہر طرح کے جاندار کی تصویر بنانا اور اس کا بیچنا حرام ہے حتیٰ کہ لڑکوں کے کھلونے جو تصویر کی شکل میں ہوتے ہیں حرام ہیں ، اگر ان چیزوں کو کوئی توڑ دے یا خراب کردے تو خراب کرنے والے سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا، کیونکہ اسلامی شریعت میں یہ مال ہی نہیں ہیں۔ اس کا خراب کرنا اور راستہ کی مٹی کو ادھر اُدھر کرنا دونوں برابر ہے، اپنے مال کو بیچنے کے لئے عورتوں کی تصویر بنا کر جو رغبت دلائی جاتی ہے یہ بھی حرام ہے بلکہ اس میں دوہرا تہرا گناہ ہے ایک تصویر بنوانے کا دوسرے عورت کی ذات کو ترغیب کا ذریعہ بنانے کا تیسرے غلط ترغیب

بقیہ حاشیہ ۶۵

۳- وہ شرط جو عرف عام میں خرید و فروخت کے معاملات میں لگائی جاتی ہو مثلاً ایک سال کی گارنٹی پر بعض چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ اوپر فقہائے احناف اور دوسرے فقہا نے جو اصول بیان کئے ہیں اس کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ تینوں شرطیں اصل معاملہ کے اندر منفعت زائدہ کے ساتھ لگائی گئی ہیں مگر عرف عام کی بنا پر یا تراضی طرفین کی بنا پر کسی ایک فریق کا نقصان یا ایک فریق کی منفعت اس میں نہیں پائی جاتی اس لئے فقہا نے اسلامی قانون کے مزاج کے مطابق انھیں صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے بہت صحیح لکھا ہے۔

ان العقود انما وجب الوفاء بها لایجاب الشارع الوفاء بها مطلقا الا ما خصہ الدلیل والاصل فی العقود رضی المتعاقدین ونتیجتها هو ما اوجباه علی انفسهما بالتعاقد (قاعدۃ العقود)

دو آدمی کے درمیان جو معاہدے اور معاملات طے ہوتے ہیں ان کا پورا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ شارع نے جب تک اس کے عدم ایفاء کے لئے کوئی خصوصی دلیل نہ قائم کی ہو مطلق طور پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور عقود میں اصل چیز دونوں فریق کی رضامندی ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ آپس کے معاملات میں جو شرط دونوں طے کریں وہ ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بہت وسیع ہے ان کے مسلک کی روشنی میں موجودہ دور کے معاملات میں جتنی شرطیں رواج پذیر ہیں قریب قریب سب جائز ہیں بشرطیکہ وہ کسی نص شرعی سے صراحتہً نہ ٹکراتی ہو۔ امام ابن تیمیہ قاعدۃ العقود میں کہتے ہیں۔

لیس فی فقهاء الاربعة اکثر تصحیحا للشروط من احمد	فقہاء اربعہ میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ شرطوں کو صحیح قرار دینے والا کوئی دوسرا نہیں۔

یہ موقع تفصیل کا نہیں ہے اس لئے اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دے کر مال کے بیچنے کا۔

جن چیزوں سے جرائم کی ترغیب ہوتی ہے

(۶) اسی طرح جن چیزوں سے کسی جرم یا گناہ کی ترغیب ہوتی ہو ان کا بیچنا اور خریدنا سب حرام ہے مثلاً کسی سامان سے یا سامان پر بنی ہوئی تصویر سے یا اشتہار سے زنا کی، سود لینے کی، شراب پینے کی، چوری یا ڈاکے یا کسی اور جرم کی ترغیب ہوتی ہو، ان کی خرید و فروخت اور اشاعت دونوں حرام ہے، سینما کا موجودہ کاروبار، غیر تمدنی فلم سازی، عریاں تصویریں، فحش گانے اور فحش ناولیں یہ سب حرام ہیں۔

بیعِ عینہ

(۷) ایک شخص نے کوئی چیز خریدی، مگر قیمت ابھی ادا نہیں کی ہے کہ پھر بائع نے کہا کہ کچھ قیمت کم لے کر مجھے فروخت کر دو تو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا معاملہ تو درست ہے، لیکن دوسرا درست نہیں ہے، یعنی فاسد ہے، اور امام مالک اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں معاملے باطل ہیں، اس کو شریعت میں بیعِ عِینہ کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے، امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ پہلے معاملہ کو اس لئے درست فرماتے ہیں کہ وہ بیع نسیہ ہے بیع عینہ نہیں ہے وہ بیع عینہ کی تعریف میں دوسرے معاملہ کی وجہ سے داخل ہوا ہے، اس لئے اصل میں دوسرا معاملہ ہی بیع عینہ ہے پہلا اپنی جگہ پر باقی رہے گا۔

دام پر دام لگانا

اسی طرح کسی خریدار نے ایک چیز کا دام لگایا، اور بائع تیار بھی ہو گیا، اسی درمیان میں ایک دوسرا شخص آکر مال کی قیمت اس لئے بڑھا دیتا ہے کہ خریدار نہ خرید سکے یا وہ خود اس کو خرید لے یا وہ زیادہ قیمت دیکر خریدے، اسی طرح ایک بائع یعنی دوکاندار نے کسی چیز کی قیمت بتائی، اور خریدار بالکل لینے کے لئے تیار تھا کہ ایک دوکاندار اسی چیز کا نمونہ دکھا کر کہتا ہے کہ میں اس سے کم دام پر دے سکتا ہوں، اب وہ خریدار بدک جاتا ہے، یہ تمام صورتیں ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہیں اگر اس طریقہ پر خرید و فروخت کا معاملہ کر لیا جائے تو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بیع باطل ہوگی، اور دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ بیع کالعدم تو نہیں قرار دی جائے گی مگر یہ بیع مکروہ ہوگی، اس کو حدیث میں نجش بھی کہا گیا ہے، نجش کے معنی کریدنا اور نفرت دلانا۔

بیعانہ یا ایڈوانس کسی چیز کے خریدنے کے لئے خریدار نے کچھ رقم، دکاندار کے اطمینان کے لئے پیشگی دی، اور دکاندار نے یہ شرط لگائی کہ اگر آپ یہ چیز نہ لے جائیں تو میں یہ رقم بھی واپس نہ کروں گا، تو یہ بھی باطل ہے[۱]، مثلاً کسی نے موچی سے کہا کہ ایک جوڑا جوتہ تیار کردو۔ موچی نے کہا کہ کچھ بیعانہ دیدیجئے، اگر آپ نے جوتہ نہ لیا تو بیعانہ واپس نہیں ہوگا تو اس کو یہ شرط لگانے کا حق نہیں ہے البتہ اگر بغیر شرط کے پیشگی یا بیعانہ لے لے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، مگر سودا نہ لینے کی صورت میں وہ بیعانہ ہڑپ نہیں کرسکتا اس کو "بیع عربون" کہتے ہیں۔

دام کے دام یا نفع لے کر بیچنا کسی چیز کو اگر دام کے دام بیچ دیا گیا تو اس کو شریعت میں بیع تولیہ کہتے ہیں، اور اگر نفع لے کر بیچا جائے تو بیع مرابحہ کہتے ہیں، نفع لینے پر اسلامی شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، مگر بازار کے بھاؤ سے زیادہ بھاؤ پر بیچنا بُرا ہے اور بعض ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کو بازار میں کسی چیز کے فروخت کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے شخص کو بازار سے اٹھا دیا کرتے تھے اس سلسلہ میں چند

---

[۱] یہی مسلک امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا ہے مگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سیرین وغیرہ اس کو جائز کہتے ہیں، اس سلسلہ میں وہ حضرت عمرؓ اور قاضی شریح کے فیصلے کو نقل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عامل نافع نے حضرت عمرؓ کی خلافت میں سرکاری ضرورت کے لئے ایک قیدخانہ کی جگہ صفوان ابن امیہ سے اس شرط پر خریدی کہ اگر حضرت عمر راضی نہ ہوں گے تو اتنی رقم ہم آپ کو دیں گے حضرت عمر نے اس شرط کو منظور کرلیا ہدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۳۵۔ امام ابن قیم نے امام بخاری کی اس روایت کی بنا پر اسی کو ترجیح دی ہے وہ روایت یہ ہے کہ ایک شخص نے جانور کرایہ پر دینے والے سے کہا کہ میرے لئے تم یہ سواری تیار کردو میں اگر تمہارے ساتھ فلاں دن نہ جاسکوں گا تو تمہیں سو درہم ادا کردوں گا، مگر وہ نہ جاسکا یہ معاملہ قاضی شریح کے یہاں گیا تو انھوں نے یہ فیصلہ دیا: من شرط علی نفسہ طائعا غیر مکرہ فھو علیہ جس نے خوشی سے کوئی شرط قبول کرلی وہ شرط جائز ہے اور اس کو پورا کرنا اس پر ضروری ہے۔ ان آثار کی بنا پر امام احمدؒ ایڈوانس کی رقم کو ضبط کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۳۳۹)

مسائل ذہن میں رہنے چاہئیں (۱) تاجر کے اوپر اپنی خرید کا دام بتانا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر کوئی تاجر یہ کہہ دے کہ اس مال کو میں نے اتنے میں خریدا ہے، اور ایک آنہ فی روپیہ نفع لے کر، آپ کو دیدیتا ہوں تو اس کو اس سے زیادہ لینے کا حق نہیں ہے، اگر خریدار کو معلوم ہو جائے کہ اس نے دھوکہ دیا تو اس کو واپس کر دینے کا اختیار ہے، لیکن اگر خریدار اسی چیز کو دام کم کرا کے اب لینا چاہے تو امام صاحب کی رائے ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، مگر ان کے شاگرد امام ابو یوسف اس کو اس کی اجازت دیتے ہیں، اور امام محمد نے خریدار کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے یعنی وہ چاہے تو واپس کر دے اور چاہے تو دام کم کرا کے خرید لے۔

(۲) یہ تو اس صورت میں ہے جب اس نے یہ کہا کہ میں نفع لے کر بیچتا ہوں، لیکن اگر اس نے کہا کہ میں دام کے دام یہ چیز دیتا ہوں تو پھر اس نے دھوکہ دیا، اس صورت میں خریدار کو قیمت کم کرانے کا حق سب کے یہاں ہے۔

(۳) جو مصارف مال کے منگانے میں پڑتے ہیں، مثلاً چنگی، ریل کا خرچ وغیرہ تو ایسے مال میں جب نفع لے کر بیچے تو بائع یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے بلکہ یہ کہے کہ یہ چیز اتنے میں پڑی ہے، تاکہ جھوٹ نہ ہو، اسی طرح اگر کسی چیز کے خریدنے کے بعد اس دوکاندار نے کچھ خرچ کیا ہے تو اس کو یہ حق ہے کہ یہ خرچ بھی اصل قیمت میں شامل کر دے مثلاً کسی سے رنگ لیا اور اس کی پڑیا بنوائی یا پیک کرائی، کاغذ لیا اور کاپی بنوائی، کتاب لی اور جلد بنوائی تو اس کو پیکنگ کا کاپی کی بنوائی کا اور جلد سازی کا خرچ اصل قیمت کے ساتھ لینے کا حق ہے، مگر یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے بلکہ یہ کہے کہ یہ اتنے میں پڑی ہے، ورنہ یہ جھوٹ ہوگا اور جھوٹ بول کر اپنا مال بیچنا حرام ہے۔

بیع کی بعض اور جائز یا ناجائز صورتیں (۱) مال کے بیچنے کے لئے کمیشن پر یا اُجرت پر ایجنٹ مقرر کئے جا سکتے ہیں، ان سے ضمانت بھی لے جا سکتی ہے مگر ضمانت میں یہ شرط نہ ہو کہ اگر تم نے اتنا مال نہ فروخت کیا یا اتنے دن کام نہ کیا تو یہ ضمانت ضبط ہو جائے گی، ضمانت کا روپیہ صرف اس صورت میں لیا جا سکتا ہے جب وہ ہدایت کے خلاف عمل کرے اور نقصان ہو جائے، یا وہ کوئی مال یا چیز لے کر غائب ہو جائے۔

٢۔ کسی نے ایجنٹ کو ایک مال دیا، اور حکم دیا، کہ اس کو عہ؍ درجن یا ۲۰؍ من کے حساب سے بیچو اس نے عہ؍ درجن والی چیز کو عہ؍ میں ۲۰؍ من کی چیز کو ۲۲؍ میں بیچ دیا، تو یہ ؍ یا ۲؍ ایجنٹ کے نہیں مالک کے ہوں گے۔ ایجنٹ وہ نہیں لے سکتا، البتہ اگر مالک اپنی خوشی سے اس کو دے دے تو جائز ہے

٣۔ باغ کا پھل جس وقت بیچا جائے خریدار کو اسی وقت توڑ لینا چاہیئے اور بائع اس کو اس پر مجبور کر سکتا ہے مگر ہندوستان اور پاکستان میں عام طور پر پھل پکنے تک درخت ہی پر رہتا ہے اور بائع کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہوتی ہے، اس لئے یہاں توڑنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس کا تعلق بائع کی رضامندی سے ہے اور وہ یہاں موجود ہے، لیکن اگر کوئی بائع راضی نہ ہو تو پھر وہ توڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

٤۔ کسی چیز کو نیلام کر کے بیچنا جائز ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا ایک پیالہ اور کمبل نیلام فرمایا تھا۔

٥۔ ہنڈی وغیرہ میں بٹہ کاٹنا ناجائز ہے، اس کا ذکر حوالہ میں آئے گا۔

٦۔ ریلوے کی طرف سے اسٹیشن سے مال اٹھالے جانے کی ایک مدت مقرر ہوتی ہے اگر اس وقت تک کوئی مال نہ اٹھالے جائے، تو اس کو فروخت کر کے قیمت ریلوے خود لے لیتی ہے اس کو لینے کا حق نہیں ہے وہ قیمت مال والے کو ملنی چاہیئے۔

٧۔ اگر کوئی یہ اشتہار دے کہ جو لوگ فلاں قیمت یا چندہ بھیج دیں گے ان کو یہ کتاب یا رسالہ یا یہ مال اتنے روپے میں ملے گا، اور اس کے بعد اس کی قیمت بڑھ جائے گی تو یہ جائز ہے۔

٨۔ لیکن یہ طریقہ ناجائز ہے کہ جو اتنا روپیہ بطور چندہ یا بطور مدد دے یا اتنی ممبری فیس ادا کرے اس کو زندگی بھر ادارہ کا رسالہ اور اس کی مطبوعات دی جائیں گی، یہ بیع کئی وجوہ سے ناجائز ہے یہ یہ بیع معاومہ یعنی مستقبل کا سودا ہے، اس کے ناجائز ہونے کی تفصیل اوپر آچکی ہے، دوسرے پوری بیع ابھی وجود میں نہیں آئی ہے اس لئے یہ بیع الحبلہ میں بھی داخل ہے اس کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے پھر یہ رعایت اور فائدہ اتفاق پر مبنی ہے اس حیثیت سے یہ ایک طرح کا جوا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ادارہ آئندہ چلے یا نہ چلے ایسی صورت میں کسی کو زندگی بھر کسی رعایت کے دینے کا لالچ دے کر روپیہ وصول کرنا

ایک طرح کا دھوکہ ہے۔

۹۔ بانڈ وغیرہ کا نفع یا سود بھی حرام ہے۔

۱۰۔ بیع فاسد بھی سود کی ایک قسم ہے، اس لئے نتیجہ کے اعتبار سے بیع باطل اور فاسد دونوں حرام ہیں۔

۱۱۔ مشتری کے اوپر یہ ضروری نہیں ہے، کہ وہ بائع سے جو چیز خرید رہا ہے، اس سے یہ دریافت کرے کہ تم نے یہ چیز حرام ذریعہ سے کمائی ہے، یا حلال ذریعہ سے حاصل کی ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ وہ عموماً ایسی چیزیں بیچتا ہے جو چوری کی ہوتی ہیں، یا دھوکہ فریب وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہیں، تو پھر احتیاطاً دریافت کر لینا چاہیئے اور اس کی خریداری سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیئے، مگر ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔

۱۲۔ اگر کسی کو ایسا مال وراثت میں یا ہدیہ میں ملے جس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ حرام طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے، یا فلاں کا حق دبا کر لیا گیا ہے، تو یہ مال جس کا ہے اس کو واپس کر دینا چاہیئے، اور اگر وہ نہ ملے تو پھر صدقہ کر دینا چاہیئے، مثلاً کسی کے باپ نے کسی کی زمین دبالی ہے، یا اس نے رشوت سے یا چوری کے ذریعہ سے مال کمایا ہے اور وہ مال یا زمین آپ کو وراثت میں ملتی ہے تو آپ کو چاہیئے اگر حقدار مل جائے تو فوراً اسے اس کا حق واپس کر دیں اگر نہ ملے تو صدقہ کر دیں اگر مورث نے سود، جوا، زنا، گانے، بجانے یا کسی حرام ذریعہ سے یہ روپیہ حاصل کیا ہے تو بہتر یہی ہے کہ اس روپے کو وہ اپنے اوپر صرف نہ کرے، بلکہ صدقہ کر دے، لیکن اگر استعمال کر لے تو حکومت اس کو کوئی سزا نہ دے مگر دیانتہً وہ گنہ گار ضرور ہو گا، حکومت سزا اس لئے نہیں دے گی کہ حرام طریقہ سے روپیہ کمانے کا جرم اس نے خود نہیں کیا ہے، اور دیانتہً اس لئے وہ گنہ گار ہو گا کہ حرام چیز اس نے رغبت سے کھائی، خواہ وہ دوسرے ہی کی پیدا کردہ کیوں نہ ہو، البتہ اگر وہ بالکل معذور ہے یا بہت زیادہ تنگدست ہے تو بقدر کفاف کھانے میں گناہ نہیں ہو گا۔

۱۳۔ ناپاکی بھی عیب میں داخل ہے، یعنی اگر کسی نے ناپاک چیز بیچ دی اور مشتری کو علم ہو تو وہ اس کو واپس کر سکتا ہے۔

۱۴۔ تیل یا گھی وغیرہ ناپاک ہو جائے تو اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اگر وہ کھانے کے کام میں نہیں آئے گا تو دوسرے کام میں آجائے گا، مگر خریدار کو بتا دینا ضروری ہے، تاکہ وہ اسے کھانے میں استعمال نہ کرے۔

۱۵۔ عورت کا دودھ بیچنا ناجائز ہے۔

۱۶۔ اگر کسی نے کوئی جانور اس شرط پر دیا، کہ کھلانے پلانے اور چرانے کے بعد جب بچے ہوں گے تو دونوں بانٹ لیں گے۔ اسے دیہات میں ادھیا کہتے ہیں، یہ ناجائز ہے، جو بچے ہوں گے وہ مالک کے ہوں گے، چرانے والے کو کھلانے پلانے اور چرواہی کی اُجرت ملے گی۔

اسی طرح کسی نے کہا کہ ہماری زمین میں درخت لگاؤ پھل اور درخت یا صرف درخت یا پھل میں دونوں آدھا آدھا لیں گے، تو یہ بھی ناجائز ہے، لگانے والے کو صرف پودے کی اور محنت کی اُجرت ملے گی، درخت اور پھل میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

لیکن اگر اس نے لگے ہوئے باغ کے بارے میں کہا کہ اس باغ کے پھل کی نگرانی کرو جو پھل ہوگا وہ دونوں لے لیں گے تو یہ جائز ہے، اس کا بیان مزارعت میں آئے گا۔

۱۷۔ جو کھلونے کسی جاندار کی صورت میں بنائے جاتے ہیں، ان کا بنانا بیچنا خریدنا سب حرام ہے، اگر یہ چیزیں کوئی توڑ دے تو اس سے کوئی تاوان نہیں لیا جا سکتا، دوسرے غیر جاندار کھلونوں کا بنانا، بیچنا، خریدنا جائز ہے۔

۱۸۔ شوق و تفریح کے لئے کتا پالنا حرام ہے، البتہ اگر کھیتی، مکان، یا جانور کی حفاظت یا شکار کے لئے پالا جائے، تو جائز ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے، مگر حتی الامکان گھر کے اندر نہ جانے دینا چاہیئے، امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کی خرید و فروخت کی اجازت اس لئے دیتے ہیں کہ جب شریعت نے ضرورت کے وقت اس کے پالنے کی اجازت دی ہے، تو پھر اس کی خرید و فروخت نہ ہوگی، تو یہ مقصد کیسے پورا ہو سکتا ہے، مگر دوسرے ائمہ اُس حدیث کی روشنی میں اس کی خرید و فروخت کو فاسد کہتے ہیں، جس میں آپ نے کتے کی قیمت کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

۱۹۔ اگر خریدار نے مال خریدنے کے بعد واپس کیا تو اگر وہ ایسی چیز ہے جس کی واپسی میں مزدوری

خرچ ہوگی۔ تو یہ مزدوری خریدار کے ذمہ ہوگی۔

۲۰۔ اگر کسی نے مرغ خریدا جو ناوقت بولتا ہے، یا کوئی جانور خریدا اور پاخانہ کھاتا ہے تو یہ بھی عیب ہے، وہ واپس کر سکتا ہے۔

۲۱۔ اگر جانور دو تین دفعہ بھاگ جائے تو عیب نہیں ہے، لیکن اگر برابر بھاگتا رہے تو عیب ہے، مشتری واپس کر سکتا ہے۔

۲۲۔ اگر کوئی ایسا مکان خریدا جسے لوگ منحوس کہتے ہیں، تو گو اسلام میں نحوست وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لیکن چونکہ اس شہرت کی وجہ سے اس میں کوئی کرایہ دار نہیں آئے گا، یا اس کو بیچنا چاہے تو قیمت گھٹ جائے گی، اس لئے وہ واپس کر سکتا ہے۔

۲۳۔ آج کل جو یہ طریقہ رائج ہے کہ بعض صنعتی و تجارتی اداروں کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے، کہ جو اتنے ٹکٹ فروخت کر دے اس کو ادارہ فلاں چیز بطور انعام دے گا، اس طریقہ سے جو چیز حاصل کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے، اس کے ناجائز ہونے کی بہت سی وجہیں ہیں، ایک تو اس میں یہ شرط چھپی ہوتی ہے، کہ اتنے ٹکٹ نہ بکے تو روپیہ ضبط ہو جائے گا، گویا کہ اس کی منفعت بخت واتفاق پر مبنی ہے، اور یہ جوا ہے، اسی طرح اس میں یہ شرط لگانا کہ تم اتنے ٹکٹ بیچ کر دوسرے خریدار پیدا کر دو تو یہ شرط فاسد ہے، اور شرط فاسد کا حکم سود کا ہے۔

۲۴۔ مال جب تک مشتری کو نہ مل جائے اس وقت تک مال کا جو نقصان ریل، جہاز یا راستہ میں ہوگا اس کی ذمہ داری بائع پر ہوگی مگر جب مال اس مقام پر جہاں مشتری نے منگایا ہے، یا اس مقام کے اسٹیشن پر پہنچ گیا، اور اس کی اطلاع مشتری کو ہوگئی، تو اگر اس نے جتنا مال منگایا تھا وہ پورا تھا، تو اب بائع کی ذمہ داری ختم ہوگئی، یعنی اگر اسٹیشن پر اس کے پا جانے اور دیکھ لینے کے بعد چوری ہو جائے یا ٹوٹ جائے یا اسٹیشن سے دکان تک لانے میں نقصان ہو جائے تو بائع پر اس کی ذمہ داری نہیں ہوگی، بلکہ اس کا نقصان مشتری کو برداشت کرنا ہوگا، کیونکہ جب اس نے اپنا مال دیکھ لیا تو اب مال اس کے قبضے میں آگیا، اور قبضے میں آنے کے بعد بائع کی ذمہ داری ختم ہوگئی، اب بائع اور مشتری دونوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے مال کے نقصان ہونے کا تاوان ریلوے

سے وصول کریں۔

احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی

ہر زمانہ میں کچھ ایسے خود غرض لوگ موجود رہے ہیں، جو دوسروں کی تکلیفوں اور زحمتوں کا خیال کئے بغیر اپنے فائدے کے لئے ضروری چیزوں کا ذخیرہ کر لیتے ہیں، اور پھر جب بازار میں اس چیز کی کمی ہوتی ہے اور اس کی مانگ زیادہ ہوتی ہے تو پھر وہ من مانے دام پر اسے بیچتے ہیں، اس کو شریعت میں احتکار کہتے ہیں۔

جب تک آمد و رفت اور سامان کے حمل و نقل اور دوسری جگہوں کی چیز منگانے کے ذرائع و وسائل وسیع نہ تھے تو اس وقت بھی خود غرض تاجروں کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے گرانی ہوتی تھی اور عام انسانوں کو اس سے تکلیف اٹھانی پڑتی تھی، مگر ایک محدود حلقہ میں اس کا اثر ہوتا تھا، لیکن جب سے آمد و رفت کی آسانی، حمل و نقل کی سہولت، تار، ٹیلیفون، وائرلیس، ریڈیو کی ایجاد ہوگئی ہے، اس وقت اگر چند خود غرض تاجر جب ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں تو پورے ملک کو تکلیف میں بتلا کر دیتے ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہندوستان میں دو سال ۱۹۷۲ء–۱۹۷۴ء کے اندر غلہ کا بھاؤ اسی لئے ۲۵ —— ۳۰ روپے من سے بڑھ کر ۶۰، ۶۵ روپے من ہوگیا[1] کہ بڑے بڑے تاجروں نے یہ اندازہ کیا کہ ہندوستان میں سیلاب اور دوسری ارضی و سماوی آفتوں کی وجہ سے غلہ کی پیداوار گھٹ گئی ہے اور حکومت نے باہر سے بھی غلہ کم منگایا ہے، اس لئے انھوں نے غلہ کا اسٹاک کرنا شروع کر دیا، اور گرانی بڑھنے لگی یہاں تک کہ جب حکومت نے اپنا تمام ذخیرہ کیا ہوا غلہ باہر نکالا اور سخت کنٹرول کیا تو پھر غلہ کے بھاؤ میں کچھ اعتدال پیدا ہوا مگر اس کے باوجود ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کس وقت کون سامان بازار سے غائب ہو جائے اور گرانی کا دورہ پڑنے لگے، اسی طرح دوسری اشیاء کی گرانی بھی اس احتکار کا نتیجہ ہے۔

موجودہ قانون میں ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی کو پسند نہیں کیا گیا ہے، لیکن اس پر کوئی پابندی

---

[1] یہ کتاب ۱۹۵۵ء میں لکھی گئی تھی اس وقت گیہوں کا بھاؤ ۱۲-۱۴ روپے من تھا اور یک بیک بڑھ کر بیس بائیس روپے من ہوگیا تھا۔ اس کے بعد حکومت کی سختی کی وجہ سے کچھ اعتدال آیا۔

بھی نہیں لگائی گئی ہے، لیکن اسلامی شریعت نے ذخیرہ اندوزی کو انتہائی ناپسند کیا ہے اور اس پر پابندی بھی عائد کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں سخت الفاظ فرمائے ہیں، آپ نے فرمایا ذخیرہ اندوز ملعون ہے، آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص بھاؤ میں گرانی پیدا کرنے کا سبب ہو، وہ ایک مہیب آگ میں ڈالا جائے گا، ان ہی ارشادات نبوی کی بنا پر چاروں امام اس کی اہمیت پر متفق ہیں،

وَاتَّفَقُوْا عَلٰی کَرَاھَۃِ الْاِحْتِکَارِ — ذخیرہ اندوزی کے ناجائز ہونے پر سب متفق ہیں

البتہ امام ابو حنیفہؒ یہ کہتے ہیں، کہ اگر کسی چھوٹی بستی یا شہر میں احتکار کیا جائے، تو اس کا اثر چونکہ پوری بستی پر پڑے گا، اس لئے یہ ناجائز ہے لیکن اگر کسی بڑی جگہ پر دو ایک تاجروں نے ایسا کیا تو چونکہ اس میں عام ضرر کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں ہے، مگر دوسرے ائمہ اس کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں، خواہ بڑی جگہ ہو یا چھوٹی، امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھاؤ بڑھانے کا سبب ہو اس کو بازار میں اپنا مال بیچنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، امام صاحب نے چھوٹی جگہ کی قید صرف اس لئے لگائی ہے کہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے، اور بڑی جگہ میں یہ اندیشہ نہیں ہے امام صاحب کے زمانہ میں رسل و رسائل اتنے وسیع نہیں تھے اس لئے انھوں نے مضرت کو ایک بستی پر محدود کر دیا، لیکن موجودہ دور میں اب ساری دنیا ایک محلہ بن گئی ہے، اور ایک ملک کی گرانی و ارزانی کا اثر دوسرے ملک پر اسی طرح پڑتا ہے، جس طرح پہلے زمانہ میں ایک محلہ کا اثر دوسرے محلہ پر پڑتا تھا، یا ایک بستی کا دوسری بستی پر، مثال کے لئے امریکہ میں اگر روئی گراں ہوتی ہے تو اس کا اثر فوراً مصر اور پاکستان کی روئی کی منڈی پر پڑتا ہے، چنانچہ روزانہ اخبارات میں اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں، اس لئے امام صاحب نے مضرت کی جو قید لگائی ہے اس کے تحت پوری دنیا کو اس کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے، یعنی چھوٹی بڑی جس جگہ بھی ذخیرہ اندوزی کی جائے گی وہ ضرر پہنچائے گی اس لئے اس کو ممنوع قرار دیا جائے گا، البتہ اگر ذخیرہ اندوزی سے کوئی مضرت نہ ہو تو پھر یہ ممنوع نہیں ہے، امام ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

فَاِنَّ الْمُحْتَکِرَ الَّذِیْ یَعْمِدُ اِلٰی شِرَاءِ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْہِ النَّاسُ مِنَ — جو ذخیرہ اندوز ضرورت کی چیزیں خرید کر ان کا اسٹاک کرتا ہے اور اس کا ارادہ یہ

الطَّعَامِ فَيَحْبِسُهُ عَنْهُمْ وَيُرِيْدُ إِغْلَاءَهٗ	ہوتا ہے کہ ان کو گراں بیچ کر فائدہ اٹھائے
وَهُوَ ظَالِمٌ لِعُمُوْمِ النَّاسِ وَحِيْنَئِذٍ	تو عوام کے لئے وہ ظالم ہے، اس لئے حکومت
لِوَلِي الْأَمْرِ أَنْ يُكْرِهَ الْمُحْتَكِرِيْنَ عَلٰى	کو چاہئے کہ اس کو زبردستی مجبور کردے کہ اس
بَيْعِ مَا عِنْدَهُمْ بِقِيْمَةِ الْمِثْلِ عِنْدَ	مال کی جو مناسب قیمت ہو اس پر فروخت
ضَرُوْرَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ	کرے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان ہی وجوہ کی بنا پر بازار کی خود نگرانی کرتے تھے اور عجمی تاجروں کو بازار میں اپنا غلہ فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، غالباً اس کی دو وجہ تھی ایک یہ کہ وہ ان باتوں کا خیال نہ کریں گے، جو اسلامی تجارت کا جزو ہیں، دوسرے ان کی ذہنیت کا اثر دوسروں پر بھی پڑے گا۔

ہدایت اپنی پیداوار کو اپنی ضرورت کے لئے روک رکھنا احتکار نہیں ہے بلکہ اس نیت سے روکنا کہ جب گرانی ہوگی تو بیچوں گا یا بازار میں قلت ہے اور مزید گرانی کے انتظار میں اپنی چیز روکے ہوئے ہے تو یہ احتکار ہے اور یہ ناجائز ہے، حکومت اس کو بازار بھاؤ یعنی اپنے مقررہ بھاؤ پر بیچنے پر مجبور کرسکتی ہے۔ (رد المحتار)

تسعیر یعنی بھاؤ مقرر کرنا اسلامی شریعت نے عام حالات میں کسی چیز کا بھاؤ مقرر کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، نہ اشخاص کو نہ حکومت کو بلکہ متفقہ طور پر تمام ائمہ نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اور ائمہ کا یہ فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ کے مطابق ہے، جو آپؐ نے گرانی کے زمانہ میں اختیار فرمایا تھا، ایک بار مدینہ کے بازار میں غلہ بہت گراں ہوگیا تو صحابہؓ نے آپؐ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ غلہ کا بھاؤ مقرر فرما دیجئے تو آپؐ نے فرمایا بھاؤ مقرر کرنے کا حق صرف خدا کو ہے، وہی تنگی و فراخی اور رزق دینے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ خدا کے سامنے اس حال میں پیش کیا جاؤں کہ میرے دامن پر کسی کی جان و مال کے ظلم کا دھبہ نہ ہو، مقصد یہ ہے کہ بھاؤ مقرر کرنا گرانی کو روکنے کا غیر فطری طریقہ ہے، اس کا سب سے بہتر اور فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کی ذہنیت ایسی بنائی جائے کہ وہ اپنے فائدے کے لئے دوسروں پر ظلم نہ کریں لیکن اس کے باوجود اگر گرانی بڑھتی ہی جائے اور لوگوں کے فاقہ کی نوبت آجائے تو اگر یہ گرانی تاجروں کی خود غرضی کی

وجہ سے ہو تو پھر بھاؤ مقرر کر کے تمام تاجروں کو پابند کیا جائے گا کہ وہ اس قیمت پر اپنا مال فروخت کریں، یا پھر بازار چھوڑ دیں مگر جوں ہی یہ اضطراری حالت دور ہو جائے گی یہ قیمت کی تعیین ختم ہو جائے گی۔

ہدایت یہاں اس فرق کو ذہن میں رکھنا چاہیئے، کہ قیمت کی تعیین کی جو اجازت فقہا نے دی ہے وہ اس وقت جب اس سے عوام کو سخت تکلیف ہو رہی ہو اور لوگوں کے فقر و فاقہ کی نوبت آگئی ہو، موجودہ دور میں ایک منصوبہ کے ماتحت خاص طور پر کمیونسٹ ملکوں میں قیمت متعین کر دی جاتی ہے، اور حکومت خود تاجر بن کر اسی کے ماتحت چیزیں فروخت کرتی ہے، اسلامی شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے، یہ اجازت محض ایک ہنگامی اصلاح کے لئے دی گئی ہے[1]۔

مُضاربت

"مضاربت" یعنی ایک کا روپیہ، دوسرے کی محنت دنیا میں سب لوگ برابر نہیں ہوتے اور نہ آئندہ کبھی برابر ہوں گے، فطری صلاحیتوں میں کمی اور زیادتی کے ساتھ ذرائع معاش کے لحاظ سے بھی سب لوگ یکساں نہیں ہوتے، کتنے لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس پیسہ تو ہوتا ہے، مگر ان میں محنت کر کے روزی کمانے کی صلاحیت کم ہوتی ہے، یا وہ دوسرے اہم کاموں کی وجہ سے اس کا موقع نہیں پاتے کہ اپنا پیسہ کسی کام میں لگائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں، اس بنا پر اسلامی شریعت نے انفرادی کاروبار جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کے علاوہ دوسرے ذرائع بھی انسان کے لئے مہیا کئے ہیں کہ ایک غریب آدمی جس کے پاس پیسہ نہ ہو وہ گھر بار چھوڑ کر کسی مل مالک یا کسی کارخانہ دار کا دروازہ کھٹکھٹانے پر ہی مجبور نہ ہو، بلکہ وہ آزاد رہ کر بھی اپنی روزی کا سامان مہیا کر سکے، اسی لئے اسلام نے اس بات کی اجازت اور ترغیب دی ہے کہ لوگ اپنا پیسہ غریبوں کو دے کر ان سے محنت

---

[1] امام ابن قیم نے الطرق الحکمیہ میں تسعیر پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

مزدوری کرائیں اور وہ بھی فائدہ اٹھائیں اور یہ بھی، اور اسی طریقہ کا نام مضاربت اور شرکت وغیرہ ہے۔

پہلے زمانہ میں ساہوکار انفرادی طور پر جو سودی کاروبار کرتے تھے موجودہ دور میں بینکنگ سسٹم نے اس کی جگہ لے لی ہے یعنی جس طرح ساہوکار سود پر لوگوں کو کاروبار اور دوسری ضروریات کے لئے قرض دیتے تھے اب وہی کام بینک انجام دیتے ہیں مگر قرض لینے پر سود کا بار اتنا پڑتا ہے کہ وہ اگر صحیح طور پر کاروبار کرلے تو اس کا کاروبار فیل ہو جائے اس لئے کاروباری وہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ وہ بینک کا سود بھی ادا کر سکے اور اپنا گھر بھی بھر سکے۔ ملک کا پورا کاروباری طبقہ اسی انداز پر کام کرتا ہے اور ساری کاروباری مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے، اگر اس کے بجائے مضاربت کی بنیاد پر بینک قائم کئے جائیں تو سارے مصائب دور ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے مضامین قابلِ مطالعہ ہیں۔

مضاربت کے معنی مضاربت کا لفظ ضرب سے نکلا ہے۔ ضرب کے معنی مارنے اور اگر صلہ کے ساتھ آئے تو چلنے پھرنے کے ہوتے ہیں اس کے ایک معنی رزق کے لئے زمین میں چلنے پھرنے اور دوڑ دھوپ کرنے کے ہیں۔ چونکہ اس میں ایک آدمی پیسہ دیتا ہے اور دوسرا آدمی اپنی محنت اور دوڑ دھوپ سے مزید پیسہ پیدا کرنے اور فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اس معاملہ کو مضاربت کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔	زمین میں دوڑ دھوپ کرکے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کا روپیہ لے کر اسی طریقہ سے تجارت کی تھی، اور عام صحابہ لوگوں سے روپیہ لے کر یا دوسروں کو روپیہ دے کر خود فائدہ حاصل کرتے اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ (ہدایہ)

بعض ضروری اصطلاحیں روپے دینے والے کو ربُّ المال اور محنت کرنے والے کو مضارب کہتے ہیں اور جو روپیہ کام کے لئے دیا جاتا اسے رأس المال کہتے ہیں کسی زمانہ میں مسلمان اس طریقہ پر بڑی سے بڑی تجارت کرتے تھے، اور ان کا کاروبار پوری

دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔

مضاربت کی تعریف

تجارت کی طرح مضاربت بھی دو آدمیوں کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے، جس میں ایک شخص اپنا روپیہ دیتا ہے اور دوسرا محنت کرنے کا اقرار کرتا ہے، اور پھر یہ دونوں معاہدہ کرتے ہیں، کہ ایک کے روپیہ اور دوسرے کی محنت سے، اس میں جو کچھ فائدہ ہوگا اس میں آدھا ½ یا ¼ چوتھائی سرمایہ لگانے والا پائے گا اور ¾ یعنی تین تہائی یا آدھا ½ محنت کرنے والے کو ملے گا۔

مضاربت کی قسمیں

مضاربت دو قسم کی ہوتی ہے ایک مقید دوسرے مُطلق، مقید اس مضاربت کو کہتے ہیں، جس میں روپے دینے والا کسی خاص جگہ کی یا کسی خاص مدت کی یا کسی خاص کاروبار کی قید لگادے، یعنی وہ یہ کہہ دے کہ اس روپے سے تم صرف لکھنؤ یا لاہور ہی میں کام کرسکتے ہو، دوسری جگہ نہیں، یا یہ کہدے کہ صرف ایک سال کے لئے میں مضاربت پر روپیہ دے رہا ہوں یا یہ کہدے کہ یہ روپے صرف بساتے یا کپڑے ہی کے کام میں لگائے جائیں دوسرا کام نہ کیا جائے، اور مطلق مضاربت وہ ہے جس میں ان میں سے کوئی قید نہ لگی ہو، بلکہ مضارب یعنی محنت کرنے والے کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہو۔

معاہدہ توڑنے کا اختیار

اگر مضاربت کا معاہدہ طے ہوگیا اور مضارب نے اپنا کام ابھی شروع نہیں کیا تو تمام ائمہ متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک کو اس معاہدہ کے توڑنے کا اختیار ہے، لیکن اگر اس نے کام شروع کردیا ہے تو پھر معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار ہے، یا نہیں، اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اب کسی کو معاہدہ فسخ کرنے کا حق نہیں ہے، اگر مُضارب یعنی محنت کرنے والا مر بھی جائے تو اس کے لڑکوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اس روپے سے کام کریں اور فائدہ اٹھائیں اور جی چاہے تو فسخ کردیں، کیونکہ کام شروع کرنے کے بعد معاملہ کو فسخ کردینے میں مُضارب کو تکلیف ہوگی، اور اس کی محنت اور وقت ضائع ہوگا مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں، کہ ان دونوں کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ جب چاہیں وہ معاملہ فسخ کردیں، معاملہ کے ختم ہوجانے کی صورت میں مضارب نے جتنا کام کیا ہے

دستور کے مطابق اس کو اتنی اُجرت ملے گی، دستور کے مطابق کا مطلب ہے کہ عام طور پر اتنے کام کی جتنی اجرت ملتی ہے وہ ملے گی، ان دونوں اماموں کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کی موت سے بھی یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا مگر فسخ کی اطلاع دینی ضروری ہے، اسی طرح وقت کی تعیین کی صورت میں اس مدت کے ختم ہوتے ہی دونوں میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کر دینے کا اختیار ہے۔

مضاربت کے صحیح ہونے کی شرطیں مُضاربت کے صحیح ہونے کے لئے ان باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ روپیہ لگانے والے اور روپیہ لینے والے دونوں کا عاقل ہونا ضروری ہے، بالغ ہونا نہیں، عاقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں معاملات اور ان کے نفع و نقصان کو سمجھتے ہوں۔

۲۔ جو کچھ رقم مضاربت کے لئے مقرر کی جائے وہ فوراً مضارب یعنی محنت کرنے والے کے حوالے کر دی جائے، مثلاً رب المال نے مضارب سے کہا کہ پانچسو روپے ہم دیتے ہیں، اس میں تجارت یا کوئی اور کام کرو تو پانچسو روپے کام کرنے والے کے قبضہ میں دے دینا چاہیئے صرف وعدہ سے مضاربت نہیں ہوتی۔

۳۔ تیسرے یہ کہ جتنی رقم سے کام شروع کرنے کا ارادہ ہو وہ اسی وقت بتا دی جائے، اگر مجمل رکھا تو مضاربت صحیح نہ ہوگی، یعنی یہ واضح کر دیا جائے کہ سَو دو سَو، یا پانچ ہزار یا دس ہزار سے کام شروع ہوگا۔

۴۔ چوتھے یہ کہ یہ منافع طے ہو جانا چاہیئے، یعنی یہ کہ کتنا نفع سرمایہ لگانے والے کو ملے گا اور کتنا مضارب کو اگر رب المال نے صرف یہ کہا کہ ہم دونوں فائدہ میں شریک رہیں گے تو اس سے یہ سمجھا جائے کہ آدھا نفع رب المال کا اور نصف مضارب کا، اگر صرف یہ کہا کہ اچھا جو ہوگا اس میں مناسب طور پر تقسیم کر لیا جائے گا تو یہ مضاربت فاسد ہوگی، کیونکہ اس میں اختلاف کا خدشہ ہے، بلکہ حصہ کے اعتبار سے منافعہ کی تقسیم طے ہو جانی چاہیئے۔

۵۔ دونوں تحریری طور پر معاملہ کے شرائط لکھ کر اپنے اپنے پاس رکھ لیں تو بہتر ہے تاکہ بعد میں اختلاف نہ ہو اگر بغیر تحریر کے بھی اطمینان کی کوئی صورت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۶۔ مطلق مضاربت میں دونوں یہ بھی طے کرلیں کہ کتنے دِنوں کے بعد حساب کتاب کرکے منافع تقسیم ہوگا ایک سال دو سال یا دو ماہ ایک ماہ بعد۔

کن چیزوں سے مضاربت فاسد ہوجاتی ہے

(۱) اگر رب المال یا مضارب نے یہ شرط لگائی کہ نفع میں سو یا دو سو یا ہزار دو ہزار میرے ہوں گے باقی جو کچھ بچے گا وہ تمہارا ہوگا، یا یہ طے کیا کہ سو یا دو سو روپے پہلے میں لوں گا باقی جو بچے گا اس میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے تو ان دونوں صورتوں میں مضاربت فاسد ہوگی، غرض یہ کہ کوئی فریق نفع کی کوئی رقم اپنے لئے متعین ومخصوص نہ کرے، بلکہ یوں طے کرلینا چاہیئے کہ آدھا آدھا نفع دونوں کا ہوگا یا رب المال کو $\frac{1}{3}$ ملے گا اور مضارب کو $\frac{2}{3}$ یا $\frac{1}{3}$ ملے گا اور $\frac{2}{3}$ رب المال کو۔

ضروری ہدایت

اس قید کے لگا دینے سے کہ مضارب یا مالک فائدہ کا کوئی حصہ اپنے لئے مخصوص نہ کریں، ان کارخانہ داروں کا کاروبار ناجائز ہوگا جو دوسروں کا روپیہ لے کر مضاربت کے طور پر کوئی کارخانہ قائم کرتے ہیں اور اپنے لئے حق محنت کے طور پر انتظامی دیکھ بھال کے نام سے کچھ منافع خاص کرلیتے ہیں پھر بقیہ منافع اپنے اور حصہ داروں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں، اگر مضارب کارخانہ دار نے کوئی باتنخواہ مینیجر یا کلرک رکھا تو اس کی تنخواہ وہ نفع سے لے سکتا ہے یہ تو اس صورت کا حکم ہے جب کارخانہ دار نے اپنا روپیہ نہ لگایا ہو، اگر اس نے اپنا روپیہ بھی اس میں لگایا ہے، تو یہ مضاربت نہیں شراکت ہوگی، اس کا بیان آگے آتا ہے۔

۲۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف روپے پیسے میں مضاربت صحیح سمجھتے ہیں، مگر امام مالک رح کے نزدیک سامان میں بھی مضاربت صحیح ہے، یعنی کسی نے سامان دیا اور یہ کہا کہ اس کو بیچو جو فائدہ ہوگا ہم لوگ نصف نصف بانٹ لیں گے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو صحیح نہیں سمجھتے، مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صحیح سمجھتے ہیں، لیکن اگر یہ کہا کہ اس سامان کو بیچ کر جو روپیہ ہو اس سے مضاربت کرو تو اس صورت میں امام صاحب کے یہاں بھی مضاربت جائز ہوجائے گی، مقصود یہ ہے کہ سامان دینے کی صورت میں اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے، اس لئے امام صاحب کے یہاں ناجائز ہے، اگر اختلاف کی گنجائش نہیں ہے تو پھر ان کے نزدیک بھی جائز ہے جیسا کہ امام مالک نے فرمایا ہے۔

۳۔ رب المال نے روپیہ نقد نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ ہمارا اتنا روپیہ فلاں کے پاس ہے، اس سے وصول کرکے کاروبار کرو، نفع میں دونوں شریک ہوں گے تو یہ مضاربت صحیح ہوگی، لیکن اگر یہ کہا کہ تمہارے ذمہ جو روپیہ ہے اس سے تجارت کرو تو یہ جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ قرض سے فائدہ اٹھانا ہوا اور قرض سے فائدہ اُٹھانا ناجائز ہے، اسی طرح اگر مضارب نے پورا روپیہ وصول کرنے سے پہلے ہی کام شروع کردیا تو یہ بھی ناجائز ہے۔

(۴) مُضاربت میں روپیہ لگانے والا روپیہ لگاکر علیحدہ ہوجائے گا، کام میں اس کی شرکت کی شرط صحیح نہیں ہے، یعنی اگر اس نے مضارب سے کہا کہ میں خود یا میرا کوئی آدمی تمہارے ساتھ کام میں شریک کار رہے گا تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی مداخلت سے کام میں خرابی آئے گی اور بلاوجہ ایک آدمی کے حق محنت کا بار اس پر پڑے گا اگر مضارب خود چاہے تو کسی کو رکھ سکتا ہے۔

رب المال اور مضارب کے حقوق و اختیارات

جس نے سرمایہ لگایا ہے یعنی رب المال اور جو محنت کر رہا ہے یعنی مضارب دونوں کے کچھ حقوق و اختیارات ہیں، ان کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔

رب المال یعنی سرمایہ لگانے والے کے حقوق و اختیارات

(۱) سرمایہ لگانے والے کو یہ حق ہے کہ وہ یہ شرط لگائے کہ فلاں کاروبار میں روپیہ لگایا جائے، اگر مضارب اس کے خلاف کرے گا، اور اس میں نقصان ہوگا، تو اس کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی۔

۲۔ وہ یہ شرط بھی لگا سکتا ہے کہ فلاں جگہ پر کاروبار کیا جائے، یعنی، لکھنؤ میں، دلی میں، بمبئی میں، یا جہاں کا وہ باشندہ ہے۔

۳۔ وہ یہ بھی شرط لگا سکتا ہے کہ فلاں وقت تک کے لئے کاروبار کرنے کے لئے روپیہ دیتا ہوں، مثلاً چھ مہینے یا ایک ماہ یا ایک سال۔

۴۔ اگر مضارب نے اصل سرمایہ میں سے کچھ خرچ کردیا ہے، تو جو کچھ نفع ہوگا اس میں اصل سرمایہ کی رقم نکال کر پھر بقیہ نفع تقسیم ہوگا۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ دیا مضارب نے اس

میں سے سو روپے کھانے پینے یا کاروبار کے انتظام میں خرچ کر دیئے، اور پھر ایک سال یا چھ مہینہ میں دو سو روپے کمائے، تو ایک سو روپیہ تو اصل سرمایہ میں سے نکل جائے گا اور بقیہ رقم ایک سو روپے اصل نفع سمجھی جائے گی اور دونوں کے درمیان معاہدہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔

۵۔ سرمایہ کی تقسیم کے وقت مالک اور مضارب دونوں کا رہنا ضروری ہے۔

۶۔ اگر رب المال یہ شرط لگادے کہ خسارہ دونوں میں مشترک رہے گا، تو یہ مضاربت فاسد ہوگی، اس کو اس کا حق نہیں ہے۔

مُضارب کے حقوق واختیارات

(۱) مضارب نے جو سرمایہ لیا ہے اس کا وہ امین بھی ہے اور وکیل یعنی نمایندہ بھی، امین اس حیثیت سے کہ جس طرح ایک امین امانت کی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح اس کو اس سرمایہ کی حفاظت کرنی چاہیئے، لیکن اگر اتفاق سے اس سرمایہ میں کوئی نقصان آجائے، یا وہ ضائع ہو جائے تو اس کے اوپر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، یعنی اس کا تاوان اس سے نہیں لیا جاسکتا، لیکن اگر یہ ثبوت مل جائے کہ اس نے قصداً مال کو ضائع کیا ہے، تو اس پر ذمہ داری ہوگی، اگر اس نے سرمایہ لگانے والے کے شرائط کے خلاف کام کیا ہے اور گھاٹا ہوا ہے تو بھی اس پر ذمہ داری ہوگی۔

۲۔ یہ تو اس کی امین ہونے کی حیثیت تھی وکیل ہونے کی حیثیت سے اس کو پورا اختیار ہے کہ وہ طے شدہ شرائط کے تحت جو کاروبار چاہے اور جس طرح چاہے کرے، البتہ اگر اس نے کسی مخصوص کاروبار کی شرط لگادی ہے، یا کسی خاص جگہ پر کاروبار کرنے کا اختیار دیا ہے، تو پھر اس سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ مثلاً اس نے کہہ دیا کہ لکھنؤ میں رہ کر آپ کپڑا خریدیئے اور بیچئے — تو اب مضارب کے اوپر اس کی پابندی ضروری ہوگی۔

۳۔ اگر سرمایہ لگانے والے نے روپیہ دے کر کسی خاص اور محدود کاروبار کی قید نہیں لگائی ہے، تو اس کو نقد یا ادھار مال خریدنے بیچنے، کسی اور کو اپنی مدد کے لئے تنخواہ یا روزانہ اُجرت پر رکھ لینے کا بھی حق ہے، اس میں مالک کوئی مداخلت نہیں کر سکتا، مثلاً کسی نے کہا کہ میں یہ روپے دیتا ہوں، اس کو لیجائیے اپنی صوابدید سے جہاں جی چاہے اور جو جی چاہے کاروبار کیجئے تو اب

مضارب کو یہ حق ہوگا کہ جو کاروبار چاہے اور جہاں چاہے کرے، لیکن اگر اس نے خرید و فروخت میں غیر معمولی دھوکہ کھایا تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی۔ اسی طرح اجازت کی صورت میں اسے مضاربت کے مال کو قرض دینے یا ہبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا، اس کے لئے روپیہ لگانے والے کی اجازت کی ضرورت ہوگی، اگر اس نے اجازت کے بغیر مضاربت کا روپیہ قرض دے دیا اور وہ مارا گیا یا اس سے نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی۔

۴۔ اس کو کسی مال کے رہن رکھنے یا امانت رکھنے حوالہ کرنے یعنی رقم کی ادائیگی ایک جگہ کی بجائے دوسری جگہ کرنے کا اختیار ہوگا، یعنی اگر رہن رکھنے یا امانت رکھنے یا حوالہ کرنے میں کوئی نقصان ہوگا تو اس کا تاوان مضارب پر نہیں ہوگا۔ امانت اور حوالہ کا مفصل بیان آگے آتا ہے۔

۵۔ مضارب اگر اپنے وطن میں کاروبار کرے تو کھانا کپڑا، مضاربت کے مال سے نہیں لے سکتا، البتہ سواری کا خرچ اس صورت میں لے سکتا ہے جب بڑا شہر ہو، اور ایک حصے سے دوسرے حصے کے آنے جانے میں کچھ خرچ ہو یا اسٹیشن دور ہو، اور مال چھڑانا ہو، یا مال کو سواری پر لانا ہو، تو یہ سب خرچ اس کو ملے گا، اگر اس کو کہیں باہر جا کر کسی مال کے خریدنے یا بیچنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ کھانے پینے، سواری، کپڑے کی دھلائی کا خرچ لے سکتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ دوا کا خرچ بھی وہ لے سکتا ہے، کیونکہ دوا سے اس کی صحت برقرار رہے گی، اور صحت ہی پر کاروبار کا دارومدار ہے، اگر وہ کام تنہا نہ کرسکتا ہو تو اجرت پر کوئی دوسرا آدمی بھی رکھ سکتا ہے، لیکن اخراجات کے لینے میں اس کو اس کا لحاظ کرنا پڑے گا، کہ جس حیثیت کا وہ خود ہے، اس سے زیادہ خرچ نہ کرے، مثلاً وہ ذاتی سفر میں جتنا خرچ کرتا ہے، یا عموماً تاجر جتنا خرچ کرتے ہیں اتنا ہی لینے کا حق ہے، یہ نہیں ہوسکتا، کہ اپنا ذاتی سفر تو وہ تھرڈ کلاس میں کرے، اور مضارب کی حیثیت سے سفر کرے تو سکنڈ کلاس میں یا گھر پر اگر وہ دال روٹی کھاتا ہے تو سفر میں اس کو گوشت روٹی کھانے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے بلکہ اسی حیثیت کا کھانا کھانا چاہیئے جس حیثیت کا وہ عموماً کھاتا ہے[1]

---

[1] المجلہ صفحہ ۲۳۰

۶۔ مضاربت کے مال کو جو نقصان ہوگا وہ نفع سے محسوب ہوگا، مثلاً ایک ہزار روپیہ سے مال خریدا اور اس میں دو سو روپے کا نفع ہوا اور اسی اثنا میں ایک سو روپیہ کا مال چوری ہوگیا، یا کسی طرح کا نقصان ہوگیا، تو اب ایک سو روپیہ تو اصل سرمایہ میں لیا جائے گا، اور بقیہ ایک سو میں دونوں تقسیم کریں گے، اگر یہ نقصان فائدے سے زیادہ ہو تو پھر مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ وہ نقصان اب رب المال برداشت کرے گا، فرض کیجیے کہ اوپر والی صورت میں پانچسو روپیہ کا نقصان ہوگیا، تو نفع والے دو سو روپے تو اصل سرمایہ میں ملا دئے جائیں گے، اب اس کے بعد بھی ایک ہزار پورا نہ ہوتا ہو تو پھر مضارب سے اس کا تاوان نہیں لیا جا سکتا، بشرطیکہ اس کی غفلت سے ایسا نہ ہوا ہو، اگر اس نے غفلت برتی، اور نقصان ہوا تو وہ ذمہ دار ہوگا، یا اس نے مال کے خریدنے میں کوئی بڑا دھوکا کھایا تو اس کی ذمہ داری اس پر ہوگی، یعنی یہ خسارہ کسی اچانک حادثہ یا کاروبار کے اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے ہوا ہو، مثلاً ایک مال اس نے دس روپے من کے حساب سے خریدا اور عام بازار میں اس کا بھاؤ یہی تھا اور دوسرے دن یک بیک بھاؤ گر گیا تو اس صورت میں جو نقصان ہوگا اس کی ذمہ داری مضارب پر نہیں ہوگی، لیکن اگر عام طور پر اس چیز کا بھاؤ آٹھ روپے من تھا اور اس نے بے جانے بوجھے نو یا دس میں خرید لیا تو اس نقصان کا وہ ذمہ دار ہوگا یا اس نے اس مال کی حفاظت نہیں کی اور خراب ہوگیا تو اس صورت میں بھی وہ ذمہ دار ہوگا یا اس نے رب المال کی ہدایت کے خلاف عمل کیا اور نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری بھی مضارب پر ہوگی۔

ذمہ دار ہونے کا مطلب ذمہ دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تاوان مضارب کو دینا ہوگا خواہ وہ نفع سے دے یا اپنے گھر سے، تاوان کا اندازہ اس شعبہ کے افراد کریں گے جس میں یہ کاروبار ہو رہا ہے

۷۔ اسی طرح اخراجات وضع کر کے پھر نفع تقسیم کیا جائے گا، مثلاً ایک ہزار روپیہ اصل سرمایہ ہے جس میں اس نے دو سو روپے سفر میں اور دوسری کاروباری ضروریات میں خرچ کیا، اور اس کے بعد اس کو کل چار سو روپے فائدہ ہوا، تو دو سو روپے جو اس نے اصل سرمایہ سے خرچ کئے ہیں وہ وضع کر کے پھر دو سو روپے معاہدہ کے مطابق دونوں تقسیم کریں گے، مقصد یہ ہے کہ فائدے کی

صورت میں اصل سرمایہ محفوظ رکھا جائے گا، اور نقصان کی صورت میں مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں، بشرطیکہ اس نے غفلت نہ برتی ہو، یا معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کی ہو، یا اس نے غیر معمولی دھوکہ نہ کھایا ہو۔

۸ ۔ اگر یہ معاملہ کسی وجہ سے فسخ ہو جائے تو مضارب نے جتنا کام کیا ہے اُس کی اُجرت اُس کو ملے گی، لیکن یہ اُجرت اس منافع کی مقدار سے زیادہ نہ ہوگی جو کسی وجہ سے اس نے اب تک کمایا ہے یہ اس صورت میں ہے، جب کچھ فائدہ ہوا ہو، اگر فائدہ ہونے سے پہلے یہ معاملہ ختم ہو جائے تو اس کو کچھ بھی نہ ملے گا، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے سے کاروبار شروع کیا اور دو سو فائدہ ہوا کہ معاملہ فسخ ہو گیا تو اب اُس نے جتنا دن کام کیا ہے، جوڑ کر اُس کی اُجرت ملے گی، لیکن ابھی کوئی فائدہ نہیں ہوا، اور یہ معاملہ ختم ہو گیا تو مضارب کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور اگر فائدہ ہوا ہے مگر اتنا کم کہ اُس کی اُجرت اس فائدے سے زیادہ ہو جائے تو پھر اس کو نفع سے زیاہ اُجرت نہیں دی جائے گی۔

مضاربت کے تحت بینکنگ مضاربت کی شرائط پر روپیہ فراہم کر کے بینک قائم کئے جا سکتے ہیں اس کی مزید تفصیل امانت کے بیان میں آئے گی۔

شراکت

مضاربت کی طرح اسلامی شریعت نے کاروبار کی بعض اور صورتیں بھی پیدا کی ہیں، جن سے صنعتی و تجارتی کاروبار میں زیادہ سے زیادہ ترقی بھی ہو، اور جو لوگ کم پیسے یا بالکل پیسے نہ رکھتے ہوں وہ بھی آزادی اور اپنی عزت و آبرو کو باقی رکھتے ہوئے، اپنی روزی کا سامان کر سکیں، ان ہی میں ایک شراکتی کاروبار بھی ہے، شرکت کا کام تجارت و صنعت میں بھی ہو سکتا ہے، اور زراعت اور دوسرے پیشوں میں بھی اور علمی کاموں میں بھی، اس میں دو آدمی سے لے کر جتنے آدمی چاہیں شرکت کر سکتے ہیں، موجودہ دور میں شراکتی کاروبار کا بہت کافی رواج ہے، اور اس

کے ذریعہ بڑے سے بڑے تجارتی اور صنعتی کاروبار چل رہے ہیں، لیکن اس دور کی شرکت زیادہ پیسہ رکھنے والوں کی ترقی کا سبب ہوتی ہے، کم پیسہ لگانے والوں کو کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ ان کو سال بھر میں دس بیس روپے مل جاتے ہیں اور اس کا بیشتر نفع اس کے منتظموں، ڈائرکٹروں اور منیجروں کی جیب میں چلا جاتا ہے، یا ان کی جیب میں جاتا ہے جن کا زیادہ پیسہ کاروبار میں لگا ہوتا ہے، ہوتا یہ ہے کہ شراکتی کاروبار کرنے والے، لاکھوں آدمیوں کو حصّہ دار بناتے اور ان سے روپیہ حاصل کرتے ہیں، اس کے بعد اپنی تنخواہ مقرر کرتے ہیں، پھر کچھ رقم انتظامی امور کے لئے وضع کرتے ہیں کچھ کارخانہ کی عمارت اور مشینوں کی خریداری پر صرف کرتے ہیں، پھر جب کاروبار چل نکلتا ہے تو عام حصّہ داروں کو منافع میں وہ چند روپے ہاتھ لگتے ہیں جو ان تمام اخراجات اور مراحل کے بعد بچتے ہیں، اور جب کوئی حصہ دار فائدہ نہ دیکھ کر علیحدہ ہونا چاہتا ہے، تو اس کے ہاتھ میں وہی چند روپے آتے ہیں، جو اس نے بحیثیت حصہ دار کے دیئے تھے اس کے علاوہ اور کسی چیز کا وہ حق دار نہیں ہوتا بلکہ بعض کاروباری تو حصّے کے روپے بھی واپس نہیں کرتے بلکہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اپنا حصہ کسی کو بیچ دیجئے اس طرح سارے کاروبار پر آہستہ آہستہ وہ لوگ قابض ہو جاتے ہیں، جنھوں نے اس کو شروع کیا تھا۔

لیکن اسلامی شریعت نے شراکتی کاروبار کے لئے جو شرائط مقرر کئے ہیں، ان کو ملحوظ رکھا جائے، تو بڑے سے بڑا شراکتی کاروبار چلایا جا سکتا ہے سارے حصّہ دار اس سے متمتع بھی ہو سکتے ہیں، اور ملک کی صنعت و تجارت کو فروغ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے ذریعہ ہزاروں بے وسیلہ لوگوں کی روزی لگ سکتی ہے، ان شرائط کی وجہ سے وہ ساری بے انصافی، زیادتی اور بد دیانتی ختم ہو جائے گی، جو اس طرح کے کاروبار کا لازمہ بن گئی ہیں، اگر کوئی خود غرض بد دیانتی اور ناانصافی کرنا بھی چاہے گا، تو اخلاق اور شریعت دونوں کی نگاہ میں مجرم قرار پائے گا، حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب دو شریک مل کر کوئی کام کرتے ہیں، تو جب تک وہ آپس میں خیانت و بد دیانتی نہیں کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں، یعنی میں ان کی مدد کرتا رہتا ہوں، اور برکت دیتا ہوں، لیکن جب وہ بد دیانتی شروع کر دیتے

ہیں۔ تو پھر میں ان کی مدد کرنا چھوڑ دیتا ہوں"۔ (مشکوٰۃ)

شرکار کی حیثیت عموماً لوگ اشتراک محض مادی فائدہ اور خود غرضی ہی کے لئے کرتے ہیں، ان میں کوئی اخلاقی قدر مشترک نہیں ہوتی، اس لئے ہر شریک اپنی غرض اور مادی فائدہ پیش نظر رکھتا ہے، لیکن اسلامی شریعت نے مادی فائدہ کے ساتھ شرکار کی اصل حیثیت یہ قرار دی ہے کہ ان میں سے ہر ایک شراکت کے مال اور کاروبار کا امین بھی ہے اور وکیل بھی، امین اس حیثیت سے کہ جس طرح امانت کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح ہر شریک شراکت کے مال کی حفاظت کرے اور اگر غلطی سے کوئی نقصان ہو جائے، تو پھر اس پر تاوان نہ عائد کیا جائے، اور وکیل اس حیثیت سے کہ کوئی شریک اس مال کو، یا مشترکہ کاروبار کو اپنے فائدہ کے لئے نہ استعمال کرے، بلکہ منفعت میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھے، کسی کو یہ شکایت نہ ہو کہ فلاں نے سارا فائدہ سمیٹ لیا، اور بقیہ سب لوگ نقصان میں رہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضؓ نے ارشاد نبوی کی روشنی میں جب شرکت کا کوئی کاروبار کیا تو مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں تک سے ایسا انصاف کیا ہے، کہ وہ تاریخ میں یادگار رہ گیا ہے، خیبر کے یہودیوں سے طے تھا کہ وہ مسلمانوں کی زمین میں کاشت کریں، جو کچھ پیدا ہوگا اس میں نصف نصف دونوں فریق بانٹ لیں گے، چنانچہ عبداللہ بن رواحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ کی حیثیت سے غلہ کی وصولی کے لئے گئے تو انھوں نے محنت والوں سے کہا کہ یا تو تم لوگ خود بانٹ کر دے دو یا کہو تو میں بانٹ دوں انھوں نے ان ہی سے بانٹنے کو کہا، عبداللہ بن رواحہ نے پیداوار کے دو الگ الگ حصے کر دیئے اور کہا کہ ان میں سے جو چاہو لے لو، یہ انصاف دیکھ کر یہودی پکار اُٹھے،

وَبِہٖ قَامَتِ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ۔

(اسی انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں ورنہ قیامت آجاتی)

شرکت کی قسمیں شرکت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک شرکت املاک اور دوسری شرکت عقود۔

شرکت املاک شرکت املاک یعنی ملکیت کی شرکت یہ اس طرح ہوتی ہے، کہ چند آدمیوں کو

وراثت میں یا بطور ہبہ ایک جائید اد یا نقد روپیہ ملا، یا دو آدمیوں نے مل کر کوئی چیز خریدی، تو یہ تمام صورتیں شرکت املاک کی ہیں، یعنی اس چیز کی ملکیت میں دونوں شریک سمجھے جائیں گے۔

شرکت املاک کا حکم شرکت املاک کا حکم یہ ہے کہ جتنے لوگ شریک ہوں، ان میں سے کسی شریک کو اس مشترک جائداد یا روپیہ میں بغیر تمام شرکار کی اجازت کے تصرف کا حق نہیں ہے مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ یا چار مکان ترکہ میں چھوڑے تو اس میں جتنے حصہ دار ہیں، خواہ اس میں کسی کا کم حصہ ہو یا زیادہ، بغیر سب کی مرضی کے نہ تو ان روپیوں کو کام میں لانے یا مکانوں کے بیچنے یا ان کو کرایہ پر دینے کا کسی کو حق ہے اور نہ سب کی موجودگی کے بغیر تقسیم کرنے کا، اسی طرح دو آدمیوں یا کئی آدمیوں نے مل کر غلہ، کپڑا، یا باغ یا پھل یا اور کوئی چیز خریدی تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ وہ چیزیں ایسی ہیں، جن میں عام طور پر کوئی فرق نہیں ہوتا، مثلاً جو، گیہوں، یا کوئی اور غلہ خریدا، یا کسی ایک ہی کپڑے کے بہت سے تھان خریدے تو دوسرے شرکار کی موجودگی کے بغیر بھی اس کی تقسیم کی جاسکتی ہے، یعنی ایک شریک اپنا حصہ لے لے اور اس کا حصہ الگ کر کے رکھ دے تو کوئی حرج نہیں، لیکن دوسرے شریک کے پہنچنے سے پہلے اگر اس کا حصہ ضائع ہو گیا تو اس کو دوسرے شریک کے حصہ میں سے آدھا لینے کا حق ہے (۲) دوسری یہ کہ اگر وہ چیزیں ایسی ہیں، جن میں کچھ فرق ہوتا ہے، مثلاً مختلف قسم کے دس بیس تھان کپڑے دو آدمیوں نے خریدے یا پھل یا جانور خریدے تو چونکہ ان چیزوں میں فرق ہوتا ہے، کوئی تھان اچھا ہوگا کوئی خراب، کوئی پھل بڑا ہوگا کوئی چھوٹا کوئی جانور تیز ہوگا کوئی سست اس لئے دونوں کی موجودگی کے بغیر تقسیم کرنے میں اختلاف کی گنجائش ہے، اس بنا پر دوسرے شریک کی موجودگی کے بغیر اس کو تقسیم نہ کرنا چاہئیے، اور نہ کام میں لانا چاہئیے۔

شرکتِ عُقُود عقود عقد کی جمع ہے، جس کے معنی بندھنے یا باندھنے کے ہیں، اس شرکت کو شرکتِ عُقُود اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں شرکار آپس میں ایک معاہدہ کے ذریعہ ایک دوسرے سے بندھ جاتے اور اس کی شرائط کے وہ پابند ہو جاتے ہیں۔

شرکتِ عُقُود کی تعریف مضاربت اور تجارت کی طرح شرکت میں باہم معاہدہ اور اقرار ضروری

ہے، یعنی شرکت عقود اس طرح ہوتی ہے، کہ دو یا دو سے زیادہ آدمی تھوڑا تھوڑا سرمایہ فراہم کرکے آپس میں یہ طے کریں، کہ ہم سب مل کر اس روپے سے فلاں کام کریں گے اور جو نفع ہوگا آپس میں اتنے فی صدی تقسیم کریں گے، یا کسی کام کے بارے میں یہ طے کریں کہ آپس میں مل کر سب اس کو کریں اس میں جو فائدہ ہوگا، بانٹ لیں گے، یہ اقرار زبانی بھی ہوسکتا ہے، اور تحریری بھی، امام سرخسی جو حنفی فقہ کے امام سمجھے جاتے ہیں انھوں نے تحریر پر بہت زیادہ زور دیا ہے[1]

مُعاہدہ کب فسخ ہوسکتا ہے

اس معاہدہ کے شرکاء میں سے ہر فرد کو یہ اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے معاہدہ کو فسخ کردے اور اس سے علیحدہ ہوجائے، لیکن اس معاہدہ کو فسخ کرنے کا اثر دوسرے شرکاء پر نہیں پڑے گا، شرکاء میں سے اگر کوئی مرجائے تو معاہدہ خود بخود فسخ ہوجائے گا، لیکن اگر ورثہ چاہیں تو اس کی تجدید کرسکتے ہیں۔

شرکتِ عُقُود کی قسمیں

شرکت عقود کی کئی قسمیں ہیں، اور ان سب کے احکام جُدا ہیں، مگر ان سب میں چند باتیں مشترک ہیں،

۱۔ ایک تو باقاعدہ شرکت کا قول و قرار ہونا چاہیئے، خواہ زبانی ہو یا تحریری۔

۲۔ منافع کی تقسیم کی مقدار بھی صاف صاف بیان کردی جائے کہ کتنا کس کو ملے گا، اور کتنا کس کو، اس کی تفصیل مضاربت کے بیان میں آچکی ہے۔

۳۔ ان میں سے ہر ایک شریک مشترکہ مال کا امین بھی ہوگا اور وکیل بھی، امین کی حیثیت سے مال کی حفاظت اس پر ضروری ہوگی، اور وکیل کی حیثیت سے ہر ایک کو برابر کاروبار کے نظم اور تصرف میں اختیار حاصل ہوگا۔

۴۔ کام اور سرمایہ برابر ہونے کی صورت میں بھی آپس کی رضامندی سے اگر یہ طے ہوجائے کہ ایک آدمی کو زیادہ اور ایک آدمی کو کم نفع ملے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۵۔ ہر ایک کے لئے اس کام میں خود یا اپنے کسی نمائندہ کے ذریعہ حصّہ لینا ضروری ہے لیکن اگر وہ کسی وجہ سے شریک نہ بھی ہو، تب بھی نفع میں شریک رہے گا، کیونکہ اگر گھاٹا ہوگا تو اس کو بھی

---

[1] مبسوط، ص ۱۵۶ ج ۱۲

نقصان برداشت کرنا پڑے گا، خلاصہ یہ کہ کام یا مال اور ضمان میں سے کوئی چیز بھی پائی جائے گی تو وہ نفع کا مستحق ہوگا۔

۶۔ لیکن اگر معاملہ کرتے وقت کسی شریک نے یہ کہہ دیا کہ میں کام میں شریک نہیں رہوں گا تو یہ شرکت اس کے حق میں فاسد ہوگی۔

مجلس انتظام شرکت کا کاروبار بڑے پیمانے پر چلانے اور اس کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے اگر ضرورت ہو تو وہ اپنے میں سے ایک یا چند آدمیوں کو یا شرکار کے علاوہ کسی آدمی کو وہ اس کی ذمہ داری سپرد کر سکتے ہیں، لیکن شرکاریں سے جن لوگوں سے یہ کام لیا جائے گا، تو چونکہ ان کا وقت زیادہ خرچ ہوگا، یا وہ زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں گے، اس لئے ان کو منافع سے کچھ زیادہ حصہ دیا جا سکتا ہے، مگر یہ جائز نہیں ہے کہ وہ متعین تنخواہ بھی لیں۔ اور منافع میں بھی شریک ہوں، اسی طرح اگر شرکار کے علاوہ کوئی باہر کا آدمی کاروبار چلانے کے لئے رکھا گیا تو اس کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ وہ کام کرے اور منافع کا کچھ حصہ اس کا بھی مقرر کر دیا جائے، تو یہ اس وقت مضارب ہوگا، اس لئے اس کو صرف نفع ہی پانے کا حق ہوگا، اور دوسری حیثیت ہے کہ اس کو تنخواہ دی جائے، تو اس صورت میں وہ اجیر ہوگا، یعنی ــــ وہ صرف تنخواہ پائے گا، منافع میں شریک نہیں ہو سکتا، مقصد یہ ہے کہ شرکت اور مضاربت وغیرہ میں کوئی شریک یا مضارب تعیین کے ساتھ دوسرا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا، یعنی اس کو ایک طرف متعین رقم بھی ملے، اور دوسری طرف غیر متعین فائدہ میں بھی شریک رہے۔

اب ہم شرکت کی تمام قسمیں اور اس کے احکام وشرائط بیان کرتے ہیں۔

شرکت مفاوضہ مفاوضہ کے معنی ایک دوسرے کے سپرد کرنے کے ہیں، اس شرکت کو مفاوضہ اس لئے کہتے ہیں، کہ ایک شریک دوسرے کو اپنا مال سپرد کر دیتا ہے اس میں سرمایہ کا ہونا بھی ضروری ہے اور نفع میں بھی برابری شرط ہے، دوسرے ائمہ شرکت مفاوضہ کو صحیح نہیں سمجھتے، اس شرکت کے لئے حسب ذیل باتیں ضروری ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اس میں شروع سے آخر تک، دونوں کا سرمایہ برابر ہوگا۔

۲۔ دونوں نفع میں بھی برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

۳۔ ہر ایک شریک کو مال کے خریدنے بیچنے اور تصرف کرنے اور قرض دینے کا اختیار ہوگا۔

۴۔ اگر کوئی شریک اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کوئی چیز خریدے تو اس میں دوسرے شریک کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر یہ چیزیں اس نے اُدھار لی ہیں، تو دکاندار کو دوسرے شرکار سے بھی تقاضے کا حق ہے۔

۵۔ یہ شرکت صرف مسلمان بالغوں ہی کے درمیان ہوسکتی ہے کیونکہ غیر مسلم ان باتوں کی پابندی نہیں کرسکتا، جو اس کے لئے ضروری ہیں۔

(۲) **شرکتِ عنان** شرکت عقود کی سب سے مشہور قسم شرکت عنان ہے عام طور پر اسی طریقۂ شرکت کا کاروبار دُنیا میں رائج ہے، اس میں نہ تو سرمایہ کا برابر ہونا ضروری ہے اور نہ نفع میں برابری شرط ہے۔

اس کے شرائط حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ شرکتِ عنان میں ہر شخص شریک ہوسکتا ہے، خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

۲۔ جس طرح مفاوضہ میں سرمایہ اور نفع کا برابر ہونا ضروری ہے، اس طرح عنان میں یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ دونوں کا سرمایہ کم یا زیادہ بھی ہوسکتا ہے اور جس طرح سرمایہ کم یا زیاد ہوسکتا ہے، اسی طرح نفع میں بھی کمی بیشی ہوسکتی ہے، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے لگائے اور دوسرے نے پانچسو، اور دونوں نے خوشی سے طے کیا کہ منافع میں دونوں برابر رہیں گے، تو وہ ایسا کرسکتے ہیں، کیونکہ منافع کا تعلق محض سرمایہ سے نہیں ہوتا، بلکہ محنت، دوڑ دھوپ کے علاوہ اس میں ذہنی صلاحیت اور سوجھ بوجھ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کا سرمایہ زیادہ ہو، مگر اس میں عملی و ذہنی صلاحیت کم [illegible] ور دوسرا کم سرمایہ رکھتا ہو لیکن عملی اور ذہنی صلاحیتوں میں زیادہ سرمایہ والے سے بڑھا ہوا ہو تو ایسا شخص سرمایہ کی کمی کی تلافی اپنی دوسری صلاحیتوں سے کرسکتا ہے، کیونکہ کاروبار کی کامیابی کا زیادہ تر دارومدار سوجھ بوجھ اور دوڑ دھوپ ہی پر ہوتا ہے، اور پھر زیادہ سرمایہ رکھنے والے میں اگر صلاحیت کم ہے تو اس کے

لئے بھی روپیہ بیکار پڑا رکھنے سے بہتر یہی ہے کہ وہ ایک باصلاحیت آدمی کو سرمایہ کی نسبت سے زیادہ نفع دے کر اُس سے فائدہ حاصل کرے، لیکن بہرحال اس کا تعلق آپس کی رضامندی ہی سے ہے کسی کے اوپر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا۔

۳۔ تمام شرکار کا سرمایہ تو برابر ہو لیکن نفع میں کمی زیادتی طے ہوئی ہو اور عام شرکار کام میں شریک ہونے کے لئے تیار نہ ہوں، بلکہ وہ کاروبار کی پوری ذمہ داری کسی ایک یا دو آدمی کے سپرد کردیں: تو جس کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے، اگر یہ وہ شخص ہے جس کا نفع زیادہ مقرر ہوا ہے، تو پھر یہ شرط لگائی جاسکتی ہے، لیکن اگر یہ شرط اس شخص کے ساتھ لگائی گئی ہے جس کا نفع کم رکھا گیا ہے، تو یہ شرط جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو سرمایہ کے مطابق منافع ملے گا، کیونکہ جس کا منافع زیادہ تھا، وہ تو اپنے سرمایہ اور محنت کا بدلہ پاگیا، لیکن جس کا منافع کم تھا، وہ بیچارہ تو نقصان میں رہے گا، کیونکہ سرمایہ بھی اس نے برابر لگایا، محنت بھی کی، اور منافع بھی اس کو کم ملا، اسی طرح اگر کسی کا سرمایہ زیادہ لگا ہے، اور نفع کم مقرر ہے اور تنہا اس کے ذمہ کاروبار کی نگرانی اور انتظام ہے تو اس صورت میں منافع کی کمی کی شرط بیکار سمجھی جائے گی، اور اس کو سرمایہ کے مطابق حصہ ملے گا، کیونکہ اس صورت میں اس نے دوہری محنت کی، اور سرمایہ بھی لگایا، پھر بھی نفع کم ملا یہ زیادتی ہے، جسے اسلامی شریعت نے کسی وقت بھی روا نہیں رکھا ہے۔

۴۔ نفع کی تقسیم کی مقدار طے ہوجانی چاہیئے، یعنی اس طرح کہ $\frac{1}{2}$ $\frac{1}{5}$ یا $\frac{1}{4}$ یا دس فی صدی فلاں کو اور بیس فی صدی فلاں کو یا سب کو برابر حصہ ملے گا، اگر اس طرح یہ طے کیا گیا کہ ایک ہزار روپے تو فلاں آدمی کے متعین رہیں گے، باقی جو بچے گا وہ شرکائے کار کا تو یہ صحیح نہیں ہے (ہدایہ)

۵۔ جو نقصان ہوگا وہ اصل سرمایہ سے پورا کیا جائے گا، نفع پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن یہ اس صورت میں ہے، جب نقصان قصداً نہ کیا گیا ہو بلکہ اچانک ہوگیا ہو، اگر کسی شریک نے جان بوجھ کر نقصان اٹھایا یا نقصان کیا تو پھر اس کی ذمہ داری اس کے سر ہوگی یعنی وہ اس کے نفع یا اصل سے پورا کیا جائے گا، اس کی تفصیل مضاربت کے بیان میں آچکی ہے۔

۶۔ نفع نقصان دونوں میں تمام شرکار شریک سمجھے جائیں، اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ

نقصان ہمارے ذمہ اور نفع میں سب لوگ شریک رہیں گے تو یہ شرکت ناجائز ہوگی۔

۷۔ اگر شرکت کسی وجہ سے فاسد ہوگئی، یا معاہدہ خود ہی فسخ کر دیا گیا تو منافع سرمایہ کے مطابق تقسیم ہوگا، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ لگایا تھا، اور کسی نے دو ہزار، تو ایک ہزار روپے والے کو ⅓ اور دو ہزار والے کو ⅔ ملے گا، اگرچہ شرکت کرتے وقت منافع کے زیادہ و کم لینے ہی کی شرط کیوں نہ لگادی گئی ہو، وہ شرط شرکت کے فاسد و منسوخ ہونے کی صورت میں کالعدم سمجھی جائے گی۔

۸۔ جس غرض کے لئے شرکت کی گئی ہے اس میں شرکت کے مال کو خرچ کرنے اور تصرف کرنے کا ہر شریک کو برابر حق ہے، مثلاً اگر دو آدمیوں نے مل کر دو ہزار کی تجارت کی، تو دونوں کو کسی مال کے منگانے، چھڑانے ادھار مال بیچنے یا اُدھار لگانے کا حق ہے، اگر دونوں میں سے کسی سے نقصان ہوگا تو دونوں کی ذمہ داری سمجھی جائے گی، البتہ اگر دوسرے ساتھی نے کسی چیز کے خریدنے سے اس کو منع کیا اور اس نے پھر بھی خریدا اور اس میں نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری تنہا اس کے اوپر ہوگی، اسی طرح اگر اس نے کسی چیز کے خریدنے یا بیچنے میں بہت شدید قسم کا دھوکہ کھایا ہے، تو اس کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی دوسرے شریک کا سرمایہ محفوظ سمجھا جائے گا۔

۹۔ اپنے ذاتی مال کے ساتھ شرکت کا مال ملانا، یا دونوں کاروبار ملا جلا رکھنا ناجائز ہے اگر دوسرا شریک اس کی اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح تمام شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی نئے آدمی کو اس میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔

۱۰۔ جس مشترک کاروبار میں یہ مشترک سرمایہ لگا ہے اگر اسی زمانہ میں اسی طرح کا کوئی کاروبار کوئی شریک اپنے ذاتی روپے سے الگ کرنے لگے تو اس کا یہ ذاتی کاروبار بھی مشترک ہی سمجھا جائے گا، اگرچہ وہ باقاعدہ اس بات کا ثبوت ہی کیوں نہ فراہم کر دے کہ یہ اس کا ذاتی کاروبار ہے، مثلاً کچھ لوگوں نے مشترک سرمایہ سے کپڑے کی دکان کھولی، یا شیشہ کا برتن یا کوئی اور سامان بنانے کا کارخانہ کھولا تو اب کسی شریک کو اپنے ذاتی روپے سے دوسری کوئی کپڑے کی دکان یا شیشہ و برتن کا کارخانہ کھولنے کی اجازت نہ دی جائے گی چاہے وہ ثابت ہی کیوں نہ کر دے

کہ وہ اس کا ذاتی کاروبار ہے، البتہ اگر وہ اپنے ذاتی روپے سے دوسرا کوئی کاروبار کرے تو اس کی اجازت ہے، مثلاً اگر وہ کپڑے کے بجائے جوتے کی دکان کھولے تو اس کو اس کی اجازت ہوگی، یہ قید اس لئے بڑھائی گئی ہے کہ وہ مشترک سرمایہ کے کاروبار کو اپنے ذاتی کاروبار سے نقصان نہ پہنچادے، یا مشترک سرمایہ کو غلط طور پر اپنی منفعت کے لئے نہ استعمال کرسکے۔

۱۱۔ تمام شرکار کی اجازت کے بغیر کوئی شریک کسی دوسرے آدمی کو مشترک سرمایہ سے قرض نہیں دے سکتا۔

۱۲۔ اگر سرمایہ قرض لے کر دو یا بہت سے آدمی کوئی مشترک کاروبار کریں، تو یہ جائز ہے، مگر یہ قرض سودی نہ ہو۔

۱۳۔ مشترک کاروبار کے سلسلہ میں، سفر میں مزدوری یا دکان کے کرایہ وغیرہ میں یا کارخانہ کے بنانے یا مشین کے لگانے میں جو کچھ خرچ ہوگا وہ مشترک سرمایہ میں سے لے لیا جائے گا۔

۱۴۔ اگر کسی ایک شریک نے دوسرے شریک کو یا چند شرکار نے ایک شریک کو مشترک سرمایہ سپرد کرکے کہا کہ تم تجارت یا صنعت کا جو کام چاہو کرو تو پھر اس کو اختیار ہے کہ وہ جو کاروبار چاہے کرے اور جس طرح چاہے کرے، لیکن اگر وہ قصداً سرمایہ برباد کرے گا یا فضول کاموں یا اپنے تعیشات میں خرچ کرے گا تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی، یعنی تمام شرکار اس کا تاوان اس کے سرمایہ سے وصول کریں گے۔

۱۵۔ اگر کسی شریک نے دوسرے شریک سے یا چند شرکار نے کسی ایک شریک سے یا ایک شریک نے چند شرکار سے یہ کہا کہ یہ کاروبار اس شہر میں کرنا بہتر ہوگا، لیکن دوسرے شرکار نے کسی دوسری جگہ یہ سرمایہ لگادیا تو اگر اس میں نقصان ہوگا تو اس کی ذمہ داری صرف ان ہی لوگوں پر ہوگی، جنھوں نے اپنی رائے سے ایسا کیا ہے، اور نفع میں وہ شخص اسی طرح شریک ہوگا، جس طرح معاہدہ ہوا ہے، غرض یہ ہے کہ ہر شریک کی رضامندی ضروری ہے۔

(۳) شرکتِ اعمال، یا شرکت صنائع شرکتِ عقود کی تیسری قسم شرکتِ اعمال یا شرکتِ صنائع ہے، یعنی وہ شرکت جس میں سرمایہ کے بغیر دو، ہم پیشہ

یا دو مزدور اس بات کا معاہدہ کریں کہ فلاں کام ہم مل کر کریں گے، جو کچھ اس سے پیسہ ملے گا، وہ دونوں بانٹ لیں گے، مثلاً دو مزدور اسٹیشن پر سامان ڈھونے کے لئے یہ طے کریں کہ دونوں کے کام سے جو پیسہ ملے گا، اس کو برابر یا کم و بیش بانٹ لیں گے یا ایک دیوار کے بنانے کا ٹھیکہ لیں، اور یہ شرط ٹھہرائیں کہ جو پیسہ ملے گا بانٹ لیں گے، اسی طرح دو سناروں نے یا دو موچیوں نے یہ معاہدہ کیا کہ جس کے پاس بھی کام یا آرڈر آئے گا وہ اسے قبول کرلے گا اس کو دونوں مل کر یا علیحدہ علیحدہ کریں گے اور دونوں کے کام سے جو فائدہ ہوگا، اس فائدہ میں دونوں شریک ہونگے، یہ تمام صورتیں جائز ہیں، اس کو شرکتِ اعمال یا شرکتِ صنائع اس لئے کہتے ہیں، کہ اس میں نقد سرمایہ مشترک نہیں ہوتا، بلکہ عمل اور پیشہ (صنعت) مشترک ہوتا ہے، اس کا نام شرکت تَقَبُّل بھی ہے، یعنی دو آدمی مشترک طور پر ایک کام کو قبول کرلیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ اس طرح کی شرکت کرتے تھے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ، حضرت سعد اور حضرت عمار نے غزوۂ بدر میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ جو کچھ مالِ غنیمت ملے گا، وہ سب کا مشترک حصہ ہوگا، خواہ ایک ہی آدمی کیوں نہ پائے، اس شرکت کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کے لئے چند ضروری شرطیں ہیں۔

۱۔ شرکتِ عنان کی طرح اس میں بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص کام برابر کرے اور مزدوری کی رقم میں برابر کا شریک ہو، بلکہ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، مثلاً چند مزدوروں نے مشترک طور پر ایک نہر کھودنے کا کام کیا۔ تو اب ضروری نہیں ہے کہ ہر مزدور برابر کام کرے اور برابر نفع پائے، اس لئے کہ ہر انسان کی صلاحیت اور طاقت جُدا جدا ہوتی ہے، ایک جوان آدمی بوڑھے سے زیادہ کام کرے گا، تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی محنت کے مطابق مزدوری بھی پانے کا حقدار ہوگا، کیونکہ اس شرکت میں اصل سرمایہ محنت اور صلاحیت ہی ہے، اسی طرح دو درزی مل کر یہ معاہدہ کرتے ہیں، جو کپڑے دونوں کے پاس سینے کے لئے آئیں گے وہ دونوں کے مشترک ہوں گے، اور مزدوری دونوں تقسیم کریں گے، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ دونوں کے پاس کام برابر آویں۔ یا دونوں کام برابر کریں، اور نفع بھی برابر لیں، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک اگر سلائی میں محنت زیادہ کرتا ہے، تو دوسرا کپڑے کترنے

میں زیادہ ماہر ہے، اور اسی کی وجہ سے کپڑے زیادہ سلنے کے لئے آتے ہیں، یا دونوں میں سے ایک کا ہاتھ زیادہ صاف اور باریک سے باریک کام کر لیتا ہے، اور دوسرا موٹا ہی کر سکتا ہے، تو ظاہر ہے کہ دونوں کی مزدوری میں بھی تفاوت ہو سکتا ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ دونوں کی رضامندی سے ایسا ہو۔

۲۔ جو شخص کام دے گا اس کو ان میں سے ہر ایک شریک سے تقاضے کا حق حاصل ہو گا، خواہ کسی کی مزدوری کم ہو یا زیادہ۔

۳۔ شرکا میں سے جو بھی کوئی کام یا کام کا آرڈر لے گا وہ تمام شرکا کی طرف سے سمجھا جائے گا، اس کی ذمہ داری سب پر ہو گی، شریک سناروں میں سے کسی ایک نے زیور بنانے کا آرڈر لیا تو وہ آرڈر دوسرے شرکا کی طرف سے بھی سمجھا جائے گا۔

۴۔ ان میں سے ہر ایک شریک کام یا کام کا آرڈر دینے والے سے پوری مزدوری مانگ سکتا ہے، اور جس نے کام دیا ہے، اگر اس نے کسی ایک کو بھی مزدوری دے دی تو دوسرے کو اب اس سے کچھ کہنے سننے کا حق نہیں ہے، مثلاً اوپر والی مثال میں معاہدہ کرنے والے مزدوروں میں سے کسی مزدور کو نہر کھودنے کی مزدوری دے دی گئی ہے تو وہ ادا ہو جائے گی، البتہ اگر مزدوروں نے یہ کہدیا ہو کہ فلاں آدمی ہی کو مزدوری دے دی جائے تو پھر مالک کو دوسرے مزدور کو مزدوری نہ دینی چاہیئے۔

۵۔ اگر کسی شریک نے کام کیا اور کسی نے نہیں کیا تو کام دینے والے کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے، البتہ اگر اس نے شرط لگادی ہو کہ تم ہی کرو تو پھر اس کو کرنا ضروری ہو گا، مثلاً دو کاریگروں نے ایک مکان کی تعمیر کا ٹھیکہ لیا، تو دونوں میں سے اگر ایک ہی کام کرے تو بھی تعمیر کرانے والے کو اس میں اعتراض کا حق نہیں ہے، اگر اس نے ٹھیکہ دیتے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں آدمی کام میں عملاً شریک رہیں گے تو پھر پابندی ضروری ہے۔

۶۔ اگر شرکا میں سے کسی نے کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی کام نہیں کیا مثلاً بیمار پڑ گیا یا کسی اور وجہ سے نہ کر سکا تو بھی وہ فائدہ اور اُجرت میں شریک رہے گا۔

۷۔ اگر کوئی نقصان ہوگا تو اس کے ذمہ دار تمام شرکا رہوں گے مثلاً چند آدمیوں نے ایک پل بنانے کا ٹھیکہ لیا، اور اس میں نقصان ہوگیا تو تمام شرکا اپنے حصہ کے مطابق اس کو برداشت کریں گے، مثلاً جس کو فائدہ میں ⅓ حصہ تھا وہ ⅓ خسارہ برداشت کرے گا اور جو ⅔ کا مستحق تھا وہ اتنا برداشت کرے گا۔

۸۔ اگر دو پیشہ ور اس طرح شرکت کریں کہ دکان تو ایک آدمی کی ہوگی، اور اوزار یا کام دوسرے کا ہوگا، تو یہ شرکت بھی جائز ہوگی۔

۹۔ اگر دو آدمیوں کے پاس دو ٹرک ہوں اور وہ یہ معاہدہ کریں کہ جو مال لادنے کے لئے ملے گا اس کو دونوں میں سے کوئی پہنچادے گا، اور جو کرایہ ملے گا، دونوں تقسیم کریں گے، تو یہ جائز ہے۔ دونوں برابر منافع تقسیم کرلیں، لیکن اگر یہ شرکت اس طرح ہو کہ دونوں جو کچھ کمائیں گے اس میں بانٹ لیں گے، تو جائز نہیں ہے، یعنی معاہدہ شرکت کام اور اُجرت دونوں کے لئے ہونا چاہئے، محض اُجرت میں نہیں۔

۱۰۔ اگر گھر کے مالک نے کوئی کام کیا اور اس میں گھر کے بچّے عورتیں بھی شریک ہوں تو یہ قانونی شریک نہیں سمجھے جائیں گے، بلکہ یہ اس کے مددگار شمار ہوں گے، ان کو الگ سے کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔ مثلاً کسی شریک نے سینے کے لئے کپڑا لیا اور اس کی سلائی میں گھر کی عورتوں اور بچوں نے بھی ہاتھ بٹایا تو اُن کو الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جائے گی۔

(۳) شرکت الوجوہ

شرکت عقود کا چوتھا طریقہ شرکت الوجوہ ہے یعنی دو یا اس سے زیادہ آدمی نہ تو کاروبار میں سرمایہ لگائیں، اور نہ دونوں کسی کام اور پیشہ میں شریک ہوں بلکہ اپنی ساکھ اور وجاہت کی بنا پر یہ معاہدہ کریں۔ کہ تاجروں سے ادھار مال لے کر ہم فروخت کریں گے، اور جو کچھ فائدہ ہوگا مال کی قیمت ادا کرنے کے بعد بانٹ لیں گے۔

۱۔ اس شرکت کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو شرکۃ الصنائع کے ہیں یعنی اس میں دونوں جو منافع طے کریں گے وہ ملے گا اور جو گھاٹا ہوگا وہ منافع کے لحاظ سے دونوں برداشت کریں گے، البتہ ایک شرط اس میں زیادہ ہے، کہ جو اپنی ساکھ اور وجاہت سے جتنا زیادہ حاصل کرے گا اور جتنے

مال کی ذمہ داری یعنی ضمانت لے گا، وہ اتنا ہی زیادہ نفع پانے کا حق دار ہوگا، اور اگر یہ شرط کی گئی کہ مال دونوں برابر حاصل کریں، یا کم یا زیادہ حاصل کریں، مگر ہر صورت میں فائدہ میں برابر شریک ہوں گے، تو یہ شرط لغو سمجھی جائے گی، جس نے جتنا مال زیادہ حاصل کیا ہے اسی اعتبار سے اس کو نفع میں حصّہ ملے گا، یا کوئی فریق یہ شرط کرے کہ ہم نصف مال کے ذمّہ دار ہیں، مگر فائدہ زیادہ لیں گے تو شرط لغو ہے، دونوں میں آدھا آدھا نفع تقسیم ہوگا۔

۲۔ جو نقصان ہوگا اس کا خسارہ دونوں کو نفع کے اعتبار سے برداشت کرنا پڑے گا، یا یوں کہیے کہ جتنا انھوں نے مال حاصل کیا ہے، یا جتنے کی ذمّہ داری لی ہے، اسی تناسب سے ان کو گھاٹا برداشت کرنا پڑے گا، مثلاً اگر کسی نے دو حصّہ مال حاصل کیا ہے، اور وہ اس کا ذمّہ دار ہے اور کسی نے ایک حصّہ حاصل کیا اور وہ اس کا ذمّہ دار ہے تو خسارہ کی صورت میں اسی اعتبار سے دونوں خسارہ برداشت کریں گے۔ (المجلہ)

ہدایت ذمہ دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے مال کا ضامن ہے اگر وہ ضائع ہوگیا یا اس میں گھاٹا آگیا تو اسی اعتبار سے اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اس ضمانت و ذمہ داری کے اعتبار سے منافع تقسیم کیا جائے گا۔

قرض

دُنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جن کو کبھی نہ کبھی قرض اور اُدھار لینے کی ضرورت نہ پیش آجاتی ہو، یہ ضرورت صرف بے سہارا غریب و مجبور افراد ہی کو نہیں، بلکہ بڑے بڑے دولت مندوں اور بڑی بڑی حکومتوں کو بھی پیش آجاتی ہے، ایک شخص گھر پر لاکھوں روپے کا مالک ہوتا ہے، مگر سفر میں کبھی کبھار وہ چند پیسے کے لئے مجبور و محتاج ہو جاتا ہے، ایک آدمی ہزاروں روپے ماہوار کماتا ہے، اور اس کے بیوی بچے نہایت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے ہوتے ہیں، مگر ایسا اتفاق بھی ہوتا ہے کہ وہ یک بیک مر جاتا ہے اور اس کے بال بچے اپنی بنیادی ضرورتوں کے لئے بھی ہاتھ پھیلانے پر

مجبور ہو جاتے ہیں، بڑی بڑی حکومتیں جو دوسروں کو قرضے دیتی ہیں، جنگ کے زمانہ میں معمولی آمدنی رکھنے والے افراد تک سے قرضہ لیتی ہیں، غرض یہ کہ قرض ضرورت مندوں کے لئے ایک ایسا سہارا ہے، جس سے وہ اپنی بہت سی انفرادی، اجتماعی، معاشی اور سیاسی ضروریات میں کام لیتے ہیں، مگر یہ سہارا اسی وقت تلاش کرنا چاہئیے، جب آدمی معاشی، معاشرتی، سیاسی حیثیت سے بالکل مجبور ہو جائے، یا اس کی عزت و آبرو یا جان خطرہ میں پڑ جائے، یا کوئی شدید دینی ضرورت پیش آجائے، ورنہ عام حالت میں قرض کو ایک بلا سمجھ کر اس سے جس قدر ہو سکے دور ہی رہنا چاہئیے، یہ بلا ایسی بلائے بے درماں ہے کہ ایک بار جس گھر کو دیکھ لیتی ہے یا جس شخص کا دامن تھام لیتی ہے، تو مرنے کے بعد بھی اس کا دامن مشکل سے چھوڑتی ہے، دُنیا میں بہت سے افراد ہی نہیں بلکہ بڑی بڑی حکومتیں اس کا شکار ہو چکی ہیں، اور اب بھی آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔

یوں تو قرض بذاتِ خود ایک مصیبت ہے مگر اس کے دامن میں ایک اور چیز ہمیشہ لپٹی رہی ہے اور آج پہلے سے زیادہ اس سے لپٹی ہوئی ہے وہ ہے سود یا منفعت پرستی، یعنی جن لوگوں کو خدا نے آسودہ حال بنایا ہے وہ جب کسی پریشان حال آدمی کو قرض دیتے ہیں، تو یہ جذبہ ان میں بہت کم پیدا ہوتا ہے کہ قرض دینا ان کا ایک انسانی فریضہ تھا جسے انھوں نے ادا کیا، بلکہ خود غرضی اور منفعت پرستی ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا کرتی ہے کہ قرض دار جب اس سے روپیہ لے کر اپنی ضرورت پوری کر رہا ہے، یا اس سے کوئی فائدہ اٹھا رہا ہے تو وہ بھی کیوں نہ اس کے بدلہ میں کوئی مادّی یا غیر مادّی فائدہ حاصل کرے جلبِ منفعت کا یہ جذبہ اس کو اس روپیہ کا سود لینے پر آمادہ کرتا ہے چنانچہ اگر وہ اس سود میں کمی واقع ہوتے دیکھتا ہے، یا اس کے مارے جانے کا خطرہ ہوتا ہے تو اصل کی طرح اس کے بچانے کی بھی فکر کرتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے کبھی کبھار وہ قرضدار کی عزت و آبرو سے بھی کھیلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اور اگر کسی اخلاقی یا معاشرتی یا قانونی دباؤ کی وجہ سے وہ سود لینے سے باز رہا، اور اس کی عزت و آبرو سے نہ کھیلا تو پھر کم سے کم قرضدار کی طرف سے اس وقت تک ممنونیت کا اظہار چاہتا رہتا ہے، جب تک وہ قرض ادا نہ کر دے، بلکہ بسا اوقات زندگی بھر قرضدار اس کی ممنونیت کے بارگراں سے سبکدوش نہیں ہوتا، وہ اپنی منفعت پرستی میں اتنا اندھا

ہو جاتا ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات نہیں سوچتا کہ جو شخص اصل رقم دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ سود کہاں سے دے گا، پھر یہ خیال بھی اس کو دامن گیر نہیں ہوتا، کہ ممکن ہے کہ زندگی میں اس کے لئے بھی کبھی کوئی وقت آجائے اور اسے بھی دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑ جائے، اور یہ مجرمانہ ذہنیت صرف اشخاص و افراد ہی کی نہیں، بلکہ حکومتوں کی بھی ہوتی ہے، کوئی ملکی حکومت جب باشندگانِ ملک کو ان کی معاشی یا معاشرتی ترقی کے لئے کوئی قرضہ دیتی ہے تو دس بیس سال تک اصل رقم کے ساتھ اس رقم کا سود بھی وصول کرتی رہتی ہے اس طرح ایک قرض لینے والے کو اصل رقم کی ڈیڑھ گنا ۱½ یا کم از کم سوائی رقم ۱¼ دینی پڑتی ہے، اسی طرح ایک حکومت جب کسی دوسری حکومت سے قرضہ لیتی ہے، تو قرض لینے والی حکومت کو اصل روپے کے ساتھ سود بھی دینا پڑتا ہے، اور پھر سود کے ساتھ کچھ اور سیاسی اور تجارتی حقوق بھی اس کو دینا پڑتے ہیں، جن کی وجہ سے قرضدار حکومت قرض خواہ حکومت کا ایک ضمیمہ بن کر رہ جاتی ہے، اس کی مثال تلاش کرنی تو مشرقِ وسطیٰ، ہندوستان اور خاص طور پر پاکستان میں روس و امریکہ کی مالی امداد اور قرضوں کی بھرمار پر ایک نظر ڈال لیجئے، قرض کی بلا نے ان ممالک کو کس قدر پابہ زنجیر کر دیا ہے، قرض کا معاملہ ایک اور حیثیت سے بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ قرض دار قرض لے کر اس کو چکا بھی دے، اس لئے قرض خواہ کو اس کے بچاؤ کے لئے بہت سی تدبیریں اختیار کرنی پڑتی ہیں، مگر پھر بھی بسا اوقات اس کا روپیہ مارا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کچھ انسانی ہمدردی ہوتی ہے اور وہ سود لینے سے بھی گریز کرتے ہیں، وہ بھی اکثر قرض دینے سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ کہیں ان کا روپیہ مارا نہ جائے۔

اسلامی شریعت کی ہدایات

قرض چونکہ ایک ناگزیر انسانی ضرورت اور بُرے وقت کا ایک سہارا ہے اس لئے اسلامی شریعت نے آڑے وقت پر اس سہارے سے کام لینے کی اجازت تو دی ہے، مگر اسی کے ساتھ اس نے قرضدار اور قرض خواہ دونوں پر کچھ ایسی اخلاقی اور قانونی پابندیاں عائد کر دی ہیں، کہ اگر ان کو بروئے کار لایا جائے، تو ضرورتمندوں کو آسانی سے قرض بھی مل جائے، اور وہ سود کی لعنت اور قرض خواہ کی ممنونیت سے بھی نجات

پا جائیں، اور قرضدار اور قرضخواہ دونوں ان تمام دوسرے مادّی وغیر مادی نقصانات سے بچ جائیں، جو قرض دینے اور لینے کی صورت میں عام طور پر اُٹھانے پڑتے ہیں۔

قرآن میں قرض کے بیان کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا)

حدیث میں ہے لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ (نہ خود نقصان اُٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ)

اسلامی شریعت نے آسودہ حال لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے، کہ وہ ضرورت مندوں، غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی معاشی ضرورت وحاجت کا خود خیال رکھیں، اگر وہ سوال کریں تو بغیر کوئی معاوضہ لئے ان کی مدد کریں، اور اگر وہ شرم حیا سے سوال نہ کر سکیں، تو وہ خود ان کی ضرورت معلوم کر کے ان کی ضرورت پوری کریں، اگر وہ اس طرح کوئی مدد نہیں کر سکتے تو اگر کوئی اپنے کسی آڑے وقت پر ان سے قرض طلب کرے تو اس کو کم از کم قرض تو دے ہی دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُقْرِضُ مُسْلِمًا[1] قَرْضًا مَرَّتَيْنِ اِلَّا كَانَ كَصَدَقَتِهَا مَرَّةً	کوئی مسلمان جب کسی مسلمان کو دوبار قرض دے دیتا ہے، تو اس کا ثواب وہی ہوتا ہے جو ایک بار صدقہ دینے کا ہوتا ہے۔

یعنی ایک آسودہ حال مسلمان کی ذمہ داری تو یہی ہے کہ وہ ضرورت مند کی ضرورت بغیر اس کی واپسی کی امید کے پوری کر دے (اسی کو صدقہ کہتے ہیں) لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو کم سے کم اس کو بغیر سود کے قرض ہی دے دے، اس سے بھی وہ کسی نہ کسی حد تک اپنی صدقہ والی ذمہ داری پوری کر لے گا، اس لئے وہ اسی اعتبار سے اجر کا بھی مستحق ہوگا، اور جب وہ بار بار ایسا کرے گا تو اس کا یہ تھوڑا تھوڑا

---

[1] یہاں مسلمان کے لفظ سے یہ دھوکہ نہ ہو کہ غیر مسلم کو قرض حسنہ دینا ثواب نہیں ہے، اس لئے قرض دینا جائز نہیں ہے۔ جس طرح مسلمان کو قرض دینا ثواب ہے، اسی طرح غیر مسلم کو بھی قرض دینا ثواب ہے، جس طرح کسی مسلمان سے قرض لینا جائز ہے، اسی طرح غیر مسلم سے بھی لیا جا سکتا ہے، البتہ سودی قرض چاہے مسلمان سے لیا جائے یا غیر مسلمان سے ناجائز ہے، دونوں کا ایک حکم ہے۔

اجر اُس کو اس اجر کا مستحق بنا دے گا جو اس کو ایک صدقہ کی صورت میں ہوتا، مقصد یہ ہے کہ قرض دینے میں بھی ثواب ہے مگر صدقہ سے کم، قرض دے کر اس کی ادائیگی کی مہلت دینا اگر غریب ہو تو معاف کر دینا ایسا غیر معمولی کام ہے، کہ اس کا اثر آخرت میں مغفرت کی شکل میں نمودار ہوگا، قرآن میں ہے کہ:۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ

اگر قرضدار تنگدست ہے تو کشادگی تک مہلت دینا چاہیے اور اگر بالکل معاف (صدقہ) کر دو تو یہ بات زیادہ بہتر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے پہلے کے ایک نیک آدمی کا واقعہ بیان فرمایا کہ:۔

إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوحَهُ فَقِيلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِيلَ لَهُ أُنْظُرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيهِمْ فَأُنْظِرُ الْمُوسِرَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَأَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ

صحابہ کرام سے آپ نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان میں ایک آدمی تھا جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کر کے لے گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تم نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ بولا مجھے تو اپنے نامہ اعمال میں کوئی نیک کام نظر نہیں آتا پھر کہا گیا کہ غور کرو، غور کرنے کے بعد اس نے کہا کہ مجھے اس کے علاوہ اپنا کوئی نیک کام نظر نہیں آتا کہ میں لوگوں سے اُدھار لین دین کرتا تھا اور ان کو معاف کرتا تھا یعنی اگر کوئی اُدھار مال لے گیا تو اگر وہ خوش حال ہے تو اس کو قیمت کی ادائیگی کی مہلت دیتا تھا اور اگر وہ تنگ حال ہوتا تو اس کو معاف کر دیتا تھا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس نیکی کے بدلہ میں اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

ایک روایت اور ہے آپ نے فرمایا:۔

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللَّهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ

جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ قیامت کی الم ناک سختیوں سے نجات پا جائے تو اس کو چاہیے کہ تنگ دست مقروض کو زیادہ سے زیادہ مہلت

يَضَعُ عَنْهُ (مسلم) دے یا پھر پورا قرضہ ہی معاف کردے۔

بلا ضرورت قرض لینے کی مذمت

اسلامی شریعت نے شدید معاشی ضرورت یا اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے قرض لینے کی جو اجازت دی ہے، وہ اجازت ایسی ہی ہے جیسے کسی مجبور آدمی کے لئے مردار کھانے کی اجازت کہ اگر کوئی شخص بغیر کسی مجبوری کے لذت کے لئے یا عادت کے طور پر مردار کھانے لگے، یا کھانے پر مجبور تو ہو مگر سدرمق سے زیادہ کھاجائے تو اسلام میں اس کا یہ فعل حرام ہوگا، اور قانوناً وہ سزا کا مستحق ہوگا، بالکل اسی طرح قرض کی اجازت مجبوری کی اجازت ہے، اب کوئی شخص فضول خرچی تعیش یا اپنی عرفی ساکھ اور مصنوعی معیار زندگی کو قائم رکھنے کے لئے قرض لے، یا قرض لے تو کسی مجبوری ہی سے مگر اس کی ادائگی سے بے خبر ہوجائے یا استطاعت کے باوجود ٹال مٹول کرے تو وہ اخلاقاً بھی مجرم ہوگا اور قانوناً بھی، یعنی وہ آخرت میں بھی پکڑا جائے گا، اور دُنیا میں بھی اس کو سزا ملنی چاہیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاوجہ قرض لینے اور پھر اس کی ادائیگی نہ کرنے کو انتہائی ناپسند فرمایا ہے، آپ کے پاس جب کوئی جنازہ لایا جاتا تھا تو آپ دریافت فرماتے کہ اس نے کوئی قرض تو نہیں چھوڑا ہے اگر وہ قرض چھوڑ کر مرا ہوتا اور ادائگی کے لئے کوئی ترکہ بھی نہ چھوڑ گیا ہوتا تو آپؐ اس کی نماز جنازہ ادا نہیں فرماتے تھے، ایک بار ایک صحابی کا جنازہ لایا گیا، آپؐ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ اس پر کوئی قرض تو نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں دو دینار کا مقروض مرا ہے آپؐ نے فرمایا کہ ان کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو حضرت اَبُوْ قَتَادہ صحابی بولے کہ یا رسول اللہ! اس کے دونوں دینار کی ادائگی کا میں ذمہ دار ہوں، اس کے بعد آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

آپؐ قرض کو اتنی مذموم اور قابلِ نفرت چیز تصوّر فرماتے تھے کہ سوتے وقت اور پنج وقتہ نمازوں کے آخر میں گناہ کے ساتھ اس سے بھی پناہ مانگتے تھے اَعُوْذُ مِنَ الْمَاثَمِ وَالْمُغْرَمِ "میں گناہ اور قرض کے بارگراں سے پناہ مانگتا ہوں"۔

ایک بار آپؐ نے کفر اور قرض دونوں سے پناہ مانگی، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ قرض کو کفر کے برابر قرار دیتے ہیں۔ فرمایا، ہاں۔ (نسائی، حاکم)

ایک مومن کو اسلام کسی حال میں بھی ذلیل دیکھنا نہیں چاہتا اور قرض ایسی بلا ہے کہ اس میں آدمی ذلیل ہو جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب خدائے تعالیٰ کسی بندہ کو ذلیل کرنا چاہتا ہے، تو اس کی گردن پر قرض کا بار رکھ دیتا ہے۔ (حاکم)

قرضدار آدمی کی کیفیت وہی ہوتی ہے جو ایک قیدی کی ہوتی ہے یعنی جس طرح قیدی میں بلندی، عزت اور آزادی کے بجائے احساسِ کمتری ذلت اور غلامی کا تصور پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح مقروض میں یہ باتیں پیدا ہو جاتی ہیں، ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کچھ نصیحت فرمائی جس میں یہ بھی فرمایا کہ قرض کم لیا کرو، آزاد ہو کر زندہ رہو گے (بیہقی)

آپؐ صحابہ کو قرض کی ادائیگی کی دعا کی تلقین فرمایا کرتے تھے، حضرت علیؓ کو ایک بار یہ دعا سکھائی۔

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ	اے اللہ! اپنے حلال رزق کے ذریعہ حرام
عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ	سے بچا اور اپنے فضل سے مجھ کو ان لوگوں
عَمَّنْ سِوَاكَ۔	سے بے نیاز کر دے جو تیرے سوا ہیں۔

آپؐ نے سونے جاگنے نماز پڑھنے اور دوسرے اوقات میں قرض سے پناہ مانگنے اور اس کی ادائیگی کی تعلیم کئی مقصد سے فرمائی، ایک یہ کہ مقروض آدمی کے ذہن میں ہر وقت یہ بات تازہ رہے، کہ اس کو قرض ادا کرنا ہے ——————— دوسرے یہ کہ وہ صرف اپنی قوتِ بازو ہی پر اعتماد نہ کرے بلکہ اس کو خدا سے توفیق بھی طلب کرتے رہنا چاہیئے، ورنہ ممکن ہے کہ وہ ادا کرنے کی کوشش کرے اور کامیاب نہ ہو۔

قرض کے سلسلہ میں اسلامی حکومت کی ذمہ داری

قرض دینے کے سلسلہ میں اسلامی حکومت پر بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ۔

ضرورت مندوں کو بیت المال (سرکاری خزانہ) سے غیر سودی قرضے دے اور اگر وہ ادا نہ کرسکیں تو اصل رقم بھی معاف کر دے، ابتدائے اسلام میں جب تک مہاجرین و انصار تنگدست تھے، اور اسلامی حکومت کا بیت المال خالی تھا، اس وقت تک آپ مردہ مقروض کے جنازہ میں اس لئے توقف فرماتے تھے کہ اعزا و اقارب یا معاشرہ کے خوش حال افراد سبقت کرکے اس کا قرض ادا

کردیں، لیکن جب بیت المال میں کچھ رقم جمع ہونے لگی، تو پھر آپؐ نے تنگدست مقروض کے قرض کی ادائیگی حکومت کے ذمہ دار اور نبی کی حیثیت سے اپنے ذمہ لے لی، حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں، کہ ابتدا میں تو آپؐ مقروض مردہ کی نماز جنازہ میں اس وقت تک توقف فرماتے تھے جب تک کوئی ادا نہ کر دے مگر

فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ۔

(ابوداؤد، نسائی)

جب اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی اور آپؐ کے پاس مال آنے لگا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں (یعنی حکومت) ہر مومن کا اس کی جان اور اپنوں سے بھی زیادہ ذمہ دار اور ہمدرد ہوں، تو جو شخص قرض چھوڑ کر مرے اس کی ذمہ داری مجھ پر یعنی حکومت پر ہے اور جو کچھ وہ مال چھوڑ کر مرے وہ اس کے ورثہ کا حق ہے۔

حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ جو لوگ دوسروں سے قرض لے کر ادائیگی کی قدرت ہوتے ہوئے ٹال مٹول کرتے ہیں، ان سے بجبر قرض وصول کرائے۔

یعنی حکومت نہ تو خود کسی کا حق مارے گی اور نہ دوسروں کے حق کو حتی الامکان ضائع ہونے دے گی۔

حکومت کی یہ ذمہ داری صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی تک نہیں تھی، بلکہ عہدِ خلافتِ راشدہ اور بعد کے زمانوں میں بھی اس پر عمل کیا گیا ہے اس تعلیم ہی کا یہ اثر ہے کہ آج بھی مسلم معاشرہ میں بلا سودی قرض دینے کا جتنا رواج ہے اتنا کسی معاشرہ میں نہیں ہے۔

قرض کے معنی اور اس کی تعریف

قرض اور ادھار کے لئے عربی میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک قرض، دوسرے دَین، دین کے لفظی معنی بدلہ کے ہیں یعنی اس لفظ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ قرض دے کر آدمی صرف اس کا پورا پورا بدل ہی لے سکتا ہے، زیادہ یا کم نہیں، قرض کے معنی کاٹ دینے کے ہیں، اسی لئے قینچی کو عربی میں

مقراض کہتے ہیں، جو آدمی قرض یا اُدھار کوئی چیز یا رقم دیتا ہے وہ اپنی آمدنی یا جمع شدہ رقم کا ایک حصّہ کاٹ کر اس کو دیتا ہے اور غالباً اس لئے بھی اس کو قرض کہتے ہیں، کہ اگر قرض خواہ اور قرض دار شرعی حدود کی پابندی نہ کریں، تو پھر دونوں کے تعلقات کو یہ چیز کاٹ دینے کا سبب بھی ہوتی ہے، اس لئے یہ ضرب المثل بن گئی ہے کہ، القرض مقراض المحبۃ (قرض محبت کو کاٹ دیتا ہے) دَین کا لفظ ذرا عام ہے اور قرض کا لفظ خاص ہے، یعنی قرض محض اس نقد یا جنس کو کہیں گے جو کسی کو واپسی کے لئے دی جائے اور دین ہر طرح کے بقایا کو کہتے ہیں، مثلاً آپ نے کوئی چیز خریدی اور قیمت باقی ہے تو اس کو قرض نہیں کہیں گے، اسی طرح آپ نے قیمت لے لی، مگر مال ابھی نہیں دیا تو یہ مال آپ کے ذمہ دین ہوا اس کو قرض نہیں کہیں گے، غرض یہ کہ ہر قرض کو دین تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر دین کو قرض نہیں کہہ سکتے، اوپر قرض خواہ اور قرضدار دونوں کی اخلاقی ذمہ داریوں اور ہدایتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اب دونوں کی قانونی ذمہ داریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قرض اور اُدھار کا معاملہ لکھ لینا چاہئے

قرآن و حدیث دونوں میں قرض و ادھار معاملہ کو لکھ لینے کی تاکید آئی ہے گو کہ نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، کیونکہ یہ تاکید صرف اس لئے دی گئی ہے کہ دونوں کو اطمینان رہے اگر بغیر لکھے ہوئے بھی یہ اطمینان حاصل ہو جائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

قرض دینے والے کو ہدایتیں

(۱) اوپر قرض دینے کی فضیلت اور اس سلسلہ میں اسلامی حکومت کی جس ذمہ داری کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ افراد کے لئے قرض دینا تو ان کی طرف سے ایک تبرّع اور انعام ہے، اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود قرض نہ دے تو اخلاق و دیانت کے اعتبار سے وہ مجرم ضرور قرار پائے گا، مگر اس پر کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا، کہ وہ لامحالہ قرض دے ہی دے، مگر اجتماعی ذمہ داری جس کی نمائندگی حکومت کرتی ہے اس کا فرض ہے کہ وہ بہرحال بے سہارا افراد کی مدد کرے خواہ صدقہ دے کر یا قرض دے کر

(۲) قرض خواہ چاہے حکومت ہو یا افراد ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس قرض پر حد نہیں سود سے

مراد وہ متعین رقم ہے، جو آدمی کسی مال یا چیز کے بدلہ میں بغیر کسی عوض کے دیتا یا لیتا ہے، سود خواہ قرض دینے کے عوض میں لیا جائے، جیسے مہاجنی سود یا روپے سے منفعت اُٹھانے کی وجہ سے، کوئی شخص یا کوئی ادارہ یہ رقم دے جیسے تجارتی اور بینک و ڈاک خانہ کا سُود یہ سب ناجائز ہے، اسلامی شریعت کا یہ اصول ہے۔

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا — جو قرض نفع کھینچ لادے وہ سود ہے

۳۔ نفع اُٹھانے کی کچھ صورتیں تو وہ ہیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں، اس کی اور بھی بے شمار قسمیں ہیں، غرض قرض سے نفع اٹھانے میں ہر طرح کا مادّی یا غیر مادّی نفع سود میں داخل سمجھا جائے گا، مثلاً قرض خواہ قرض دار سے اپنی نیاز مندی کرانا چاہے، یا تحفہ تحائف کا طلبگار ہو، تجارت اور دوسرے معاملات میں رعایت چاہے تو یہ تمام صورتیں ناجائز اور بعض حرام ہیں، اوپر ذکر آچکا ہے کہ ایسی تجارت یا خرید و فروخت مکروہ یا باطل ہے، جس میں مقروض سے فائدہ اٹھایا جائے قرآن میں قرض حسنہ کی تعریف بیان کی گئی ہے، یعنی ایسا قرض جس میں نہ سود ہو اور نہ مدت کی تعیین ہو، اور نہ اظہار احسان ہو، اس طرح قرآن میں کسی کی مدد کرکے یا کسی کی ضرورت پوری کرکے احسان کرنے والوں کے مال کو چٹان کے اوپر کی مٹی سے تشبیہ دی گئی ہے، کہ ایک ہلکی سی بارش سے وہ دُھل جاتی ہے، اسی طرح حدیث میں ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

إِذَا أَقْرَضَ أَحَدُكُمْ قَرْضًا فَأَهْدَى إِلَيْهِ أَوْ حَمَلَهُ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ قَبْلَ ذَالِكَ۔ (ابن ماجہ، بیہقی)	جب کوئی کسی کو قرض دے تو مقروض اگر اس کے پاس کوئی ہدیہ بھیجے یا اسے اپنی سواری پر سوار کرے تو اس کو نہ تو سواری استعمال کرنا چاہیے اور نہ اس کا ہدیہ قبول کرنا چاہیے، البتہ اگر قرض دینے سے پہلے سے اس کے تعلقات ہوں اور تحفہ تحائف دینے کا معمول رہا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قرض کے بیان میں نہیں بلکہ سود کے بیان میں ذکر کیا ہے، گویا مقروض کا ہدیہ بھی ایک طرح کا سود ہے۔

۴۔ قرض خواہ نے قرض ادا کرنے کی اگر کوئی مدت مقرر کر دی ہے تو مدت گزرنے سے پہلے بھی وہ تقاضا کر سکتا ہے۔ گو اخلاقاً ایسا نہ کرنا چاہیئے، مگر قانوناً اس کو اس کا حق ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کو شدید ضرورت پیش آگئی ہو، قرض دار قرض ادا نہ کر سکے تو قرض خواہ اگر اس کو مزید مہلت دینا نہیں چاہتا تو اس کو یہ حق ہے، کہ وہ سختی سے وصول کرے، گو اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص ابھی دینے کے قابل نہ ہوا ہو اس کو مزید مہلت دے مگر قانوناً اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، ایک بار خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی جانور قرض لیا تھا، ادائیگی کی مدت گزر گئی تو اس نے ذرا سختی سے تقاضا کیا، صحابہؓ کو اس کی یہ بدتمیزی بُری معلوم ہوئی مگر آپؐ نے فرمایا کہ :۔

دَعُوْهُ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً　　　صاحب حق کو سخت کلامی کا حق حاصل ہے

اس کے بعد آپؐ نے صحابہ سے کہا کہ ایک جانور اس سے اچھا خرید کر اس کو دے دو، چنانچہ دے دیا گیا۔　　　(بخاری و مسلم)

۵۔ اگر مقروض قرض ادا کر دینے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کے باوجود ادا نہیں کرتا ہے، تو پھر اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ :۔

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ　　　غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے

لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهٗ وَ　　　روپے رکھتے ہوئے ٹال مٹول کرنے والے

عُقُوْبَتَهٗ　(ابوداؤد و نسائی)　　　کی عزت اور سزا حلال ہو جاتی ہے۔

یعنی قرض خواہ ایسے شخص کو بُرا بھلا کہہ سکتا ہے، اس کے ساتھ سختی کر سکتا ہے، اس کو مشتہر کر سکتا ہے اس کے خلاف دعویٰ کر کے سزا دلوا سکتا ہے۔

چنانچہ اسی بنا پر فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص تنگدست یا مجبور ہو اس کو تو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی، لیکن اگر قرض کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوئے کوئی شخص ٹال مٹول کرے تو پھر اس کو قید بھی کیا جا سکتا ہے، اس بارے میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ تو کہتے ہیں کہ خوش حال اور بدحال میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا، بلکہ دونوں حالت میں سزا دی جا سکتی ہے، مگر دوسرے ائمہؒ تنگدست اور بدحال کو قید کرنے کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ یہ سزا انھوں نے صاحبِ قدرت ہی کے لئے

مقرر کی ہے، حدیث نبوی سے بظاہر ان ائمہ کرام ہی کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ کسی غریب نے قرض لے کر ہڑپ کر جانا ہی اپنا پیشہ نہ بنا لیا ہو اگر ایسا ہے تو اس کو امام صاحب کے قول کے مطابق بہر حال سزا دی جائے گی۔

قرض لینے والے کو ہدایتیں

۱۔ قرض کسی ہنگامی یا انتہائی شدید معاشی ضرورت کے وقت لینا چاہیئے، اگر کوئی شخص بغیر کسی شدید ضرورت کے یا فضول خرچی یا تعیش کے لئے قرض لینا چاہے، تو اس کو نہ تو معاشرہ کے افراد کو قرض دینا چاہیئے اور نہ حکومت اس کو قرض دے گی، بلکہ ایسے شخص کو حکومت سزا بھی دے سکتی ہے، کیونکہ تعیش پسند اور فضول خرچ آدمی قرض لینے کے بعد اس کو مشکل ہی سے ادا کر سکتا ہے، اور اس طرح بہت سے لوگوں کا حق اور روپیہ مارا جائے گا۔

۲۔ جوں ہی قرض ادا کر سکنے کے قابل ہو فوراً اسے ادا کر دینا چاہیئے اوپر حدیث آچکی ہے، کہ جس کو مقدور ہو اور وہ ادا نہ کرے تو وہ ظالم ہے، اس کی بے عزتی و بے آبروئی بھی کی جاسکتی ہے۔

۳۔ اگر قرض خواہ خود ضرورت مند ہو جائے تو قرضدار کو اپنی جائداد اور گھر کا اثاثہ بیچ کر بھی اس کا قرض ادا کرنا چاہیئے، حضرت معاذؓ طبعاً بڑے سخی تھے، ان کے پاس کچھ رقم آئی انھوں نے خرچ کر دیا، چنانچہ وہ بالکل قرض میں ڈوب گئے، ہر طرف سے قرض خواہوں نے مطالبہ شروع کیا، آپ نے ان لوگوں سے غالباً قرض چھوڑ دینے کے لئے کہا مگر وہ راضی نہیں ہوئے، چنانچہ معاملہ خدمتِ نبوی میں آیا، ان کے پاس جو کچھ تھا آپ نے وہ سب فروخت کر کے قرض خواہوں کا قرض ادا کیا، اور حضرت معاذ کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ (منتقیٰ)

۴۔ اگر ضرورت ہو تو معاشرہ کے افراد سے چندہ کر کے بھی قرض خواہ کی رقم واپس کی جاسکتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک صحابی کا قرض صحابہ کی مدد سے ادا کرایا تھا۔ (مسلم)

یہ اُس وقت کا حکم ہے جب کوئی اجتماعی ادارہ یا حکومت اس کی ذمہ داری نہ لے، اور پھر ایسا کرنا اسی وقت صحیح ہوگا، کہ جب قرض دار کے حالات ایسے ہوں کہ وہ دے نہ سکتا ہو اور قرض خواہ کو شدید ضرورت ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ نہ ہو۔

۵ - معاشرہ کے آسودہ حال افراد کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اگر کوئی تنگدست قرض خواہوں سے بچنے کے لئے ان کو ذمہ دار اور ضامن بنائے، تو وہ ضامن بن جائیں، اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

کونسی چیزیں قرض میں لی دی جاسکتی ہیں

قرض کے لینے یا دینے میں یہ شرط ہے کہ جیسی چیز لی جائے، حتی الامکان ویسی ہی واپس کی جائے، اس لئے ایسی تمام چیزیں، جن کے مثل دوسری چیزیں گن کر یا تول کر یا ناپ کر آسانی سے واپس کی جاسکتی ہیں، ان کو قرض کے طور پر لیا دیا جاسکتا ہے مثلاً آپ کسی سے چند روپے یا چند آنے قرض لیں، تو آپ اِتنے روپے یا آنے آسانی سے واپس کر سکتے ہیں۔

یا مثلاً آپ کے گھر میں مہمان آگیا اور آپ نے اپنے پڑوس سے گھی تیل، آٹا تول کر یا ناپ کر یا روٹی انڈا یا اور کوئی چیز بطور قرض منگالی اور پھر بازار سے منگا کر دے دیا، تو یہ بھی جائز ہے، اور آپ نے اس کی قیمت ادا کر دی تو یہ بھی جائز ہے، اسی طرح اگر آپ نے کسی سے ایک من گیہوں یا دس گز کپڑا ادھار لیا، تو آپ اسی طرح کا ایک من گیہوں بھی واپس کر سکتے ہیں، اور دس گز کپڑا بھی اور اگر آپ نے گیہوں یا کپڑا نہ ادا کیا تو قیمت بھی ادا کر سکتے ہیں، لیکن اگر وہ کپڑا ایسا ہے کہ بازار میں اس کی طرح کا کپڑا ملنا مشکل ہے تو آپ وہ کپڑا قرض نہیں لے سکتے، مقصد یہ ہے کہ ایسی چیز جو بازار میں مل سکتی ہو اور اس کی قیمت آسانی سے لگائی جاسکتی ہو وہی قرض میں لی جاسکتی ہے۔

ضروری ہدایتیں

اس سلسلہ میں حسب ذیل باتیں ذہن نشین رہنی چاہئیں۔

(۱) قرض میں لی ہوئی چیز اگر بازار میں گراں یا ارزاں ہو جائے تو اس کا اثر قرض پر نہیں پڑے گا، مثلاً کسی نے دو من گیہوں یا ایک من شکر یا گڑ قرض لیا، اور اس وقت گیہوں، شکر، اور گڑ کا بھاؤ سستا تھا اس کے بعد پھر جب ادائیگی کا وقت آیا تو گراں ہو گیا، تو اس کا کوئی اثر ادائیگی پر نہیں پڑے گا، قرض دار کو اتنا ہی گیہوں، شکر، گڑ، ادا کرنا ضروری ہو گا، اور اگر قرض خواہ راضی ہو جائے تو پھر قیمت بھی وہ لے سکتا ہے۔

(۲) اگر کسی نے ایک ایک روپے کے سَو نوٹ یا ریزگاری قرض میں لی تو یہ ضروری نہیں ہے

کہ قرضدار ریزگاری یا ایک ایک کے نوٹ ہی دے، بلکہ اس کو روپے دینا چاہیئے، خواہ نوٹ دے یا دھات کے روپے یا سو روپیہ کا نوٹ سب جائز ہے۔

(۳) جو چیز جہاں جس طرح بکتی یا لی دی جاسکتی ہو، اسی طرح دینی اور لینی چاہیئے، مثلاً اگر کوئی چیز کہیں گن کر بکتی ہے، مثلاً انڈے، سنترے وغیرہ تو یہ چیزیں گن ہی کر واپس کی جانی چاہئیں، اگر کوئی چیز تول کر بکتی ہے مثلاً گیہوں، تیل، مسالہ، میدہ وغیرہ تو تول ہی کر واپس کی جائیں، اسی طرح جو چیزیں جہاں ناپ کر بکتی ہیں، مثلاً کپڑا، سیمنٹ، چونا وغیرہ وہ ناپ ہی کر واپس کی جائیں گی۔

(۴) اگر کوئی چیز دونوں طرح سے بکتی ہے تو جس طرح بکتی ہے اسی طرح سے واپس کی جائے گی، مثلاً کاغذ اگر دو چار دستے بکتے ہیں تو گن کر اور ریم کے اعتبار سے بکتے ہیں تو وزن کر کے، تو جس طرح لیا ہے اسی طرح واپس کرنا چاہیئے یا آٹا اگر وزن کے بجائے ناپ کر قرض لیا تو ناپ ہی کر واپس کرنا چاہیئے۔

(۵) جس جگہ پر قرض لیا گیا ہے، قرض خواہ اپنا وہ قرض دوسری جگہ بھی لے سکتا ہے، مثلاً اگر کسی نے لکھنؤ میں قرض لیا اور قرض خواہ نے بمبئی میں اس سے مطالبہ کیا تو قرض دار یا تو وہیں قرض ادا کردے، یا پھر کوئی ضامن دے کہ میں لکھنؤ جاکر قرض ادا کر دوں گا یہ اس صورت میں ہے جب قرض روپے پیسے ہوں، لیکن اگر قرض نقد کے بجائے جنس ہے، مثلاً غلہ، کپڑا، اینٹ پتھر وغیرہ تو پھر قرض خواہ دوسری جگہ مثلاً بمبئی میں اگر مطالبہ کرتا ہے تو قرضدار کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جنس وہاں ادا کرے بلکہ وہاں وہ قیمت بھی دے سکتا ہے قرض خواہ اگر لینا چاہے تو قیمت لے لے کیونکہ کسی غیر جگہ پر کسی جنس کا ادا کرنا دشوار ہے، البتہ اگر قرض دار وہی جنس دینا چاہتا ہے، مگر لکھنؤ پہنچ کر تو اس کو ضامن دینا پڑے گا کہ وہاں جاکر ضرور دیدے گا، قیمت ادا کرنے کی صورت میں اس کو وہی قیمت دینی پڑے گی، جو اس چیز کی لکھنؤ میں ہے، بمبئی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، مثلاً اگر ایک من غلہ اس نے لکھنؤ میں قرض لیا اور قرض خواہ نے اس کا مطالبہ بمبئی میں کیا، تو گیہوں کا جو بھاؤ لکھنؤ میں ہوگا اسی کا اعتبار کیا جائے گا بمبئی کے بھاؤ کا نہیں۔

(۶) جو چیز قرض لی ہے اگر وہ بازار میں نہیں ملتی، تو اگر کچھ دن میں مل جانے کی اُمید ہے تو پھر قرض خواہ یا تو اس وقت کا انتظار کرے یا پھر اگر دونوں قیمت دینے اور لینے پر راضی ہوجائیں، تو پھر

قیمت ادا کر دی جائے۔

(۷) قرضدار جو چیز قرض میں لیتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اس لئے قرض لی ہوئی چیز کو قرض خواہ یا کسی اور کے ہاتھ بیچنا چاہے تو وہ بیچ سکتا ہے، کیونکہ جو چیز وہ بیچ رہا ہے وہ اُس کا مالک ہے لیکن اگر قرض خواہ وہ چیز بیچنا چاہے جو اس نے قرض میں دے دی تو وہ نہیں بیچ سکتا، کیونکہ وہ مالک نہیں ہے، اسی طرح قرض دار دوسرے تصرفات بھی کر سکتا ہے۔

(۸) قرض میں کوئی شرط لگانا گناہ ہے، یہ شرط بیکار سمجھی جائے گی مثلاً کسی نے یہ شرط لگائی کہ میں اس شرط پر قرض دیتا ہوں کہ تم مجھ کو فلاں چیز دینا، یا میرے ہاتھ فلاں چیز فروخت کر دینا یا یہ قرض مجھے فلاں جگہ ادا کرنا، یہ سب شرطیں بے کار ہیں قرضدار ان میں سے کسی کا پابند نہیں ہے۔

(۹) جو چیز قرض میں لی تھی اس سے بہتر یا کمتر چیز اگر قرضدار واپس کرتا ہے تو یہ قرض خواہ کی مرضی پر ہے کہ وہ اسے لے یا نہ لے۔

(۱۰) قرضدار اگر قدرت کے باوجود قرض نہیں ادا کرتا تو قرض خواہ اس کی اسی طرح کی کوئی چیز اگر چاہے تو اجازت کے بغیر بھی اپنے قرض میں لے سکتا ہے، مثلاً کسی نے گیہوں یا روپیہ قرض لیا ہے مگر ہوتے ہوئے ادا نہیں کر رہا ہے تو اگر کہیں اس کا گیہوں یا روپیہ ہاتھ لگ جائے تو لے سکتا ہے، لیکن اگر اس سے بہتر یا اس جنس کی چیز نہ ہو تو نہیں لے سکتا، مثلاً گیہوں کے بجائے کپڑا یا روپیہ کے بدلے گیہوں نہیں لے سکتا۔

کِفالت

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو روپے قرض لینے کی ضرورت ہوتی ہے، یا اس کو کوئی چیز ادھار خریدنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور وہ لے لیتا ہے مگر اس کو ادائگی کی استطاعت نہیں ہوئی، قرض خواہ پریشان کر رہا ہے، تو اس تقاضے سے بچنے کے لئے دوسرے آدمی کو بطور ضمانت پیش کرتا ہے اور دوسرا آدمی یہ ذمہ داری لے لیتا ہے، کہ اگر اس نے نہ دیا، تو میں دوں گا، اب

قرض خواہ کو کچھ اطمینان ہو جاتا ہے کہ میرا روپیہ مارا نہیں جائے گا، اسی طرح ایک مجرم ہے جس کو عدالت اس وقت تک قید رکھنا چاہتی ہے، جب تک اس کے جرم کی تحقیق نہ ہو جائے اب وہ مجرم ایک آدمی کو بطور ضمانت پیش کرتا ہے اور عدالت اس کی ضمانت مان کر اس کو رہا کر دیتی ہے، کہ جب ضرورت ہوگی، ضامن حاضر عدالت کر دے گا، اس طرح وہ کچھ دنوں کے لئے آزاد ہو جاتا ہے، اسی طرح کی ضمانت لینے کو شریعت میں کفالت کہتے ہیں۔

کفالت کا ذکر قرآن وحدیث دونوں میں ہے، اوپر ذکر آچکا ہے کہ حضرت قتادہؓ نے ایک مقروض صحابی کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لے لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، مگر جب بیت المال میں فراخی آگئی تو آپؐ نے اعلان فرمایا کہ ہر مقروض کے قرض کی کفالت بیت المال کے اوپر ہے۔

تعریف کسی مال کی ادائیگی یا کسی شخص کے وقت پر حاضر کر دینے کی ذمہ داری لینے کو کفالت کہتے ہیں۔

اصطلاحات

۱۔ کفیل ذمہ داری وضمانت لینے والے شخص کو کہتے ہیں۔

۲۔ اَصیل یا مکفول عنہ جس کے ذمہ رقم باقی ہو اور وہ کسی کو کفیل بنائے۔

۳۔ مکفول لہٗ جن کا مطالبہ یا قرض باقی ہو۔

۴۔ مکفول بہٖ۔ وہ مال یا وہ شخص جس کی کفالت کی گئی ہو۔

کفالت کا طریقہ کفالت کا طریقہ یہ ہے کہ کفیل، مکفول لہٗ، یعنی حقدار سے کہے کہ آپ کی جو رقم یا جو مال فلاں کے ذمہ باقی ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں تو اب اس کی ذمہ داری ہو گئی اب اگر اصیل یعنی قرضدار اس کو ادا نہ کرے تو اس کے ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل پر ہوگی، اس کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ مطلقاً یہ ذمہ داری لے لے کہ میں اس کو ادا کر دوں گا، تو اب حقدار چاہے کفیل سے مطالبہ کرے یا اصیل سے اس کو دونوں کا حق ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے کہا کہ اگر اس نے نہ دیا تو میں دوں گا تو مکفول لہٗ یعنی حقدار پہلے اصیل سے مطالبہ کرے اگر وہ ادا نہ کرے تو اس کے بعد پھر کفیل سے مانگے۔

۲۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مکفول لہ نے اصیل کو ایک ماہ کی مہلت دی ہے یا ایک سال کے وعدہ پر اس نے قرض دیا، تو وہ ایک ماہ تک یا ایک سال کفیل سے مطالبہ نہیں کر سکتا، اس مدت کے بعد تو وہ کفیل سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

کفالت کے صحیح ہونے کے شرائط

(۱) کفالت اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے، جب کفیل اور اصیل دونوں عاقل اور بالغ ہوں۔

۲۔ اگر مکفول بہ کوئی شخص ہے تو اس کا نام پتہ اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے، لیکن اگر مکفول بہ مال ہے تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا اور بتانا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں فلاں کے قرض کا ذمہ دار ہوں یا فلاں مال کا ذمہ دار ہوں۔

۳۔ مکفول بہ یعنی وہ مال ایسا ہو کہ اصیل خود اس کا ضامن بن سکے، اب اگر کوئی رہن رکھی ہوئی چیز یا عاریۃً لی ہوئی چیز میں کفالت کرے تو صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ مرتہن اور مستعیر پر اس کے تلف ہو جانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، راہن اور عاریت دینے والے کو خود سمجھ بوجھ کر دینا چاہیے کسی کو کفیل بنانا صحیح نہیں ہے، اسی طرح امانت و ودیعت میں بھی کفالت صحیح نہیں ہے۔ (المجلہ ص ۹۲)

کفیل کی ذمہ داریاں

(۱) اگر کفیل نے کسی شخص کی ضمانت لی ہے تو وقت مقررہ پر اس کو حاضر کرنا ضروری ہوگا، اگر اس نے حاضر نہ کیا تو اس وقت تک وہ قید کر لیا جائے گا جب تک وہ اس کو حاضر نہ کرا دے، یہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کی رائے ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اگر اس نے حاضر نہ کیا تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اس سے کچھ مال بطور تاوان لیا جائے گا۔

۲۔ اگر کفیل یا اصیل یعنی جس کی کفالت کی ہے وہ مر جائے تو کفالت کی ذمہ داری ختم ہوگی۔

۳۔ لیکن اگر مکفول لہ یا مدعی مر جائے تو اس کی کفالت ختم نہیں ہو گی۔

۴۔ حدود و قصاص اور سزائیں کسی کی نیابت و کفالت صحیح نہیں ہے، یعنی کسی کی سزا دوسرا نہیں بھگت سکتا۔

مالی کفالت کے سلسلہ میں کفیل کی ذمہ داریاں

(۱) کفیل کفالت کے مال کا ضامن ہوتا ہے

یعنی اصیل ادا نہ کرے گا تو اس کو دینا پڑے گا۔

۲۔ حقدار یعنی مکفول لہ چاہے اصیل سے مطالبہ کرے چاہے کفیل سے چاہے دونوں سے، کسی ایک کے مطالبہ کرنے میں اس کا حق دوسرے کے بارے میں ختم نہیں ہوتا۔

۳۔ اگر چند آدمیوں نے مل کر قرض لیا، مگر اس میں کوئی ایک آدمی ذمہ دار ہے تو صرف ذمہ دار ہی سے اس مشترک قرض کا مطالبہ نہیں ہوگا، بلکہ ان میں سے پوری رقم کا ہر ایک سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک آدمی نے ذمہ داری ضرور لی ہے، مگر وہ ذمہ داری اس نے سب کے لئے لی ہے، محض اپنی ذات کے لئے نہیں لی ہے۔

۴۔ اگر ایک کے بجائے کئی آدمی کسی کے کفیل بن جائیں تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ الگ الگ دو یا تین آدمیوں نے یہ کہا کہ ہم اس کے کفیل ہیں، تو مکفول لہ ان میں سے ہر ایک سے پوری رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ چند آدمیوں نے مل کر اکٹھا ذمہ داری لے لی، کہ فلاں کے قرض کے ہم ذمہ دار ہیں تو ان میں سے ہر ایک پر وہ قرض بانٹ دیا جائے گا، اور جس کے حصہ میں جتنا آئے گا، ان سے وہ وصول کیا جائے گا، مثلاً خالد کے ایک ہزار روپے احمد کے ذمہ باقی ہیں، احمد کے چار دوستوں نے الگ الگ خالد سے کہا کہ اگر احمد نے نہ دیا تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں تو خالد ان میں سے جس سے چاہے ایک ہزار روپے مانگ سکتا ہے، لیکن اگر وہ چاروں دوست ساتھ آئے اور انھوں نے مل کر خالد سے کہا کہ ہم سب ایک ہزار کے ذمہ دار ہیں، تو اب ہر ایک کے ذمہ ڈھائی سو روپیہ کی کفالت ہوئی خالد ان میں سے ہر ایک سے ڈھائی سو روپے کا مطالبہ کرسکتا ہے، کسی ایک سے ایک ہزار کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

۵۔ اگر کفیل نے اپنے پاس سے دینے کی ذمہ داری نہیں لی، مگر یہ کہا کہ میرے پاس مقروض کی امانت رکھی ہوئی ہے اگر وہ نہ دے گا تو میں اس کی امانت سے دیدوں گا تو اب وہ کفیل ہوگیا اور اب وہ امانت سے حقدار کا روپیہ دینے پر مجبور ہے، اگر یہ امانت اس کے پاس سے چوری ہوگئی یا کسی اور طرح ضائع ہوگئی، تو اب کفیل پر ذمہ نہیں ہے، لیکن اگر اس نے کفالت کرنے کے بعد وہ امانت رکھانے والے کو واپس کردی، تو پھر اس کو اپنے پاس سے وہ رقم دینی ہوگی۔

۶۔ اگر کفیل نے کسی شخص کو عدالت میں حاضر کرنے کی ضمانت لی اور اس شخص کے ذمہ عدالت کا کوئی مطالبہ ہے تو اگر وہ وقت پر حاضر نہ کر سکا تو اس مطالبے کے ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل پر ہوگی۔ جو دین کہ مُعجّل ہو یعنی اس کی ادائیگی بروقت کرنی ہو اس کی کفالت بھی مُعجل ہوگی اور جو دین کہ مُوجّل ہو یعنی اس کی ادائیگی کے لئے ایک یا دو ماہ یا سال دو سال کا وقت مقرر ہو تو اس کی کفالت بھی موجل ہوگی، غرض یہ کہ جن قیود کے ساتھ قرض یا بقایا ہوگا اسی قید کے ساتھ کفیل کی ذمہ داری ہوگی۔

۷۔ اگر مکفول لہٗ یعنی حق دار نے اصیل کو ادائیگی کی ایک مقررہ مدت دے رکھی ہے اور اس قرض کی کسی نے کفالت کرلی، مگر ادائیگی سے پہلے اصیل اپنے وطن سے دور کہیں باہر جانا چاہتا ہے اور واپسی کی مدت مقرر نہیں ہے تو اگر مکفول لہٗ نے حکومت کے سامنے درخواست دی کہ میرا قرض اسی وقت مل جانا چاہیئے تو کفیل قانونی طور پر مجبور کرسکتا ہے کہ وہ روپیہ دے کر باہر جائے۔

۸۔ کفیل نے جس طرح کی چیز کفالت میں ادا کی ہے اسی طرح کی چیز وہ اصیل سے واپس لے سکتا ہے، خواہ اس نے دائن یعنی مکفول لہٗ کو اچھی چیز دی ہو یا بری مثلاً اس نے ایک من لال گیہوں کی ضمانت لی، اور اس نے ایک من سفید گیہوں دائن کو دیا تو اب کفیل اصیل سے سفید گیہوں نہیں لے سکتا، بلکہ لال ہی گیہوں لے گا، اس لئے کہ اسی کی کفالت اس نے لی تھی اب اگر اس نے اپنی مرضی سے اچھا دے دیا تو اس کی ذمہ داری اصیل پر نہیں ہے، اسی طرح اس کے برعکس، یعنی اگر اس نے خراب دیا اور مکفول لہٗ نے لے لیا تو کفیل اصیل سے وہی وصول کرے گا جس کی اس نے کفالت لی ہے۔

۹۔ مالی کفالت میں کفیل یا اصیل یا دائن کے مرنے کا کوئی اثر کفالت پر نہیں پڑتا کفیل کو بہرحال ادا کرنا ہوگا، اگر نہ ادا کرے گا تو اس کے ترکہ سے وہ وصول کیا جائے گا۔

کفالت کن چیزوں میں ہو سکتی ہے

(۱) جس طرح جان و مال کی ادائیگی اور حاضری کی ضمانت و کفالت صحیح ہے، اسی طرح نقل و حمل کی بھی کفالت صحیح ہے۔

ریلوے ضامن ہے

(۲) جو لوگ ریل سے سفر کرتے ہیں انھوں نے جہاں تک کا ٹکٹ لیا ہے، یا اپنا مال جہاں لے جانے کے لئے بک کرایا ہے ریلوے اس مقام تک

پہنچانے کی ذمہ دار یعنی کفیل ہے، اب اگر گاڑی ٹھہر جائے یا گر پڑے اور مسافروں کی جان یا مال کا نقصان ہو جائے، یا ان کا ٹکٹ ریل کے حادثہ میں گم ہو جائے، تو اس کے نقصان کی تلافی ریلوے کو کرنی ہوگی، اور اس کو بغیر ٹکٹ اس مقام تک پہنچانا ہوگا اگر وہ اس کی تلافی نہ کرے تو قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے، البتہ اگر کسی کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ بلا ٹکٹ تھا تو اس کو پہنچانے کی کوئی ذمہ داری ریلوے پر نہیں۔

۳۔ اسی طرح جو مال یا سامان تاجر ریلوے کے ذریعہ منگاتے ہیں یا بھیجتے ہیں، ان سب کی ذمہ داری ریلوے پر ہے، یعنی اگر وہ گم ہو جائے یا ٹوٹ پھوٹ جائے تو اس کے نقصان کا ہرجانہ ریلوے کو دینا ہوگا اگر وہ نہ دے تو مال بھیجنے والا قانونی کارروائی کے ذریعہ لے سکتا ہے، اس کو شریعت میں اَلْکِفَالَۃُ بِالتَّسْلِیْمِ (کفالت نام ہے سپرد کر دینے کا) کہتے ہیں۔

ڈاک خانہ بھی کفیل ہے

اسی طرح جو خطوط، رجسٹری، منی آرڈر، بیمے، پارسل، ڈاک خانہ کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں، ڈاک خانہ ان سب کا کفیل ہے، یعنی اگر وہ گم ہو جائیں اور ان کا ثبوت مل جائے تو ڈاک خانہ کو ان کا ہرجانہ ادا کرنا ہوگا۔ اس کو اَلْکِفَالَۃُ بِالدَّرْکِ (کفالت نام ہے پا جانے کا) کہتے ہیں۔

کسی چیز کے پہنچانے کا بیمہ

اسی طرح اگر کوئی جہاز راں کمپنی یا بیمہ کمپنی اس بات کی ذمہ داری لے کہ یہ مال فلاں جگہ پہنچا دے گی اور اتنی فیس لے گی اور اگر مال ضائع ہو گیا تو اس کا تاوان اس کے ذمہ ہوگا، تو یہ بیمہ جائز ہے، جہاز راں کمپنی یا بیمہ کمپنی اس کی ذمہ دار ہوگی، البتہ جہاز راں کمپنی اور بیمہ کمپنی کی ذمہ داری میں تھوڑا سا فرق ہے، جہاز راں کمپنی بعض صورتوں میں اجیر مشترک اور بعض صورتوں میں امین بالاُجرت ہوتی ہے، اور بیمہ کمپنی ہر حال میں کفیل ہوگی۔

ضروری ہدایتیں

مگر اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں۔

ایک یہ کہ جتنا مال ہو صحیح صحیح اتنا ہی درج کرایا جائے، اگر اس نے غلط طور پر زیادہ مال دکھایا تو گناہ گار ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اس پر جان و مال کے اس بیمہ کو قیاس نہ کیا جائے جو آج کل عام طور پر رائج

ہے، اس کی حقیقت سود و قمار ہے، جس کی تفصیل سود کے بیان کے سلسلہ میں آچکی ہے۔

مُردہ کی طرف سے کفالت اگر کوئی مقروض مرجائے، اور اس کے قرض کی ذمہ داری مرنے کے بعد دوسرا آدمی لے لے تو اس کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں، اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ترکہ میں کچھ چھوڑ گیا ہے تب تو اس کی کفالت صحیح ہے، اگر کچھ چھوڑ نہیں گیا ہے تو اس کی کفالت صحیح نہیں ہے، یعنی کفیل کو ادا نہ کرنا پڑے گا۔ مگر دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ مردہ کی طرف سے بھی کفالت جائز ہے، اس کے ثبوت میں یہ حضرات یہ حدیث نبوی پیش کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے مردہ مقروض کی ذمہ داری لی تھی، اور آپؐ نے ان سے ادا کرایا تھا حالانکہ اس مردہ نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا تھا، اور یہ اس لئے بھی جائز ہونی چاہیئے کہ مردہ کے قرض کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ "جب تک مُردہ کا قرض ادا نہیں کیا جاتا وہ ایک قیدی کے مانند پابند رہتا ہے" اس صورت میں ایک مسلمان اگر اس کو اس قید سے نجات دے دیتا ہے یہ انتہائی مناسب بات ہے۔

حَوالہ

جس طرح ایک غریب اور ضرورتمند آدمی کی حاجت روائی کے لئے اسلامی شریعت نے قرض لینے کی اجازت دی ہے اور جس طرح مدیون مقروض کے بار کو ہلکا پھلکا کرنے کے لئے اس نے کفالت کی اجازت دی ہے، اسی طرح قرض میں پھنسے ہوئے آدمی کے لئے آسانی کی ایک اور صورت بھی پیدا کی ہے اس کو حوالہ کہتے ہیں۔

حوالہ کے معنی اور اس کی شرعی تعریف حوالہ کے لفظی معنی اپنی ذمہ داری کو کسی دوسرے پر ڈال دینے کے ہیں، مگر شریعت میں:

نَقْلُ الدَّيْنِ مِنْ ذِمَّةٍ إِلٰى ذِمَّةٍ — اپنے قرض کی ذمہ داری کو دوسرے کی طرف منتقل کر دینے کو حوالہ کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ کے آسودہ حال افراد کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اگر کوئی اپنے قرض کی ذمہ داری اس کے سر ڈالے تو ان کو یہ ذمہ داری قبول کرلینی چاہیے، آپ نے فرمایا کہ:۔

مَطَلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ وَإِذَا اُتْبِعَ اَحَدُکُمْ عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ (ابو داؤد)	مال دار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب کوئی نادار کسی آسودہ حال کے ذمہ اپنا قرض ڈالنا چاہے تو آسودہ حال کو یہ ذمہ داری قبول کرلینی چاہیے۔

حوالہ ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کا حوالہ قبول نہ کرے تو اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی تو نہیں کی جاسکتی، لیکن اس نے ایک اخلاقی فرض میں کوتاہی کی اور اس کو ایک اخلاقی فرض سمجھ کر ادا کرنا چاہیے خواہ اس میں کچھ مالی نقصان ہی کیوں اٹھانا پڑے۔ اور جب وہ قبول کرلے گا تو پھر اس کی ادائگی اس پر ضرور ہوگی، اس سے مفر کی بعض صورتیں ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

بعض ضروری اصطلاحیں اس سلسلہ میں بعض ضروری اصطلاحوں کا یاد کرلینا ضروری ہے ان کا ذکر بار بار آئے گا، اور ان کے بغیر حوالہ ہو ہی نہیں سکتا۔

۱۔ مُحِیل یا مَدیُون یعنی وہ شخص جو اپنے ذمہ کی رقم دوسرے کے ذمہ ڈالنا چاہتا ہے۔

۲۔ مُحتال یا مُحال لہٗ یا دائن یعنی رقم پانے والا یا وہ شخص جس کی رقم مُحِیل کے ذمہ باقی ہے۔

۳۔ مُحتال علیہ یا مُحال علیہ جس نے محیل کی بقایا یا قرض رقم کی ادائگی کی ذمہ داری لی ہے۔

۴۔ محتال بہٖ یا مُحال بہٖ یعنی وہ رقم جس کا حوالہ کیا گیا ہو۔

مثال کے طور پر خالد کے ذمہ احمد کے ایک ہزار روپے باقی ہیں، اب خالد نے ایک تیسرے آدمی طارق سے یہ کہا کہ آپ احمد کے روپے کی ذمہ داری لے لیجیے میں اس وقت ادا نہیں کرسکتا، اب اگر طارق نے اسے قبول کرلیا تو خالد کو مُحِیل اور احمد کو مُحتال یا محال لہٗ طارق کو محتال علیہ یا محال علیہ اور ایک ہزار روپے کو محتال بہٖ یا محال بہٖ کہیں گے اور پورے معاملہ کو حوالہ کہیں گے۔

کفالت اور حوالہ میں فرق کفالت اور حوالہ میں فرق یہ ہے کہ کفالت میں حقدار اصیل اور کفیل دونوں سے مطالبہ کرسکتا ہے، اور حوالہ میں مقروض سے

کوئی مطالبہ نہیں حقدار صرف محتال علیہ یعنی جس نے ذمہ داری لی ہے اسی سے مطالبہ کر سکتا ہے، چنانچہ اسی وجہ سے اگر کفالت میں یہ شرط لگادی کہ اصیل سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا، اور اُس کو سب نے قبول کرلیا تو اب یہ کفالت نہیں رہی، بلکہ حوالہ ہو گیا اسی طرح حوالہ میں یہ شرط لگادی کہ محتال علیہ کے ساتھ وہ محیل سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے، تو یہ حوالہ نہیں رہا بلکہ اب یہ کفالت ہو جائے گی۔

حوالہ کی قسمیں

حوالہ کی دو قسمیں ہیں (١) ایک حَوالہ مُقیّدہ یعنی محیل کا جو روپیہ کسی دوسرے کے ذمہ باقی ہے وہ اپنے قرض میں محتال کو دلا دے اس کی یہ صورت ہے کہ خالد احمد کا ایک ہزار روپے کا مقروض ہے، اور احمد طارق کا ایک ہزار کا مقروض ہے احمد نے خالد سے تقاضا کیا، خالد نے احمد سے کہا کہ میرے اتنے روپے طارق کے ذمہ باقی ہیں، تم ان سے لے لو، اب اگر احمد اور طارق نے منظور کر لیا، تو یہ حوالہ ہو گیا، اب احمد خالد سے نہیں طارق سے روپیہ طلب کرے گا، اب اگر جو روپیہ خالد نے طارق سے احمد کو دلوایا ہے وہ اتنا ہی ہے جتنا کہ احمد کا اس کے ذمہ باقی تھا، تو اب احمد خالد سے کچھ مانگ نہیں سکتا، لیکن اگر کم ہے تو اتنا وضع کرنے کے بعد بقیہ کا مطالبہ احمد خالد سے کرے گا، اور اگر خالد کا روپیہ احمد کے مطالبے سے زیادہ ہے تو بقیہ کا مطالبہ خالد طارق سے کرے گا۔

٢۔ دوسری قسم حوالہ مُطلقہ ہے یعنی اس صورت میں مُحیل کا کسی کے ذمہ کچھ باقی نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کسی کے حوالہ کرتا ہے، مثلاً خالد احمد کا مقروض ہے، اس نے طارق سے کہا کہ تم ہماری طرف سے اس کا روپیہ ادا کرادو، جب ہوگا میں دوں گا تو طارق نے اگر قبول کر لیا تو اب اس پر اس کی ادائیگی ضروری ہو گی۔

حوالہ کے ارکان

حوالہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ محتال (یعنی جس کو رقم دلانا ہے) اور محتال علیہ (جس سے دلانا ہے) دونوں کو خبر ہو اور دونوں راضی ہوں، اگر ان میں سے کسی کو خبر نہ ہو تو پھر یہ حوالہ صحیح نہ ہوگا۔

٢۔ حوالہ کرتے وقت مُحیل اور مُحتال کا موجود ہونا ضروری ہوگا لیکن اگر محتال علیہ موجود نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کو اطلاع دے کر اجازت منگالینی چاہیئے، جب تک اس کی اجازت نہ آجائے

حوالہ معلق رہے گا۔ (قاضی خاں)

حوالہ کے صحیح ہونے کی شرطیں

(۱) حوالہ کے صحیح ہونے کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ محیل محتال اور محتال علیہ تینوں عاقل بھی ہوں اور بالغ بھی، یعنی اگر ان میں سے کوئی بچہ یا پاگل ہو گا جس کو حکومت نے اپنی ملکیت میں تصرف سے روک دیا ہو یعنی (مجور) تو ان سب کا حوالہ باطل ہو گا۔

۲۔ جس قرض کی کفالت صحیح نہ ہو گی اس کا حوالہ بھی صحیح نہ ہو گا، مثلاً اپنی رکھی ہوئی چیز کا نہ تو حوالہ صحیح ہے اور نہ کفالت۔

۳۔ کفالت میں رقم کی یا دین کی مقدار معلوم ہو یا نہ ہو۔ کفالت صحیح ہو جاتی ہے۔ مگر حوالہ میں اگر رقم معلوم نہ ہو تو پھر حوالہ صحیح نہ ہو گا، مثلاً کسی نے کہا کہ یہ جو کچھ خریدیں گے اگر یہ ادا نہ کریں گے میں ادا کروں گا تو یہ کفالت صحیح ہے، لیکن اگر محیل محتال سے یہ کہے کہ جو میں خریدوں یا جو میں قرض لوں اس کی ذمہ داری آپ لے لیجئے، اور اس نے لے لیا تو صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کو بتانا ضروری ہے، کہ کس چیز کی کتنی رقم کا یہ حوالہ کر رہا ہے۔

(۴) جس طرح وہ قرض جو اس نے اپنی ذات کے لئے لے لیا ہے، اس کا حوالہ کر سکتا ہے اسی طرح وہ اگر کسی کا کفیل یا محتال علیہ ہے اور رقم ادا نہیں کر پاتا ہے، تو وہ بھی اس رقم کو کسی کے حوالہ کر سکتا ہے۔

حوالہ کا حکم

(۱) حوالہ کرنے کے بعد اب محتال صرف محتال علیہ سے مطالبہ کر سکتا ہے، محیل سے کوئی مطلب نہیں، اگر محیل کا کوئی کفیل ہے تو وہ بھی حوالہ سے بری۔

۲۔ محال علیہ محیل کی رقم ادا کرنے کے بعد اپنی رقم محیل سے وصول کر سکتا ہے، اگر محیل بغیر ادا کئے ہوئے مر جائے تو اس کے ترکہ سے یہ رقم وصول کی جائے گی اگر اس کے مال کے کچھ اور دائن یا حقدار نکلیں تو ان سب کو محال علیہ کے رقم دینے کے بعد بھی دیا جائے گا۔

۳۔ اگر محیل کا روپیہ کسی کے یہاں امانت رکھا ہے اور اس نے اسی کو محال علیہ بنایا یعنی اپنے قرض کی ادائگی کی ذمہ داری سونپی تو محال علیہ اس کا روپیہ ادا کر کے امانت کے روپیہ سے اپنا

روپیہ وصول کرسکتا ہے، اگر اس اثنا میں امانت کے روپے محتال علیہ سے ضائع ہوگئے تو اب حوالہ باطل ہوگیا، اب محتال محیل سے طلب کرے گا، لیکن اگر یہ امانت امانت باضمانت تھی تو پھر حوالہ اپنی جگہ پر باقی رہے گا۔

۴۔ اگر زید احمد کا مقروض ہے اور زید کا کچھ مال خالد کے پاس رکھا ہے اور زید خالد سے کہتا ہے کہ وہ اس کو بطور حوالہ لے لے اور بیچ کر اس سے احمد کا قرض ادا کردے تو اگر خالد نے منظور کرلیا تو اب خالد محتال علیہ ہوگیا، اب اس کو احمد یعنی محتال کا روپیہ ادا کرنا ضروری ہوگا، اور اگر ادا نہیں کرے گا تو قانونی طور پر اس کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔

۵۔ محال علیہ حوالہ کی رقم ادا کرنے سے پہلے محیل سے اس رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

۶۔ محیل نے محال علیہ سے جو چیز دینے کے لئے کہا تھا وہی چیز محیل سے واپس لے سکتا ہے اگر اس نے اپنی طبیعت سے کوئی چیز دی ہے تو وہ محیل سے نہیں لے سکتا، مثلاً محیل نے کہا کہ چار تولہ چاندی فلاں کو میری طرف سے دیدیجئے، اس نے چاندی کے بجائے اتنی ہی قیمت کا سونا دے دیا تو اب وہ چار تولہ کی قیمت کا سونا یا ایک تولہ سونا محیل سے مانگے تو یہ جائز نہیں ہے، وہ چار تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہی لے سکتا ہے اسی طرح دوسری چیزیں بھی ہیں۔

۷۔ اگر حوالہ کرنے کے بعد خود محیل ہی نے رقم ادا کردی تو ادا ہوگئی، اب محتال کو محتال علیہ سے مانگنے کا حق نہیں ہے۔

۸۔ محتال یا محتال علیہ کے مرنے سے حوالہ کا مطالبہ جاتا نہیں، محتال علیہ کے ترکے سے وہ رقم محتال کو دی جائے گی۔

غیر ملکی تجارت میں حوالہ اور کفالت کا فائدہ | روزمرہ کی ضروریات کے علاوہ دور دراز اور غیر ملکی تجارتوں میں تبادلۂ زر اور تبادلۂ جنس دونوں کے حوالہ اور کفالت دونوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں ہنڈیوں اور طلائی زر کے تبادلہ میں جو بٹہ کاٹنے کا عام رواج ہے، اسلامی شریعت کی رو سے یہ جائز نہیں ہے، بلکہ یہ سود ہے، اگر بغیر بٹہ کاٹے ہوئے کوئی رقم یا کوئی چیز کسی دوسرے ملک میں حوالہ

کی جائے تو یہ صحیح ہے، اس حوالہ میں محتال علیہ کا ہر وقت موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ بعد میں بھی اس کی اجازت منگائی جا سکتی ہے۔

رہن

ایک آدمی سفر میں ہے اور اس کو روپے کی ضرورت پیش آگئی ہے یا وہ اپنے وطن میں موجود ہے، اور اس کو روپے کی ضرورت ہو گئی، مگر اس کو کوئی جانتا نہیں، یا اس سے ادائیگی کی امید نہیں ہے اس لئے کوئی قرض نہیں دیتا تو اس کے لئے قرض ملنے کی ایک صورت شریعت نے یہ نکالی ہے کہ وہ اپنی کوئی چیز کسی کے پاس گروی رکھ کر اس سے روپیہ لے لے، اس طرح دائن یعنی قرض دینے والے کو بھی اطمینان ہو جائے گا کہ اس کا روپیہ مارا نہیں جائے گا، اور مدیون یعنی قرض لینے والے کی بھی ضرورت پوری ہو جائے گی۔

رہن ایک اخلاقی ذمہ داری ہے کسی شخص کو رہن رکھ کر روپے دینے پر مجبور تو نہیں کیا جا سکتا مگر اسلامی معاشرہ کے ہر آسودہ حال فرد کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے موقع پر اپنے ضرورت مند بھائی کی اگر بغیر ضمانت کے مدد نہیں کرتا تو اس کی آسان صورت یہ ہے، کہ اس کی کوئی چیز رہن رکھ لے اور اس کی مدد کر دے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ	اگر تم (قرض کا معاملہ کرتے وقت) کسی سفر میں ہو،
لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ	اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ایسی صورت میں
مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ	اطمینان کا ذریعہ) رہن رکھنے والی چیزیں ہیں، جو
بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ	(حقدار کے قبضہ میں دی جائیں، اور کوئی کسی کا
اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ	اعتبار کرلے (اور رہن میں کوئی چیز طلب نہ کرے) تو قرضدار

یا مدیون کو چاہیے کہ وہ قرض کی امانت صاحب حق تک پوری پوری پہنچا دے اور اپنے رب سے ڈرتا رہے۔

اس آیت میں سفر کی حالت میں رہن کا ذکر اس لئے کر دیا گیا، کہ عموماً سفر میں ایسی ناگہانی ضرورت پیش آتی ہے، ورنہ حضر میں بھی اسی طرح رہن جائز ہے جس طرح سفر میں۔

اس آیت میں جو بات دائن یعنی قرض دینے والے کے لئے کہی گئی ہے کہ اس کو اطمینان اگر بغیر رہن ہو جائے، تو اس کو قرض دیدینا چاہیئے، مگر اس صورت میں چونکہ روپے کے مارے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے قرضدار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جس طرح اس نے اعتبار کر کے روپیہ دے دیا تو تمہاری ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس روپیہ کو ایک امانت سمجھ کر جب ہو جائے فوراً واپس کر دو، مار نہ بیٹھو۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہؓ نے ضرورت کے وقت رہن رکھ کر قرض لیا ہے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ غلّہ کی ضرورت ہوئی تو آپؐ نے ایک یہودی سے تیس صاع یعنی تقریباً ڈھائی من غلہ ادھار لیا اور اس کے اطمینان کے لئے اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھ دی، چنانچہ آپ کی وفات ہوئی تو وہ زرہ یہودی کے یہاں رہن تھی (بخاری)

آپؐ نے فرمایا ہے کہ "رہن رکھ دینے سے راہن اس فائدے سے محروم نہیں کیا جاسکتا، جو اس چیز سے حاصل ہو"

آپؐ کا یہ ارشاد مبارک ایک قانونی دفعہ بھی ہے اور اخلاقی ہدایت بھی، قانونی دفعہ یہ ہے کہ مرتہن کو رہن سے کوئی فائدہ اٹھانا جائز نہیں، اگر وہ اٹھائے گا تو اس کو اس کا تاوان دینا ہوگا اس کی قانونی حیثیت کی تائید آپؐ کے اُس ارشاد سے بھی ہوتی ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، یعنی آپؐ نے فرمایا کہ قرض سے جو فائدہ اٹھایا جائے وہ سُود ہے، اور اس میں اخلاقی ہدایت یہ ہے کہ مرتہن منفعت کی غرض سے قرض دے کر کوئی چیز رہن نہ لے بلکہ خالص انسانی ہمدردی کی بنا پر ایسا کرے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا ہی وقت اس کے اوپر بھی آجائے اور پھر اس کو اس لئے بھی رہن کی چیز سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیئے کہ اس کو رہن رکھ لینے کے بعد نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

رہن کی شرعی تعریف رہن کے لفظی معنی کسی چیز کو کسی سبب کی بنا پر روک لینے یا پابند کر دینے کے ہیں، شریعت میں اس کی تعریف یہ ہے کہ کسی کی کوئی چیز کسی مطالبہ

یا قرضہ کے بدلے اس لئے روک لینا کہ وہ حق، مطالبہ یا قرض وصول ہو جائے، مارا نہ جائے (ہدایہ مجلہ)

اصطلاحیں (۱) اِرتہان، رہن لینا، ۲۔ راہن، رہن کرنے والا یعنی مقروض یا مدیون۔
(۳) مرتہن، رہن لینے والا یعنی دائن، حقدار،

۴۔ مَرہُون، وہ چیز جو رہن میں رکھی جائے۔

۵۔ عَدْل۔ وہ شخص جس کے یہاں وہ چیز امانت رکھ دی جائے۔

رہن کے ارکان وشرائط (۱) رہن ایک طرح کا معاہدہ ہے اس لئے رہن کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ راہن و مرتہن دونوں راضی ہوں، یعنی راہن یہ کہے کہ میں نے فلاں قرض کے بدلہ میں یہ چیز رہن رکھی، اور مرتہن اپنی رضامندی اور قبولیت کا اظہار کرے، اس ایجاب وقبول میں لفظ رہن کا استعمال ضروری نہیں ہے۔

۲۔ رہن کا دوسرا ضروری رکن قبضہ ہے، یعنی راہن نے جو چیز مرتہن کو رہن میں دے دی ہے، اس پر اس کا قبضہ بھی دے۔ مثلاً اس نے کوئی کھیت رہن میں رکھا مگر اس پر دوسرے کا قبضہ ہے تو یہ رہن صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ راہن و مرتہن دونوں عاقل ہوں، یعنی معاملات کو سمجھتے ہوں، بالغ ہونا ضروری نہیں ہے، ہوشیار بچے کوئی چیز رہن رکھ سکتے ہیں۔

۴۔ جو چیز رہن میں رکھی جائے، وہ اس قابل ہو، کہ بیچ کر اس سے قیمت وصول کی جا سکے، یعنی وہ چیز موجود ہو یعنی رہن کے وقت اس پر قبضہ ہو سکے، اور اس کو اسلامی شریعت قابلِ استعمال مال تسلیم کرتی ہو، مثلاً اگر کسی نے رہن میں تالاب کی مچھلی یا پھل آنے سے پہلے باغ کا پھل رہن رکھا، یا کسی دوسرے ملک میں کوئی مال ہے جس کے آنے میں دقت یا خرچ ہے تو ان تمام چیزوں کو رہن میں دینا صحیح نہ ہوگا۔

مرہون چیز کی حیثیت جو چیز رہن رکھی جائے وہ مرتہن کے ہاتھ امانت باضمانت ہے، امانت باضمانت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امانت کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح وہ اس کی حفاظت کرے، لیکن امانت کے گم ہو جانے پر اس کی ذمہ داری امین پر نہیں ہوتی

لیکن اگر یہ ضائع ہو جائے گی، تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی، اس کی کئی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ضائع شدہ مرہون چیز کی قیمت اتنی ہی تھی، جتنی رقم اس نے قرض میں دی ہے تو پھر اب راہن سے مرتہن اپنے روپے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، دونوں کا حساب برابر سرابر سمجھ لیا جائے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ گم شدہ مرہون چیز کی قیمت اصل سے کم ہے تو مرہون کی قیمت محسوب کرنے کے بعد بقیہ روپے کا مطالبہ مرتہن راہن سے کر سکتا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ مرہون کی قیمت اصل روپیہ سے زیادہ ہو، تو پھر قرض کی رقم محسوب کر لی جائے گی اور بقیہ رقم کا نقصان راہن کو برداشت کرنا پڑے گا، کیونکہ مرہون چیز کے بقدر جو نقصان ہوا ہے اس کا ذمہ دار تو مرتہن تھا، مگر جو زیادہ رقم بچی وہ اس کے پاس امانت بے ضمانت تھی اور امین سے امانت بے ضمانت کا تاوان نہیں لیا جا سکتا، مثلاً ایک شخص نے ایک سو روپے قرض لئے اور ایک زیور بطور رہن مرتہن کے پاس رکھ دیا، اور وہ چوری ہو گیا تو اگر یہ زیور سو ہی روپے کی قیمت کا تھا تو پھر دونوں کا حساب برابر ہو گیا، اب کوئی کسی سے مطالبہ نہیں کر سکتا لیکن اگر یہ نوے روپے کا تھا تو یہ سمجھا جائے گا کہ نوے روپے مرتہن نے پالئے اب صرف دس روپے کا مطالبہ راہن سے کر سکتا ہے اور اگر یہ زیور سوا سو [۱۲۵] کے تھے تو سو روپے تو قرض میں محسوب سمجھے جائیں گے اور ۲۵ روپے راہن کے ضائع ہوئے اس کا وہ مرتہن سے مطالبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ ایک سو روپے کا تو وہ ضمانت دار تھا بقیہ پچیس بطور امانت اس کے پاس تھے اور امانت اگر قصداً یا غفلت سے ضائع نہ کی ہو تو پھر امین پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

راہن کی ذمہ داریاں اور حقوق

(۱) راہن کو چاہیئے کہ جو چیز رہن رکھی ہو اس کو مرتہن کے حوالہ کر دے۔

۲۔ جب تک وہ مرہونہ چیز مرتہن کے قبضہ میں نہیں دیتا ہے اس وقت تک وہ معاہدۂ رہن فسخ کر سکتا ہے۔

۳۔ مرہونہ چیز کو قبضہ میں دیدینے کے بعد بغیر مرتہن کی رضامندی کے راہن معاہدہ رہن فسخ نہیں کر سکتا۔

۴۔ مکفول عنہ کفیل کو کوئی چیز اس کے اطمینان کے لئے بطور رہن دے سکتا ہے اور خود کفیل رہن کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

۵۔ اگر دو آدمیوں نے مشترک طور پر علیحدہ علیحدہ ایک آدمی کو قرض دیا ہے، تو وہ دونوں مشترک طور پر اور علیحدہ علیحدہ ایک ہی چیز کو دونوں قرضوں کے بدلے رہن رکھ سکتے ہیں، اسی اسی طرح راہن دو مقروضوں سے ایک ہی مشترک چیز رہن میں لے سکتا ہے۔

۶۔ راہن کو مرہونہ چیز کے تبدیل کرنے کا اختیار ہے، یعنی اگر اس نے کوئی چیز رہن میں رکھی، اس کے بعد وہ چیز واپس لے لی اور اس کے بدلہ دوسری چیز مرتہن کی رضامندی سے اس کے حوالہ کردی تو یہ جائز ہے۔

۷۔ مدت رہن میں مرہونہ چیز میں جو کچھ اضافہ ہوگا، یا منافعہ ہوگا اصل کے ساتھ وہ منافع اضافہ بھی راہن کا ہوگا، مثلاً باغ میں پھل آئے، کھیت میں پیداوار ہوئی، جانور نے بچہ دیا، مکان سے کرایہ ملا، زمین میں درخت پیدا ہوگئے تو یہ سب چیزیں راہن کی ہوں گی، مگر یہ تمام منافع مرہون چیز کے ساتھ مرتہن کے پاس رہن رہے گا، جو چیزیں ان میں جلد خراب ہو جانے والی ہوں، مثلاً پھل اس کو راہن فروخت کر کے ان کی قیمت اپنے پاس رکھے گا اور جو چیزیں خراب ہونے والی نہیں ہیں وہ اسی طرح محفوظ رکھے گا، جب مرہونہ چیز واپس ہوگی تو اس کے ساتھ یہ سب چیزیں بھی واپس ہوں گی۔

۸۔ مرہونہ چیز کا نفع چونکہ راہن کا ہوگا، اس لئے اس کے بقا اور اس کی منفعت پر جو کچھ خرچ ہوگا وہ راہن کے ذمہ ہوگا، مثلاً اگر جانور رہن رکھا ہے تو اس کے چارہ کا خرچ، اس کی چرواہی کی مزدوری یہ سب راہن کو دینا ہوگا، اسی طرح اگر کھیت ہے تو اس کی بوائی جتائی سینچائی کا خرچ راہن کو دینا ہوگا اور پیداوار کا منافعہ مرتہن کے پاس رہے گا، جب وہ روپیہ ادا کر کے مرہونہ چیز چھڑائے گا تو یہ منافعہ بھی اس کو ملے گا، اسی طرح باغ اور مکان کے منافعہ کو بھی سمجھنا چاہیے۔

۹۔ راہن مرتہن کی رضامندی کے بغیر مرہونہ چیز بیچ نہیں سکتا، اگر بیچ دے گا، تو وہ بیع مرتہن کی رضامندی پر موقوف رہے گی۔

۱۰۔ راہن اگر مر جائے تو رہن کا معاملہ فسخ سمجھا جائے گا، اس کے ورثہ اگر بالغ ہیں تو ان پر ضروری ہے، کہ وہ اس کے ترکہ سے قرض ادا کر کے مرہونہ چیز واپس لے لیں، یا مرہونہ چیز کے بیچنے

کی اجازت دے دیں، اور اگر ورثہ نابالغ ہیں، یا بہت دور دراز مقام پر ہیں، تو جو شخص اس کے ترکہ کا ذمہ دار ہو اُس کو چاہیے کہ وہ مرتہن کو مرہونہ چیز کے بیچنے اور اس سے اپنا قرض وصول کر لینے کی اجازت دیدے اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ مرتہن مرہونہ چیز کو بیچکر اپنا قرض وصول کرنے کی اجازت حاصل کر سکتا ہے، مگر ولی، وارث یا عدالت کی اجازت کے بغیر اس کو بیچنے کا حق نہیں ہے۔

مرتہن کی ذمہ داریاں اور اس کے حقوق

(۱) مرتہن کو یہ اختیار ہے کہ وہ تنہا اپنی مرضی سے رہن کے معاملہ کو فسخ کر دے۔

۲۔ مرتہن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مرہونہ چیز کو ایک امانت سمجھ کر خود اس کی حفاظت کرے، اور اس کے گھر کے تمام افراد اس پر نگاہ رکھیں۔

۳۔ اس کی دیکھ بھال میں اگر کچھ خرچ ہوگا تو اگر اس کے خرچ کا تعلق اس چیز کی حفاظت سے ہے، تو اس کی ذمہ داری مرتہن پر ہوگی مثلاً سو من غلہ ہے تو اس کے لئے مکان کی ضرورت ہوگی، تو مکان کی ذمہ داری مرتہن پر ہے، اسی طرح زیور یا سونا چاندی یا اور کوئی قیمتی چیز ہے، جس کی حفاظت و نگرانی کے لئے کچھ خرچ کرنا پڑے گا، تو اُس کو بھی مرتہن برداشت کرے گا، اسی طرح رہن کے جانور کے علاج معالجہ میں جو کچھ خرچ ہوگا اس کو بھی مرتہن ہی کو برداشت کرنا پڑے گا، لیکن اگر اس خرچ کا تعلق اس کی بقا اور منافعہ سے ہو تو وہ راہن کے ذمہ ہوگا، کیونکہ جو کچھ اس سے فائدہ ہوگا وہ راہن ہی لے گا اس لئے اس کو اس کا خرچ بھی برداشت کرنا پڑے گا، مثلاً رہن کے جانور کے چارہ میں کھیت کی سینچائی میں پھل کی نگرانی میں جو کچھ خرچ ہوگا وہ سب راہن کے ذمہ ہوگا یعنی مرتہن یا تو اپنے پاس سے خرچ کرے اور اصل روپے کے ساتھ یہ بھی وصول کر لے یا راہن سے وہ لیتا جائے۔

۴۔ مرتہن مرہونہ چیز سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، یعنی اگر مکان ہے تو اس میں رہ نہیں سکتا، اس کا کرایہ نہیں لے سکتا، کھیت کی پیداوار نہیں کھا سکتا، جانور کا دودھ نہیں پی سکتا، اگر وہ جانور سواری یا باربرداری کے لئے ہے تو اس پر سوار نہیں ہو سکتا، اور نہ لاد سکتا ہے اگر نقد روپیہ یا سونا چاندی

ہے تو اس سے تجارت یا کاروبار نہیں کر سکتا، البتہ کسی شدید ضرورت پر مرتہن کسی چیز کے استعمال کی اجازت راہن سے مانگے اور وہ بخوشی دیدے تو اس کو استعمال کرنے کی اجازت ہے، مگر اس کو نہ تو اپنا حق سمجھے اور نہ اس طرح استعمال کرے کہ وہ خراب ہو جائے، مثلاً کسی نے گھڑی رہن رکھ دی مرتہن نے راہن سے یہ اجازت مانگی کہ مجھے چند دن لگانے کی اجازت دیجئے اگر اس نے اجازت دے دی تو وہ استعمال کر سکتا ہے، لیکن اگر یہ شرط رہن لیتے وقت لگادی کہ ہم اس گھڑی کو لگائیں گے تو یہ شرط مکروہ ہوگی اور اگر اس نے بغیر اجازت استعمال کی تو حرام ہے اگر نقصان ہوگا تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔

۵۔ اگر راہن اس کی بقا یا منفعت کے حصول کا خرچ نہیں دیتا ہے تو مرتہن اس پر جو کچھ خرچ کرے گا وہ نفع سے محسوب کرے گا۔

مرہونہ چیز سے فائدہ اُٹھانا

(۶) موجودہ دور میں راہن یعنی رہن رکھنے والے اور مرتہن یعنی رہن لینے والے دونوں کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کا فائدہ مرتہن اُٹھائے گا یہ سراسر سود ہے کیونکہ سود نام ہے کسی چیز سے اس کا عوض دیے بغیر فائدہ اُٹھانے کا اور یہاں مرتہن قرض میں محسوب کئے بغیر مرہون چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے، مثلاً رہن کے کھیت کا غلہ یا رہن کے باغ کا پھل جو مرتہن کھاتا ہے تو اس کے بدلہ میں راہن کو تو کچھ ملتا نہیں بلکہ اُلٹے اس کا نقصان ہوتا ہے، جس طرح ایک سود خور بسا اوقات ایک سو روپے کا سود ایک ہزار تک وصول کر لیتا ہے، اسی طرح یہ مرتہن ایک سو قرض دے کر بسا اوقات مرہون چیز سے کئی کئی سو کا فائدہ اٹھالیتا ہے، ظاہر ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، رہن میں استعمال کی جو اجازت راہن دیتا ہے وہ مجبوری سے دیتا ہے اگر اس کو اس سے بچنے کا موقع ہو تو وہ کبھی اجازت نہیں دے سکتا اور مجبوری کی اجازت کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۷۔ رہن کے زمانہ میں مرہونہ شے سے جو فائدہ ہو گا یا اس میں زیادتی ہو گی وہ سب ملکیت تو راہن کی ہوگی، مگر اس پر قبضہ مرتہن ہی کا رہے گا، یعنی وہ بھی مرہون سمجھی جائے گی اور مرہون چیز کی واپسی کے وقت یہ چیز بھی واپس کر دی جائے گی۔

۸۔ اگر راہن کچھ روپے ادا کر دے اور کچھ باقی رہیں تو جب تک پورا روپیہ وصول نہ ہو جائے، اس وقت تک مرتہن کو اختیار ہے کہ وہ مرہونہ چیز کو واپس نہ دے۔

۹۔ مرہونہ چیز میں اگر کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے تو اس کی ذمہ داری مرتہن پر ہوگی، یعنی قرض ادا کرتے وقت راہن کو اختیار ہوگا کہ وہ نقصان کے بقدر روپیہ کاٹ لے۔

۱۰۔ اگر مرہونہ چیز کو راہن مرتہن کی اجازت سے یا مرتہن راہن کی اجازت سے کسی دوسرے کے یہاں رہن رکھنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے اس صورت میں پہلا رہن باطل ہو جائے گا۔

۱۱۔ مرتہن مرہونہ چیز کو راہن کی مرضی و اجازت کے بغیر فروخت نہیں کر سکتا اگر بغیر اجازت بیچ دے گا تو دو باتوں میں سے ایک بات کرنی ہوگی، یا تو وہ بیع منسوخ کر دے یا پھر راہن سے اس کی اجازت حاصل کر کے اس کو نافذ کرے۔

۱۲۔ اگر رہن کی مدت ختم ہو جائے اور راہن رقم ادا کر کے اپنی چیز نہ لے جائے، تو مرتہن کو اسے بیچ کر اپنی قیمت وصول کرنے کا حق ہوگا اور جہاں پر اسلامی حکومت ہوگی وہاں مرتہن جج (قاضی) کے سامنے معاملہ پیش کر کے بیچنے کی اجازت لے گا، پھر فروخت کرے گا۔

۱۳۔ اگر راہن موجود نہ ہو تو مرتہن بغیر حکومت کی اجازت کے اس کو بیچ نہیں سکتا۔

۱۴۔ مرتہن اگر مر جائے تو اس کے ورثہ مرہون چیز کے مرتہن ہوں گے۔

چند اور مسائل

(۱) مشترک چیز کی جب تک تقسیم نہ ہو جائے، کوئی ایک حصہ دار اپنا حصہ رہن نہیں کر سکتا۔

۲۔ باغ کا پھل جو درخت پر موجود ہے یا کھیتی جو کھیت میں لگی ہے ان کا رہن کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح محض درخت کا رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے اگر درخت رہن کرنا ہے تو اس کی زمین بھی رہن ہونا چاہیئے۔

۳۔ اسی طرح درخت کو بغیر پھل کے، زمین کو بغیر کھیتی کے رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے یہ چیزیں رہن میں خود بخود داخل ہوں گی، اس کا علیحدہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

امانت، عاریت، مضاربت اور شرکت کی چیزوں کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

(۴) اسی طرح (درک) یعنی استحقاق کے خوف سے رہن لینا جائز نہیں، مثلاً کسی نے کوئی چیز فروخت کی، اور مشتری نے اس کی قیمت دے کر اسے خرید لیا، مگر مشتری کو یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ بائع نے جو چیز بیچی ہے اس کا کوئی مستحق نہ پیدا ہو جائے، اس وہم کی بنا پر وہ بائع سے کہتا ہے کہ تم کوئی چیز رہن رکھ دو تاکہ ضرورت کے وقت ہم اس سے قیمت وصول کر سکیں اس کو درک کہتے ہیں، یہ رہن ناجائز ہے، البتہ درک کی بنا پر کفالت ہو سکتی ہے، کفالت کے بیان میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

امانت

دنیا میں ہر انسان کو کبھی نہ کبھی ایسا موقع ضرور پیش آجاتا ہے کہ اس کو خود اپنی چیز یا اپنے روپے پیسے کی حفاظت کے لئے دوسروں سے مدد لینی پڑتی ہے، اس موقع پر ہر انسان کا اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ اس سے جب مدد مانگی جائے تو وہ اس سے دریغ نہ کرے بلکہ خندہ پیشانی سے اس تکلیف کو گوارا کرلے کیونکہ یہی ضرورت کبھی اس کو بھی پیش آسکتی ہے، اس کو شریعت میں امانت وودیعت کہتے ہیں۔

امانت وودیعت میں فرق امانت وودیعت میں تھوڑا اصطلاحی فرق ہے، ودیعت میں قصد و ارادہ کا پایا جانا ضروری ہے، اور امانت قصد وارادہ کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور بغیر قصد وارادہ کے بھی، مثلاً آپ راستہ میں کوئی چیز پڑی پائیں تو یہ چیز آپ کے ہاتھ میں امانت ہوگی، اس کو ودیعت نہیں کہیں گے، لیکن اگر ایسی چیز کو کوئی آپ کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھ جاتا تو اس کو ودیعت بھی کہہ سکتے ہیں اور امانت بھی غرض یہ کہ ہر ودیعت کو امانت کہہ سکتے ہیں مگر ہر امانت کو ودیعت نہیں کہہ سکتے، امانت کے مفہوم میں چونکہ ودیعت کا مفہوم بھی شامل ہے، اس لئے قرآن میں امانت وودیعت دونوں کے لئے امانت ہی کا جامع لفظ استعمال ہوا ہے، مگر حدیث میں دونوں لفظوں کا استعمال ایک دوسرے کے مفہوم میں ہوا ہے کہیں امانت

کو ودیعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور کہیں الگ الگ مفہوم میں البتہ فقہاء نے دونوں لفظوں کو عام طور پر علیحدہ علیحدہ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

امانت کا مفہوم اور قرآن و حدیث میں اس کی تاکید

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ کسی دوسرے کی کوئی چیز اگر بغیر قصد و ارادہ بھی ہاتھ لگ جائے تو وہ امانت ہوگی، اگر آپ نے کوئی چیز یا رقم پڑی پائی یا بطورِ رہن رکھی یا مانگ کر لائے یا آپ نے کوئی چیز کرایہ پر لی، یا اس نے خود آپ کی نگرانی و حفاظت میں دی۔ یا آپ کو کسی چیز کا ذمہ دار یا ولی یا وکیل بنا دیا، غرض ان صورتوں میں آپ اس چیز یا رقم کے امین ہی کہے جائیں گے، یعنی آپ کو اس کی اسی طرح حفاظت کرنی چاہیے، جس طرح اپنی چیز کی کرتے ہیں، یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی چیز کی حفاظت تو آپ بکس میں یا الماری میں بند کر کے کریں، اور دوسرے کی چیز کو کھلی جگہ رکھ دیں اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی، امانت کے معنی ہیں مامون و محفوظ ہونا یعنی وہ چیز امین کے ہاتھ میں پہنچ کر محفوظ و مامون ہو جاتی ہے، اگر وہ محفوظ نہ ہوئی تو یہ خیانت ہوگی، مثلاً ایک یتیم کی جائداد یا ایک لاوارث کے مال کا آپ کو ذمہ دار بنایا گیا تو آپ کی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ آپ ٹھیک ٹھیک اس کی دیکھ بھال کریں جس کا جو حق ہو اس تک پہنچا دیں، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ خائن کہے جائیں گے، قرآن مجید میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (نساء)	اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتوں اور حقوق کو ان کے مالکوں تک پہنچا دو۔

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، کہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (مومنون)	جو لوگ اپنے ذمہ لی ہوئی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس و خیال رکھتے ہیں۔

اس کے برخلاف خیانت کرنے والوں کی بڑی مذمت کی گئی، فرمایا گیا کہ،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔	خدا تعالیٰ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

یہودیوں کے بارے میں فرمایا کہ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ اگر ایک خزانہ ان کے پاس امانت رکھ دیا تو وہ واپس کر دیں گے، اور بعض ایسے ہیں، کہ ایک دینار بھی ان کے پاس رکھ دو تو جب تک سر پر سوار نہ ہو وہ واپس نہ کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس میں امانت داری نہیں ہے اس کا دل ایمان سے خالی ہے، لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ قرآن نے امانت داری مومن کی خصوصیت بتائی ہے، اس کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیانت کو منافق کی نشانی بتائی ہے۔ فرمایا کہ منافق کی پہچان تین باتوں سے ہوتی ہے ان میں ایک بات یہ ہے کہ:

وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ — جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے

اَدِّ الْاَمَانَۃَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَکَ — (آپ نے فرمایا) جو تمہارے پاس امانت رکھتے ہیں اس کی امانت ادا کر دو اور اگر تمہاری خیانت کوئی کر بھی لے تو تم اس کی خیانت نہ کرنے لگو۔

آخری جملہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اگر خائن آدمی بھی تمہارے پاس کوئی امانت رکھے تو تم اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو کیونکہ اس نے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی تو یہ چیز تمہاری غیر ذمہ دارانہ حرکت کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

امانت کا حکم ۱۔ امانت ایک اخلاقی فریضہ اور حُسنِ سلوک کا نام ہے، اسی لئے قانوناً کسی کو امانت رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، اور اگر کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے وہ امانت ضائع ہو جائے تو امین پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہو گی، البتہ اگر اس نے قصداً اس کو ضائع کرنے کی کوشش کی ہے یا اس نے اس کی حفاظت میں غفلت برتی ہے تو اس صورت میں اس کو اس کا تاوان دینا پڑے گا، مثلاً کسی نے راستہ میں کوئی پڑی چیز پائی تو اگر وہ جانتا تھا کہ فلاں کی ہے اور اس نے اس کو واپس کرنے کے خیال سے اٹھا لیا تو یہ چیز اس کے ہاتھ میں امانت ہو گی، اب اگر وہ اتفاقی طور پر ضائع ہو گئی، تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر اس چیز کے مالک سے واقف نہیں ہے تو اسی کا حکم لُقطہ یعنی پڑی ہوئی چیز کا ہے۔

لُقطہ کا حکم

۲۔ لقطہ یعنی اگر کسی نے کوئی پڑی ہوئی چیز پائی تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اس چیز کو امانۃً اپنے پاس رکھے، اور برابر ایک سال تک یہ اعلان کرتا رہے کہ فلاں چیز میں نے فلاں جگہ پائی ہے جس کی ہو وہ لے جائے، جب اس کا مالک مل جائے تو فوراً اس کے حوالے کر دے، اگر اس نے اسے ضائع کر دیا تو تاوان دینا پڑے گا، اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے قصداً ضائع نہیں کیا تو اس سے قسم لی جائے گی، اگر وہ قسم کھالے تو پھر اس پر تاوان نہیں ہے۔

اگر ایک سال تک کوئی مالک نہ ملے تو بیت المال میں جمع کر دے اگر اسلامی بیت المال نہ ہو تو پھر اس کو صدقہ کر دے، اپنے استعمال میں نہ لائے، البتہ اگر وہ خود مُفلس ہے تو استعمال کر سکتا ہے۔

امانت کا وسیع مفہوم

اگر کوئی کسی ادارے میں یا کسی دفتر میں یا کسی کام پر مقرر ہے تو جتنی چیزیں اس کے چارج اور قبضہ میں ہیں، مثلاً فرنیچر، کاغذ، قلم، دوات یا چپراسی وغیرہ وہ سب چیزیں اس کے ہاتھ میں امانت ہیں ان کو اپنے ذاتی استعمال میں نہ لانا چاہیئے، یا جس وقت کی وہ تنخواہ پاتا ہے اس وقت میں اپنا ذاتی کام نہ کرنا چاہیئے اگر کرے گا تو خائن قرار پائے گا، اور اس سے تاوان بھی لیا جا سکتا ہے، اسی طرح جو وقت کام کے لئے مقرر ہے وہ بھی ایک امانت ہے اس میں مفوضہ کام کرنے کے بجائے گپ لڑانا، تفریح کرنا یا وقت گزاری کرنا یہ سب وقت کی امانت میں خیانت ہے[1] اگر امانت کی اس ذمہ داری کو حکومت کے تمام ذمہ دار، اس کے کارکن، کارخانے کے اور دوسرے اداروں کے ملازمین محسوس کر لیں تو پھر کم وقت میں کام بھی زیادہ ہونے لگے، اور ہر حکومت، ہر کارخانے اور ادارے کے ہزاروں لاکھوں روپے بچ بھی جایا کریں مگر افسوس ہے کہ موجودہ مادی نظاموں نے ان اخلاقی تصورات سے پیچھا چھڑا لیا ہے، جو ان کے لئے مادّی حیثیت سے بھی مفید ہیں۔

ودیعت کی تعریف

اوپر ذکر آچکا ہے کہ امانت اور ودیعت دونوں لفظاً ہم معنی بھی ہیں اور دونوں الگ مفہوم و حکم بھی رکھتے ہیں، ودیعت کی تعریف شریعت میں یہ کی گئی ہے۔

اِحَالَۃُ المالِکِ مُحَافَظَۃَ   اپنی کسی چیز یا مال کو حفاظت کی غرض سے

---

[1] اَنْ تُؤَدُّوا الاَمَانَاتِ اِلیٰ اَھْلِھَا میں مفسرین نے ہر ذمہ داری کو داخل کیا ہے۔

دوسرے کے حوالے کرنا۔

مقصد یہ ہے کہ جو چیز ودیعت رکھی جائے، وہ ودیعت رکھنے والے کی ملک بھی ہو، اور اپنے قصد وارادہ سے وہ کسی کے سپرد کر دے تب ودیعت کا رکھنا صحیح ہوگا۔

ودیعت کا حکم جس کے پاس امانت وودیعت رکھی جارہی ہے اگر وہ اس کو منظور کرلے تو اب دونوں میں گویا ایک معاہدہ ہوگیا، اب امین جب تک اس کو اپنی امانت میں رکھے گا، اس کی حفاظت اس کے اوپر اپنے مال کی طرح واجب ہوگی اگر اس نے اس کی حفاظت میں کوتاہی کی تو اس کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

معاہدہ وودیعت کے ختم ہونے کی مدت دو صورتوں میں معاہدہ ودیعت ختم ہوجاتا ہے (۱) ایک یہ کہ جتنے دن کے لئے اس نے امانت رکھی تھی وہ ختم ہوگئی (۲) دوسرے امین یا مُودِع یعنی امانت رکھنے والے میں سے کوئی معاہدہ فسخ کر دے کیونکہ ان دونوں کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ اس کو جب چاہیں ختم کردیں۔

چند اصطلاحیں ودیعت اور امانت رکھنے کو شریعت میں ایداع اور ودیعت رکھنے والے کو مودِع یا مستوْدِع (دال کو زیر کے ساتھ) اور جو امانت رکھ لے اس کو امین یا مستودَع (دال کو زبر کے ساتھ) کہتے ہیں۔

ودیعت دو طرح سے ہوتی ہے ودیعت دو طرح سے رکھی جاتی ہے ایک تو صراحۃً مودع کسی سے یہ کہے کہ میرا یہ مال امانت رکھ لیجئے، اور امین نے ہاں کر لیا تو اب وہ امین بن گیا دوسرے یہ کہ ایک آدمی نے کسی دکان پر اپنی کوئی چیز رکھ دی اور دوکاندار نے رکھتے ہوئے دیکھا، مگر کچھ بولا نہیں یا ایک شخص پلیٹ فارم پر یا ریل وموٹر میں یہ کہہ کر کسی ضرورت سے کہیں چلا گیا کہ ذرا میرا سامان دیکھتے رہئے گا، اور دوسرا آدمی کچھ بولا نہیں تو وہ چیز اس کی امانت میں آگئی، اب اس کی نگرانی اس پر لازم ہوگی، اگر اس نے چھوڑ دیا اور وہ چیز چوری ہوگئی تو مودِع (سپرد کرنے والا) اس سے تاوان لینے کا حق رکھتا ہے، البتہ اگر اس نے اسی وقت یہ کہہ دیا کہ میں نہیں دیکھ سکتا، یا دکاندار نے کہہ دیا کہ آپ دکان پر سامان نہ رکھئے، اور اس کے

بعد اس نے چھوڑ دیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

ودیعت کے شرائط

(۱) اسی چیز کو بطور امانت رکھنا صحیح ہو گا جس پر امین کا قبضہ ہو سکے اگر کسی نے ہوا کے پرندے، تالاب کی مچھلیاں، یا دوسرے کے قبضہ میں جو چیز ہو اس کی حفاظت کے لئے کہا تو یہ صحیح نہیں ہے، خواہ امین قبول کرے یا خاموش ہو جائے۔

۲۔ مودِع اور امین دونوں عاقل یعنی لین دین کے معاملات کی سمجھ رکھتے ہوں بالغ ہونا شرط نہیں ہے، ناسمجھ بچّے اور پاگل نہ تو کوئی چیز امانت رکھ سکتے ہیں نہ رکھوا سکتے ہیں، یعنی نہ تو وہ امین ہو سکتے ہیں اور نہ مودِع۔

۳۔ ودیعت کی مدت میں اس سے جو کچھ فائدہ حاصل ہو گا وہ مودِع کا ہو گا مثلاً کسی نے ایک جانور امانت رکھا، اگر وہ بچہ دے یا اس کا اون کاٹا جائے یا دودھ ہو وہ سب مودِع کا ہو گا۔ امین اگر بغیر اجازت ان میں سے کوئی چیز استعمال کرے گا تو اس کو خیانت کرنے کا گناہ بھی ہو گا اور اس کو تاوان بھی دینا پڑے گا۔

امین کی ذمہ داریاں

۱۔ امین کو امانت کی اسی طرح حفاظت کرنی چاہیئے، جس طرح وہ اپنی چیز کی کرتا ہے۔

۲۔ امین چاہے خود اس کی حفاظت کرے چاہے گھر کے ان افراد سے کرائے جن سے خونی یا دائمی رشتہ ہے، مثلاً ماں باپ بیٹے، بیٹی، بیوی بہن یا گھر میں ہر وقت آنے والے نوکر چاکر سے اس کی دیکھ بھال کرائے اس کو دونوں باتوں کا اختیار ہے لیکن اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ ان میں سے کوئی خائن نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی غیر ذمہ دار یا خائن ہے تو اس کی نگرانی میں اس کو نہ دینا چاہیئے، اگر دے گا اور وہ امانت ضائع ہو جائے گی تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔

۳۔ امین اگر امانت کو کسی غیر آدمی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے یعنی وہ دوسرے آدمی کو اس امانت کا امین بنا دے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ امین نے مُودِع سے دوسرے کے پاس رکھنے کی اجازت لے لی ہے، دوسری یہ کہ وہ ایسا آدمی ہے، جس کے یہاں وہ خود اپنی چیزیں رکھ دیا کرتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں کسی غیر آدمی کو امین بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے،

لیکن ان دو صورتوں کے علاوہ اگر وہ امانت کسی دوسرے کے پاس حفاظت کے لئے رکھے گا تو پھر اس کی ذمہ داری امین پر ہوگی یعنی اگر امانت ضائع ہو جائے گی یا اس میں خرابی آجائے گی تو اس کا تاوان امین اوّل کو دینا پڑے گا، برخلاف دونوں صورتوں کے ان میں اس کو تاوان نہ دینا پڑے گا۔

۴ - امانت کی چیز کو، امین نہ تو استعمال کر سکتا ہے، اور نہ اس کو اپنی چیز کے ساتھ ملا سکتا ہے، البتہ اگر مودِع اس کی اجازت دیدے تو پھر جائز ہے، مثلاً کسی نے سو روپے امانت کے رکھے، تو بعینہٖ وہی روپیہ اس کو واپس کرنا چاہیئے، اگر امین نے اس خیال سے خرچ کر ڈالا یا اس کو کسی تجارت میں لگا دیا، کہ جب اس کو ضرورت ہوگی اپنے روپے سے دیدیں گے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی اور امین گنہگار ہوگا، اسی طرح کسی نے کپڑا، زیور یا جوتا امانت رکھا تو اس کا پہننا گناہ ہے اسی طرح کسی نے کرسی، میز یا پلنگ یا برتن امانت رکھ دیا تو ان میں سے کسی چیز کے استعمال کا حق نہیں ہے۔ اگر مودِع اجازت دیدے تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۵ - جہاں امین نے امانت لی ہے اس کو وہیں ادا کرنا ضروری ہے، مودِع اس کو دوسری جگہ وصول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، کسی نے لکھنؤ میں امانت رکھنے کے لئے دی ہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ وہ دلی میں اس سے مانگے، البتہ اگر امین نے یہ کہہ دیا ہو کہ میں اس کو دلی میں رکھوں گا تو پھر اب امین کو لکھنؤ میں مانگنے کا حق نہیں ہے۔

۶ - اگر کئی آدمیوں کو ایک چیز کا امین بنا دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے اگر سب نے اقرار کر لیا ہے تو اب سب اس کے ذمہ دار ہوں گے، ان کو باری باری یا جس طرح ہو امانت کی حفاظت کرنی چاہیئے۔

امین اُجرت بھی لے سکتا ہے امین کو اگر امانت کی دیکھ بھال کے لئے کچھ وقت یا محنت صرف کرنی پڑتی ہے تو وہ اجرت بھی لے سکتا ہے، یا نہیں اس بارے میں ائمہ فقہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، بعض ائمہ اس کی اجازت نہیں دیتے اور بعض دیتے ہیں، مگر کچھ شرائط کے ساتھ، حنفی فقہ کی متداول کتابوں میں صراحۃً تو اس بارے میں

کوئی جزیہ راقم کو نہیں ملا، مگر مجلۃ الاحکام میں یہ دفعہ ملی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ودیعت پر اُجرت لی جا سکتی ہے اس میں ہے کہ:۔

إِذَا أَوْدَعَ رَجُلٌ مَالَهُ	اگر کسی نے اپنا مال کسی کے پاس امانۃً رکھا،
عِنْدَ آخَرَ وَأَعْطَاهُ أُجْرَةً	اس امانت کی دیکھ بھال کی اُجرت بھی اُس
عَلَى حِفْظِهِ فَضَاعَ الْمَالُ	دیتا ہے ایسی حالت میں اگر وہ ضائع ہو جائے۔
بِسَبَبٍ يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ مِنْهُ	تو اگر ایسی حالت میں وہ ضائع ہو جاتا ہے کہ اس
كَالسَّرِقَةِ يَلْزَمُ الْمُسْتَوْدَعَ	کو ضائع ہونے سے بچانا ممکن تھا، مثلاً چوری ہو گیا
الضَّمَانُ[1]	تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس شرط کے ساتھ اُجرت لینے کی اجازت دیتے ہیں کہ جب امین کو اس کے لئے کافی جگہ دینی پڑتی ہو یا اس میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو۔

موجودہ زمانہ میں اس کی ضرورت اتنی عام ہو گئی ہے کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے، مثال کے طور پر آلو کے بیج کو لیجئے کہ آلو کے تاجر، اگر آلو کے بیج بڑے گوداموں اور کولڈ اسٹور کے حوالہ کر کے ان کی حفاظت نہ کرائیں، تو اس کی کاشت کے وقت اس کے بیج کا ملنا دشوار ہو جائے اسی طرح بے شمار چیزیں بچائی جاتی ہیں، غرض یہ کہ ایسا کرنا اسلامی شریعت کے اعتبار سے صحیح ہے۔

بینک و ڈاک خانہ میں اُجرت دیکر امانت رکھی جا سکتی ہے

موجودہ بینک اور ڈاک خانہ میں بھی اُجرت دے کر روپے، پیسے، زیور اور دوسری قیمتی چیزیں امانۃً رکھی جا سکتی ہیں، مگر خود اس سے سود لے کر روپے یا کوئی چیز جمع کرنا حرام ہے، اوپر تصریح آ چکی ہے۔

---

[1] بعد میں صاحب ہدایہ کی اس ضمنی تشریح پر بھی نظر پڑی فیضمنہ کا لودیعۃ اذا کانت باجر یعنی مشترک کے پاس جو چیزیں ہوتی ہیں وہ ان کا اسی طرح ضامن ہوتا ہے جس طرح امانت کی ضمانت دینی پڑتی ہے جس کی اُجرت امین لیتا ہو۔

امانت میں تجارت امانت کے روپے میں تجارت کی جا سکتی ہے یا نہیں، اس بارے میں فقہائے احناف کی تصریحات تو نہیں مل سکیں، البتہ صحابہؓ کے دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امانت کے روپے سے تجارت کرتے تھے، حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ یتیموں کے والیوں کو، ان کے مال سے تجارت کرنے کی ترغیب اس لئے دیا کرتے تھے کہ زکوٰۃ دیتے دیتے ان کا مال ختم نہ ہو جائے [۱]

خود صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ یُقْرِضُ الْقَاضِیْ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی قاضی کو چاہیئے کہ وہ یتیموں کے مال کو قرض میں لگا دیا کرے تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم نے بدلائل لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امانت کے روپے سے تجارت کیا کرتے تھے۔ (امام صاحب کی سیاسی زندگی)

اس بنا پر راقم کا خیال ہے کہ امانت کے روپیہ سے باجازت تجارت کی جا سکتی ہے۔

اجازت ہونی چاہیئے لیکن اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ مودِع کی اجازت کے بغیر امانت کا روپیہ تجارت میں لگانا صحیح نہیں ہے، اجازت سے لگایا جا سکتا ہے، اس صورت میں یہ روپیہ امین کے ہاتھ میں امانت تو ہو گا، مگر اس کی حیثیت امین ہونے کے ساتھ ساتھ مضارب کی بھی ہو جائے گی، یعنی اگر وہ اس روپے سے تجارت کرتا ہے تو نفع میں بھی مُودِع کو شریک کرنا چاہیئے اگر کوئی آدمی کسی یتیم کا ولی ہے تو اس کو بھی یہی چاہیئے کہ وہ سارا نفع خود نہ سمیٹ لے بلکہ اس میں یتیم کا حصہ بھی لگائے۔

تاوان کے واجب ہونے یا نہ ہونے کی صورتیں امانت اگر امین کی غفلت یا تساہلی کے بغیر ضائع ہو گی تو امین کے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اگر اس نے تفریط یا تعدی کی یعنی اس کی حفاظت میں تساہلی کی [۲] یا مُودِع کی ہدایت کے خلاف اُس نے کوئی قدم اٹھایا یا اُس کو مُودِع کی اجازت کے بغیر استعمال کر لیا [۳]

---

[۱] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے۔ [۲] یہ تفریط ہے۔ [۳] یہ صورتیں تعدی کی ہیں۔

توان تمام صورتوں میں اس کو اس کا تاوان دینا پڑے گا، اسی طرح جب اس نے امانت رکھنے کی کی اجرت لے لی، تو اب اس پر تاوان بھی واجب ہوگیا، مثال کے لئے چند صورتیں تاوان کے واجب ہونے اور نہ ہونے کی لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ اگر کسی نے امانت کا روپیہ یا چیز استعمال کرلی، اور اس کے بعد وہ چیز خراب ہوگئی، یا ٹوٹ گئی یا روپیہ چوری ہوگیا، تو اس کو تاوان دینا پڑے گا مثلاً کپڑے یا زیور کو پہن لیا، گھڑی تھی اس کو کلائی پر لگا لیا، یا وقت دیکھنے کے لئے[1] جیب میں رکھ لیا یا دیوار پر لٹکا دیا یا سائیکل یا موٹر تھی اس پر سواری کرلی، فرنیچر تھا اس کو استعمال کرلیا، تو اب استعمال کے بعد اس میں جو نقص آئے اس کا تاوان اسی کو دینا پڑے گا، البتہ اگر اتفاق سے اس نے استعمال کرلیا پھر ندامت ہوئی اور حفاظت سے اس کو رکھ دیا اور اس کے بعد وہ چیز نقصان ہوگئی یا ٹوٹ گئی یا چوری ہوگئی، تو اس پر تاوان نہیں ہوگا۔

۲۔ جو چیز بکس، تجوری، یا کمرے کے اندر رکھنے کی ہے، اس کو بے احتیاطی سے باہر رکھ دیا یا باہر چھوڑ دیا اور وہ ضائع ہوگئی یا خراب ہوگئی تو تاوان دینا پڑے گا، مثلاً روپیہ پیسہ کو بکس یا تجوری میں رکھا اور ضائع ہوگیا، تو تاوان نہیں، لیکن اگر اس کو بکس یا تجوری کے باہر چھوڑ دیا، یا رکھ دیا تو اس پر تاوان ہوگا، البتہ اگر وہ اپنے روپے زیور وغیرہ بکس کے بجائے طاق وغیرہ پر رکھتا ہے، یا اس کے گھر میں کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے تو پھر اس پر نقصان کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

۳۔ غلطی سے بکس کا قفل کھلا رہ گیا، اور اس کی وجہ سے امانت کا مال چوری ہوگیا، یا اس کو چوہے نے کاٹ دیا یا اور کوئی نقصان پہنچ گیا، تو اسے تاوان دینا پڑے گا۔

۴۔ خریدار دوکاندار کی اجازت سے شیشے کا گلاس اُٹھا کر دیکھنے بھالنے لگا، اگر وہ ٹوٹ گیا تو اس کو تاوان نہیں دینا پڑے گا، لیکن اگر بغیر اجازت کوئی چیز اُٹھا کر دیکھے گا اور ٹوٹ جائے گی یا خراب ہوجائے گی تو تاوان دینا پڑے گا۔

---

[1] اگر حفاظت کے خیال سے جیب میں رکھ لے یا دیوار پر لٹکا دے تو پھر یہ تعدی و تفریط نہیں ہوگی

۵۔ اگر مُودِع نے کوئی ایسی شرط لگائی جس کا پورا کرنا ممکن ہو اور اس کے خلاف امین نے کیا تو اس کو تاوان دینا پڑے گا، لیکن اگر اس کا پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر تاوان نہیں دینا پڑے گا، مثلاً اس نے کہا کہ تمہارے علاوہ گھر کا کوئی دوسرا آدمی امانت کی حفاظت نہ کرے، تو یہ شرط لغو ہے، کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک آدمی ہر وقت اس کی نگرانی کرتا رہے۔

۶۔ ناگہانی حادثہ کی وجہ سے اگر امانت کا مال یا چیز ضائع ہو جائے تو امین پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، مثلاً گھر میں آگ لگ گئی، سیلاب میں مکان گر گیا، یا ڈاکہ پڑ گیا۔

۷۔ اگر مُودِع یہ شرط لگا دے کہ میری امانت گھر والوں کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہ رکھی جائے، تو اس کو اس شرط کے لگانے کا حق ہے، اگر امین اس کی خلاف ورزی کرے گا، تو نقصان کی ذمہ داری اس پر ہوگی لیکن اگر کسی ناگہانی صورت میں اس نے دوسری جگہ امانت رکھ دی اور ضائع ہو گئی، تو پھر اس پر تاوان نہیں ہے، مثلاً گھر میں آگ لگ گئی یا سیلاب آگیا، تو امین کو امانت دوسری جگہ منتقل کر دینا ضروری ہے، اس صورت میں وہ قصداً دوسری جگہ منتقل نہ کرے اور نقصان ہو جائے تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔

ودیعت کی واپسی کا اختیار

اوپر ذکر آچکا ہے کہ (۱) امین اور مودِع دونوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ امانت کا معاہدہ جب چاہیں فسخ کر دیں (۲) اسی طرح جب امانت کی مدت ختم ہو گئی تو خود بخود معاہدہ فسخ ہو گیا، ان دونوں صورتوں میں امین کو فوراً امانت مُودِع کے حوالہ کر دینی چاہیئے۔

(۳) ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں بھی یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا اب مُودِع کے ورثہ کو اپنی امانت واپس لے لینی چاہیئے اور امین کے ورثہ کو واپس کر دینی چاہیئے، اگر ان کو پھر امانت رکھنی ہے تو دوسرا معاہدہ کرنا چاہیئے۔

ودیعت کی واپسی سے انکار

(۱) اگر موذِع نے کسی وقت اپنی امانت واپس مانگی، یا مدت ختم ہو گئی، اور اس نے کہا کہ میری امانت واپس کر دو،

تو اس کو فوراً واپس کر دینا چاہیئے، اگر اس نے کہا کہ اچھا کل لے جانا اور کل تک وہ چیز ضائع ہو گئی تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اگر مُودِع خوشی سے واپس چلا گیا اور کل تک وہ چیز ضائع ہو گئی تو اس پر تاوان نہیں ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ مودِع اسی وقت اپنی امانت چاہتا تھا مگر امین کے ٹال مٹول کی وجہ سے ناراض ہو کر واپس ہو گیا، اور اس صورت میں وہ ضائع ہو گئی، تو امین ذمہ دار ہو گا، کیونکہ پہلی صورت میں گویا مُودع نے اپنی خوشی سے ایک دن کے لئے اس کو اور امین بنا دیا اس لئے امین پر ذمہ داری نہیں ہے اور دوسری صورت میں اس نے امانت کو ناخوشی سے اس کے پاس چھوڑ دیا تھا گویا اس نے اس کو امانت کی ذمہ داری سے معزول کر دیا تو اب امین کو اپنے پاس امانت کا مال یا چیز رکھنے کی اجازت نہیں تھی، مگر رکھا اس لئے تاوان دینا پڑے گا۔

۲۔ اگر مُودع نے کسی دوسرے آدمی کو بھیجا کہ فلاں امانت فلاں آدمی کے یہاں سے لے آؤ تو امین کو اختیار ہے کہ وہ اسے دے یا نہ دے اگر دے گا اور وہ آدمی اس میں خیانت کر جائے گا، تو امین ذمہ دار ہو گا۔

امانت پر گواہ

(۳) امانت دیتے اور لیتے وقت بہتر ہے کہ دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا جائے، قرآن میں ان مواقع پر شاہد بنانے کی تاکید آئی ہے، چنانچہ ناسمجھوں اور یتیموں کے مال کی واپسی کے وقت یہ حکم دیا گیا ہے۔

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ — جب ان کا مال ان کے حوالے کر دو

فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ (نساء) — ان پر گواہ بنا لو۔

تحریر

اگر کسی کی موت کے بعد اس کے بھی کھاتہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں کا اتنا روپیہ یا فلاں چیز میرے یہاں امانت ہے اور اس کا علم اس کے ورثہ یا منشی وغیرہ کو نہ ہو تو امین کے ورثہ کو اتنا مال یا وہ چیز تحقیق کے بعد واپس کر دینی چاہیئے۔

امانت تھی یا خود میت کا کوئی اقرار نامہ مل جائے، یا وہ کسی سے کہہ گیا ہو، اگر ورثہ کو خود علم ہو تو پھر بغیر تحقیق کے جس کی چیز یا مال ہے اس کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔

تاوان کی مقدار جس صورت میں امین پر تاوان واجب ہوگا، اس میں تاوان کی ادائیگی کس طرح اور کس اندازہ سے ہوگی، اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امانت نقد رقم نہیں بلکہ کوئی جنس ہے، مثلاً گھڑی برتن میز کرسی وغیرہ ہے، تو اس کو اسی طرح کی چیز تاوان میں دینی چاہیئے اور اگر نقد رقم یا قیمت والی چیزیں ہوں مثلاً سونا چاندی یا ان کے بنے ہوئے زیور تو اتنی ہی نقد رقم یا اتنی ہی قیمت کا زیور یا اس کی قیمت دینی ہوگی، اسی طرح اگر جنس میں کوئی ایسی چیز ہے جس کا ملنا دشوار ہے تو پھر اس کی قیمت کا اندازہ کر کے دینا ہوگا، مثلاً ویسٹرن گھڑی امانت تھی، اور وہ ضائع ہوگئی تو ویسی ہی گھڑی منگا کر اس کو دینا چاہیئے، اگر وہ بازار میں نہ مل سکے تو پھر قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

۲۔ تاوان میں وہی قیمت لی جائے گی جو اس چیز کی، تاوان کے دن تھی، مثلاً اگر کسی نے دسمبر کی پانچ تاریخ کو، کوئی چیز ضائع کی، تو ۵ر دسمبر کو بازار میں اس کی جو قیمت تھی وہی دینی پڑے گی، خواہ دیتے وقت وہ سستی ہو یا مہنگی۔

عاریت

دُنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو ضروریات زندگی کی ہر چیز حاصل ہو، زیادہ تر لوگ ایسے ہی ملیں گے، جن کو زندگی کے بہت سے کاموں میں بہت سی چیزیں دوسروں سے منگنی مانگنی پڑتی ہیں، اسی مانگنے کو شریعت میں عاریت کہتے ہیں۔

جس طرح کفالت کرنا، قرض دینا، امانت رکھ لینا اسلامی معاشرہ کا ایک اخلاقی فرض ہے، اسی طرح اگر کوئی حاجتمند اپنی کسی ضرورت پر کوئی منگنی مانگتا ہے، تو معاشرہ کے افراد کا اخلاقی فرض [1]

---

[1] اخلاقی فرض کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے، یعنی اس فرض کی ادائیگی پر اس کو ثواب ملے گا اور عدم ادائیگی کی صورت میں وہ قابلِ ملامت ٹھہریگا مگر قانوناً عاریت دینے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

ہے، کہ وہ چیز بغیر کسی عذر اور معاوضہ کے فراہم کر دیں، خاص طور پر معمولی اور روزمرہ کے استعمال کی چیزیں تو بغیر کسی تامل کے دے دینا چاہئیں، قرآن نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ماعون کے دینے میں تامل کرتے ہیں، چنانچہ اسی مناسبت سے ایک سورہ کا نام ہی الماعون پڑ گیا. ان میں جن باتوں پر تہدید کی گئی ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ.	خرابی ہو ان لوگوں کی جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں۔ یہ لوگ صرف دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور معمولی روزمرہ کے استعمال اور برتنے کی چیزوں کے دینے میں تامل کرتے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ ایسی دکھاوے کی نماز سے کیا فائدہ جس سے دل میں نہ تو خالق کی محبت پیدا ہو اور نہ مخلوق کی، اگر ان لوگوں کے دل میں خدا کی محبت ہوتی تو پھر وہ مخلوق سے بھی محبت کرتے، اور مخلوق کی محبت کا ادنیٰ تقاضا یہ تھا کہ وہ معمولی برتنے کی چیزیں مانگنے پر ان کو ضرور بے عذر دے دیتے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے عاریت لی بھی ہے اور دوسروں کو اپنی چیز بطور عاریت دی بھی ہے۔

ماعون؟ ماعون میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے لینے دینے میں کوئی بڑا نقصان یا حرج نہ ہو، مثلاً کسی کے یہاں مہمان آگئے، آپ سے چارپائیاں مانگیں، بستر مانگا، برتن مانگا یا ضرورت پر کسی نے رسی مانگی، نمک مانگا، دیا سلائی یا آگ مانگی، چھری مانگی، صابن مانگا، پڑھنے کے لئے کتاب مانگی تو آدمی کو بے تکلف دے دینا چاہیئے۔ صحابہ کرام کا طرزِ عمل یہ تھا کہ وہ حضرات ماعون کے دینے میں کبھی عذر نہ کرتے تھے، ان کی زندگی نہایت سادہ تھی اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے درمیان ماعون میں جو چیزیں لی یا دی جاتی تھیں، ان میں سوئی تاگا، ڈول رسی وغیرہ شامل تھیں۔

عاریت کی تعریف

شریعت میں کسی کو بغیر معاوضہ اپنی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دینا عاریت ہے۔ عاریت دینے کو اعارہ اور عاریت رکھنے کو استعارہ کہتے ہیں، اور عاریت دینے والے کو معیر اور عاریت لینے والے کو مستعیر کہتے ہیں۔ جو چیز عاریت لی جائے اس کو مستعار کہتے ہیں۔

عاریت کا حکم

(۱) کسی نے اپنے کسی پڑوسی یا کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ مجھے دو دن کے لئے ایک پلنگ یا کرسی منگنی دے دیجئے اور اس نے دے دیا تو یہ چیز عاریت ہوگی۔

(۲) عاریت کی چیز جب تک مستعیر کے یہاں رہے گی وہ امانت[۱] بے ضمانت ہوگی، یعنی اس کی حفاظت مستعیر پر اسی طرح ضروری ہے جس طرح امانت کی ہوتی ہے، لیکن اگر وہ چیز اتفاق سے ٹوٹ گئی یا خراب ہوگئی تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

(۳) اس پر تاوان کی ذمہ داری اس صورت میں نہ ہوگی، جب وہ چیز اتفاق سے خراب ہوگئی یا ٹوٹ گئی ہو، لیکن اگر اس نے غلط طریقہ سے استعمال کیا اور وہ چیز خراب ہوگئی

---

[۱] یہ مسلک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام صاحب نے اس کو ودیعت پر قیاس کیا ہے، مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسے رہن کے مانند امانت قرار دیتے ہیں۔ یعنی اگر یہ چیز ایسی چھوٹی موٹی ہو کہ اس کا خراب ہونا عام لوگ نہ دیکھ سکیں مثلاً کپڑا، روپیہ، گھڑی، فاؤنٹن پن وغیرہ۔ تو ان میں ضمانت نہیں ہوگی اور اگر یہ ایسی چیزیں ہیں، جنکا نقصان ہر شخص دیکھ سکتا ہے مثلاً سواریاں، جانور اور بڑی بڑی چیزیں تو مستعیر پر ضمانت ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبضہ کے بعد جس صورت سے بھی نقصان ہوگا، مستعیر ضامن قرار دیا جائے گا خواہ وہ چھوٹی چیز ہو یا بڑی۔ وہ قصداً نقصان کرے یا بغیر قصد کے ان کا استدلال اس حدیث نبوی پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عاریۃٌ مَضمُونَۃٌ غالباً امام صاحب کے استدلال کی بنیاد ماعون کے سلسلے میں قرآن کی عمومی ہدایت اور تہدید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام طرز عمل پر ہے۔ عاریۃ مضمونۃ والی حدیث کو وہ اسی صورت پر محمول کرتے ہیں جب وہ قصداً نقصان کرے۔

یا قصداً اس نے خراب کر دیا یا توڑ دیا تو مستعیر کو اس کا تاوان دینا پڑے گا، مثلاً کسی نے چارپائی لی اور اس پر دس بیس آدمی لد گئے اور ٹوٹ گئی، گھڑی لی اور چابی سخت ہاتھ سے یا الٹے طریقہ پر دے دی اور اسپرنگ ٹوٹ گئی، کہیں جانے کے لئے سائیکل مانگی اور سیدھے اور اچھے راستے کے بجائے اس کو خراب راستہ سے لے گیا یا جتنے میل کے لئے کہا تھا اس سے زیادہ لے گیا اور اس کا ٹائر ٹیوب یا کوئی اور چیز خراب ہو گئی، فاؤنٹن پن لیا اور اس کو غلط طریقہ پر استعمال کیا اور ٹوٹ گیا تو ان تمام صورتوں میں اس کو اس کی پوری قیمت یا نقصان کے بقدر قیمت دینی پڑے گی یا مرمت کرانی پڑے گی۔ اسی طرح چینی کی پلیٹ کہیں سے لایا اور اس نے چھوٹے بچے کے ہاتھ میں دے دی اور ٹوٹ گئی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ لیکن اگر اس نے گھڑی یا شیشے کا گلاس عاریۃً منگایا اور اتفاق سے نوکر کے یا اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا یا پیر پھسل گیا اور عاریت کی چیز گر کر ٹوٹ گئی، یا کسی نے دری فرش منگایا اور اس پر اگالدان گر گیا اور پیک پڑ گئی تو ان تمام صورتوں میں اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے اوپر کسی نے دیا سلائی کی تیلی جلا کر ڈال دی یا سگریٹ بیڑی کا ٹکڑا جلتا ہوا پھینک دیا اور فرش یا دری جل گئی تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ غرض یہ کہ غلط استعمال سے یا قصد و ارادہ سے جو چیز خراب کی جائے گی اس کا تاوان لیا جائے گا۔

(۴) جتنے دن کے لئے عاریت لی ہے، اس کے بعد فوراً واپس کر دینی چاہیئے، اگر اس نے واپس کرنے میں دیر کی اور وہ چیز غائب ہو گئی یا ٹوٹ پھوٹ گئی تو نقصان کی قیمت اس کو دینی پڑے گی۔

(۵) جو چیز مانگ کر لائی گئی ہے اس کو اپنے ہی استعمال میں لانا چاہیئے دوسرے کو نہ دینا چاہیئے، البتہ اگر مالک نے دوسرے کو دینے کی اجازت دے دی ہے یا اس سے ایسے تعلقات ہیں کہ اگر دے دی جائے گی تو اس کو بُرا نہ معلوم ہوگا تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر اس نے منع کر دیا ہو کہ یہ چیز کسی دوسرے کو نہ دی جائے تو پھر دینا گناہ بھی ہے۔ اگر وہ چیز نقصان ہو گی تو اس کا معاوضہ بھی مستعیر کو دینا پڑے گا۔

(۶) اگر معیر یعنی منگنی دینے والے نے وقت، جگہ یا طریقہ، استعمال کی کوئی قید نہ لگائی ہو تو مستعیر یعنی عاریت لینے والے کو اختیار ہے کہ وہ جس وقت تک چاہے اور جس طرح چاہے استعمال کرے، اس صورت میں اگر کوئی نقصان ہوگا تو مستعیر پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر عام طور پر جس طرح وہ چیز استعمال کی جاتی ہے، اس کے خلاف استعمال کرے گا تو اجازت کے باوجود تاوان دینا پڑے گا، مثلاً کسی نے کسی سے سائیکل یا موٹر منگنی مانگی، اس کو مجمع میں بے تحاشہ یا اس رفتار سے زیادہ تیز چلانا شروع کر دیا جو عام طور پر اس کی مقرر ہے، اور وہ ٹکرا گئی تو اس کے نقصان کی ذمہ داری مستعیر پر ہوگی، اسی طرح اس سے ٹکرا کر جس دوسری چیز کا نقصان ہوگا اس کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی، مثلاً کسی کو چوٹ لگ گئی یا کسی کا کوئی مالی نقصان ہوگیا تو اس کا تاوان اسی کو دینا پڑے گا، اسی طرح کسی سے پلنگ کی چادر مانگی، اور اس کا دسترخوان بنا دیا اور اس پر شوربے یا کسی چیز کا ایسا دھبہ لگ گیا، جس سے اس کی قیمت گھٹ گئی تو اس کی ذمہ داری مستعیر پر ہوگی، غرض یہ کہ جو چیز عام طور پر جس طریقہ سے یا جس کام کے لئے استعمال کی جاتی ہے اس کو اس کے خلاف استعمال کرے گا تو تاوان دینا پڑے گا۔

(۶) اسی طرح اگر آپ نے کوئی چیز اپنے استعمال کے لئے منگائی اور معیر نے دوسرے کو دینے یا برتنے سے منع نہیں کیا یا آپ سے کسی دوسرے نے کوئی چیز مانگی اور آپ نے دوسرے کے برتنے اور استعمال کرنے سے صراحۃً منع نہیں کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر عاریت کی چیز ایسی ہے کہ دوسروں کے استعمال سے اس میں کوئی خاص فرق نہیں آتا مثلاً مکان، برتن، گلاس، چمچے، تخت وغیرہ تو اس کو دوسرے کو دے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس صورت میں اس پر تاوان کی ذمہ داری نہیں ہوگی لیکن اگر وہ ایسی چیز ہو کہ دوسرے کے استعمال سے اس میں فرق آجاتا ہے تو پھر دینا جائز نہیں ہے مثلاً گھڑی، فاؤنٹین پن، موٹر، سائیکل یا کوئی اور سواری، کپڑا، جوتا، چھتری وغیرہ۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ کئی ہاتھوں میں جانے سے خراب ہو جاتی ہیں اس لئے ایسی تمام چیزوں کو دوسرے کو نہ دینا چاہیئے بلکہ خود ہی استعمال کرنا چاہیئے۔ اگر دے گا اور خراب ہوگی یا گم ہوگی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

(۷) اگر معیر کی ہدایت کے خلاف مستعیر اس کو استعمال کرے گا تو اس پر تاوان ہوگا۔

(۸) اگر کسی نے عورت سے کوئی ایسی چیز مستعار مانگی جو اس کے شوہر کی ہے اور عورت نے شوہر سے پوچھے بغیر دے دیا تو اگر وہ ایسی چیز ہے جو گھر کے اندر ہی رہتی ہے اور عموماً عورت ہی کے قبضہ میں رہتی ہے، مثلاً جنس، زیور، نمک، تیل، گھی، شکر، برتن وغیرہ تو ان چیزوں کو بھی عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے دینا تو نہ چاہیئے لیکن اگر اس نے دے دیا اور وہ چیز ضائع ہوگئی تو پھر عورت پر یا مستعیر پر کوئی تاوان عائد نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر یہ چیز ایسی ہے جو گھر کے باہر رہتی ہے اور عموماً عورتوں سے ان کا تعلق نہیں ہوتا، مثلاً جانور، مردانہ مکان کا فرنیچر، سواری وغیرہ۔ تو ان چیزوں کے ضائع ہونے کی صورت میں شوہر یعنی مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے عورت سے تاوان لے یا مستعیر سے۔

معیر و مستعیر کو بعض اور ضروری ہدایتیں

(۱) معیر جب چاہے اپنی دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ مستعیر کو بلا عذر واپس کر دینا چاہیئے۔ اگر اس نے عذر کیا اور وہ چیز ضائع ہوگئی یا خراب ہوگئی تو مستعیر کو تاوان دینا ہوگا۔

(۲) معیر کی خاموشی رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔ یعنی اگر معیر نے کہا کہ دو دن میں یہ چیز واپس کر دیجئے گا اور آپ نے کہا کہ نہیں چار دن میں واپس کروں گا تو اس پر معیر کچھ بولا نہیں تو یہ اس کی رضامندی نہیں سمجھی جائے گی۔ آپ کو دو ہی دن میں واپس کرنا چاہیئے۔

(۳) معیر یا مستعیر کی موت سے عاریت کا معاملہ ختم سمجھا جائے گا۔

(۴) معیر اور مستعیر کا عاقل اور سمجھ دار ہونا ضروری ہے، ناسمجھ بچوں یا پاگلوں سے عاریت لینا یا ان کو عاریت دینا صحیح نہیں ہے۔

(۵) مستعار چیز پر مستعیر کا قبضہ ہونا ضروری ہے۔

(۶) مستعار چیز کی تعیین بھی ضروری ہے۔ مثلاً چند سائیکلیں ایک جگہ رکھی ہوں تو معیر کو چاہیئے کہ یہ نہ کہے کہ ان میں سے ایک لے لو، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ فلاں سائیکل لے لو، یا پھر یہ اجازت دینی چاہیئے کہ جو چاہے لے لو۔

(۷) معیر مستعیر سے عاریت کی چیز کی اجرت یا اس کا کوئی بدلہ نہیں لے سکتا۔

(۸) مستعار چیز کے استعمال کے زمانہ میں اگر کوئی خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو مستعیر کو برداشت کرنا پڑے گا، مثلاً سائیکل میں ہوا نہ ہو یا پنکچر ہو جائے تو ہوا بھرنے اور پنکچر بنوانے کے پیسے مستعیر کو دینے پڑیں گے، اگر اس نے بغیر پنکچر جڑائے یا ہوا بھرے اس کو استعمال کیا اور وہ خراب ہو گئی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ اسی طرح اس نے جانور عاریت لیا تو اس کے کھانے پینے پر جو کچھ خرچ ہو گا اس کو برداشت کرنا پڑے گا۔ یا مکان عاریۃً لیا تو جب تک رہے گا اس کی مرمت مستعیر کے ذمہ ہو گی۔

(۹) مستعیر، مستعار چیز کو نہ تو بیچ سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے اور نہ کرایہ پر چلا سکتا ہے، البتہ اگر کوئی ضرورت ہو تو دوسرے کسی کے یہاں اس کو بطور امانت رکھ سکتا ہے، مثلاً کسی نے ہتھ پھیر روپیہ لیا، اور کسی کے یہاں امانت رکھ دیا تو اگر وہ اتفاق سے ضائع ہو گئے تو اس پر اس کا تاوان عائد نہیں ہو گا، لیکن اگر اس کی غلطی سے یا امین کی غلطی سے روپے ضائع ہوئے ہیں تو تاوان عائد ہو گا۔

(۱۰) عاریت کی مدت ختم ہونے کے بعد فوراً چیز واپس کر دینی چاہیئے اگر واپس نہ کی تو اس مدت میں جو نقصان ہو گا اس کی ذمہ داری مستعیر پر ہو گی۔

(۱۱) عاریت کی چیز خود جا کر واپس کرنی چاہیئے یا اپنے معتبر آدمی کے ذریعہ واپس کرنی چاہیئے۔ اگر اس نے کسی دوسرے کے ذریعہ بھیجا اور وہ خراب ہو گئی یا ضائع ہو گئی تو اس کو تاوان دینا ہو گا۔

(۱۲) عاریت کی چیز کے لے جانے اور اس کے واپس کرنے میں جو کچھ مصارف پڑیں گے وہ سب مستعیر کو برداشت کرنا ہوں گے۔

(۱۳) اگر کسی نے کوئی زمین، باغ یا مکان بنانے کے لئے عاریت لی تو معیر جب چاہے اس سے خالی کرا سکتا ہے، مستعیر کو چھوڑنا پڑے گا، البتہ اگر کوئی مدت متعین کر دی ہے تو اس صورت میں بھی معیر کو اپنی زمین خالی کرانے کا اختیار رہو گا مگر قبل از وقت اس کے

خالی کرانے کا جو نقصان مستعیر کو ہوگا معیر اس کا معاوضہ مستعیر کو ادا کرے گا۔ مثلاً دس برس کے لئے کسی نے کسی کو باغ لگانے کے لئے زمین دی اور پانچ ہی برس میں معیر کو اس کی ضرورت پیش آگئی تو مستعیر کو چاہیئے کہ درخت کاٹ لے اور زمین خالی کردے۔ اب اگر دس برس باغ رہتا تو اس کے درختوں کی قیمت پانچ سو روپے ہوتی اور جس وقت خالی کر رہا ہے اس وقت اس کی قیمت دو سو روپے ہے تو یہ تین سو روپے معیر کو نقصان کے معاوضہ میں دینا پڑیں گے۔ اور اگر معیر درخت بھی لینا چاہے اور مستعیر دینا بھی چاہے تو اس کی جو قیمت ہوگی وہ پوری قیمت دینی پڑے گی۔

(۱۴) لیکن اگر کسی کو کھیت جوتنے کے لئے دیا تو اس میں مدت مقرر ہو یا نہ ہو، جب تک فصل پک نہیں جاتی وہ خالی نہیں کرا سکتا۔

ہبہ اور ہدیہ

عاریت کی طرح ہبہ، ہدیہ اور صدقہ بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کا ایک بہترین طریقہ ہے، کتاب و سنت میں اس کی بے حد ترغیب آئی ہے، صدقہ کا بیان زکوٰۃ کے سلسلہ میں اوپر ہو چکا ہے جس میں تفصیل سے یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اسلامی شریعت نے اس کی کتنی ترغیب دی ہے۔ خاص طور پر ہدیہ اور عطیہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آپس میں ہدیے اور عطیے بھیجا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے اور دلوں کی کدورت دور ہوتی ہے۔" (ترمذی)

آپ نے فرمایا کہ ہدیہ خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ بھیجا جائے، اس کو قبول کر لینا چاہیئے، اور اسی طرح معمولی عطیہ کے بھیجنے میں بھی شرم محسوس نہ کرنی چاہیئے، آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے کوئی گوشت کا ایک ٹکڑا یا کھر بھی بھیجے تو میں اسے بخوشی قبول کروں گا۔ (مسند احمد و ترمذی)

ہدیہ کا بدلہ ایک آدمی جب کسی کو کوئی ہدیہ بھیجے یا کوئی چیز ہبہ یا صدقہ کردے تو اس کو اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہنی چاہیئے اور نہ کوئی ایسا طرزِ عمل

اختیار کرنا چاہیئے کہ دوسرا شخص یہ محسوس کرے کہ وہ احسان جتا رہا ہے یا اس کا اظہار چاہتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی بڑی مذمت آئی ہے، قرآن میں کہا گیا ہے کہ "احسان دھرنے والے یاد کھاوا کرنے والے شخص کے عمل کی مثال اس چٹان کی ہے جس پر مٹی جمی ہوتی ہے، مگر ایک ہلکی سی بارش سے دھل جاتی ہے، ایسا شخص نہ تو خدا پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت پر"۔ حدیث میں کہا گیا ہے کہ "قیامت کے دن جو لوگ رحمت الٰہی کے سایہ سے دور ہوں گے ان میں احسان جتانے والا بھی ہے۔" غرض یہ کہ نمود و نمائش اور احسان جتانے کے لئے کسی کو صدقہ و ہدیہ نہ دے مگر اسی کے ساتھ جس کو ہدیہ دیا گیا ہے اس کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ بھی اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق ہدیہ، صدقہ اور ہبہ کا بدلہ چکائے۔ اگر وہ کوئی چیز نہیں دے سکتا تو کم از کم زبان سے اس کا شکریہ ہی ادا کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کو کوئی ہدیہ دیا جاتا ہے اس کو بھی چاہیئے کہ وہ اس کا بدلہ چکائے، اگر وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ اس کی تعریف اور شکریہ ادا کرے اور اگر کسی نے یہ بھی نہ کیا تو احسان ناشناسی اور کفرانِ نعمت کیا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

غیر مسلم کو ہدیہ دیا بھی جاسکتا ہے اور اس سے لیا بھی جاسکتا ہے

جس طرح تمام معاملات میں جب تک کہ حرام حلال کی کوئی حد نہ ٹوٹے مسلم و غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے، اسی طرح مسلم و غیر مسلم کے ہدیہ میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ اس سے ہدیہ لیا بھی جاسکتا ہے اور دیا بھی جاسکتا ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کا ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ خود قرآن میں آیا ہے

لا ینھاکم اللہ	اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے
عن الذین لم یقاتلوکم	ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے
فی الدین ولم یخرجوکم	نہیں روکتا جنھوں نے تم سے دین کے بارے
من دیارکم ان تبروھم	میں نہ تو لڑائی کی اور نہ تم کو گھر سے نکالا۔

وتقسطوا الیهم ان اللہ یحب المقسطین — اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ہبہ، ہدیہ اور عاریت میں فرق

عاریت میں جو چیز یا روپیہ پیسہ کسی کو دیا جاتا ہے اس میں واپسی کی شرط ہوتی ہے، یعنی مستعیر اتنی مدت کے لئے اس چیز کا مالک نہیں بلکہ امین ہو جاتا ہے۔ مگر بطور ہبہ یا بطور ہدیہ وصدقہ جو چیز یا جو رقم کسی کو دی جاتی ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، اب ہبہ کرنے والے یا ہدیہ کرنے والے یا صدقہ کرنے والے کو اس کے واپس لینے کا اختیار نہیں ہوتا اگر وہ واپس کر لینا چاہتا ہے تو بعض صورتوں میں قانوناً دوبارہ وہ چیز اس کو مل جائے گی مگر ایسا کرنا اخلاقی اعتبار سے بڑا گناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہبہ، ہدیہ یا صدقہ دیکر واپس لے لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی ہے جو پیٹ بھر کھانے کے بعد قے کر دیتا ہے اور پھر اسی قے کو دوبارہ نگل لیتا ہے۔[سلہ] اس لئے آدمی کو دینے سے پہلے دینے یا نہ دینے کے بارے میں خوب سوچ سمجھ لینا چاہیئے تاکہ بعد میں اس کو نہ تو ندامت ہو اور نہ واپسی کی ضرورت محسوس کرے، اگر واقعی کسی دی ہوئی چیز کی واپسی کی ضرورت ہی پیش آجائے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے کہ وہ واپس لے لے۔ اس تمہید کے بعد اب قانونی تفصیل لکھی جاتی ہے۔

ہبہ، ہدیہ اور صدقہ میں فرق ہے

ہبہ، ہدیہ اور صدقہ کا اس حیثیت سے تو ایک ہی حکم ہے کہ ان کے ذریعہ آدمی اپنی کسی چیز کا دوسرے کو مالک بنا دیتا ہے اور پھر عام حالت میں اس کی واپسی کا اختیار اس کو باقی نہیں رہتا لیکن ان میں سے ہر ایک میں دینے کا جذبہ کچھ مختلف ہوتا ہے یا مختلف ہونا چاہیئے، اس لئے تھوڑا سا فرق ہے ورنہ نتیجہ کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ہدیہ کی تعریف

ہدیہ اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کسی کی ہمت افزائی اور محبت کے جذبہ

سلہ یہ روایت بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں آتی ہے، کسی روایت میں ہبہ کا لفظ ہے، کسی میں صدقہ کا۔ اور کسی میں عطیہ و ہدیہ کا۔ ان سب الفاظ کو جمع کرکے اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

سے اس کے پاس بھیجنا ہے۔

صدقہ کی تعریف صدقہ وخیرات اس مال یا چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو محض ثواب کی خاطر دیا جائے۔

ہبہ کی تعریف ہبہ کے لفظی معنی، دینے کے ہیں اور اسلامی شریعت میں بغیر کسی معاوضہ کے اپنی کسی چیز یا کسی مال کو دوسرے کی ملکیت میں دینے کا نام ہبہ ہے۔

نوٹ صدقہ کی تعریف میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ محض ثواب کی خاطر دیا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہبہ اور ہدیہ میں ثواب نہیں ملتا، اگر کوئی شخص ہدیہ وہبہ بھی ثواب کی نیت سے کرے تو اس کو بھی ثواب ملے گا، یہاں یہ بات صرف اس لئے کہی گئی ہے کہ صدقہ دیتے وقت محض یہی جذبہ ہوتا ہے، یا یہی جذبہ ہونا چاہیئے، اس نیت کے بغیر وہ صدقہ نہیں کہا جائے گا، ورنہ حقیقتاً صدقہ اور ہدیہ تو خود ہی ہبہ کی دو قسمیں ہیں۔

ہبہ کی اصطلاحات ہبہ کرنے والے کو واہب اور جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہ اور جو چیز ہبہ کی جائے اس کو موہوب کہتے ہیں۔

ہبہ کے ارکان وشرائط (۱) ہبہ کے لئے ایجاب وقبول اور قبضہ کا ہونا ضروری ہے ایجاب سے مراد یہ ہے کہ واہب اپنی رضامندی سے کوئی چیز دے اور موہوب لہ خوشی سے اسے قبول کر کے اس پر قبضہ کر لے تو ہبہ ہو گیا، اب وہ چیز واہب یعنی دینے والے کی ملک سے نکل موہوب لہ یعنی پانے والے کے ملک میں آگئی۔

(۲) ایجاب وقبول میں ہبہ کا لفظ صراحۃً کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ جس لفظ یا جس طرز عمل سے بھی ملکیت ہو جاتی ہو وہ ایجاب وقبول شمار کیا جائے گا۔ مثلاً کسی نے کہا کہ میں اپنی یہ کتاب آپ کو ہدیہ دے رہا ہوں اور آپ نے شکریہ ادا کر کے لے لیا تو یہ چیز ہبہ ہو گئی، یا آپ نے کچھ نہیں کہا اور لے لیا تو بھی وہ چیز آپ کی ملکیت میں آگئی، یا آپ نے کوئی چیز کسی اپنے دوست سے مانگی اور اس نے بخوشی دے دی تو یہ چیز ہبہ ہو گئی، مگر حتی الامکان کسی سے کوئی چیز بطور ہبہ یا ہدیہ مانگنی نہ چاہیئے۔ عاریۃً مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح کسی نے کپڑا خریدا یا زیور بنوایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کپڑے میں سے اپنے لئے ایک جوڑا بنوالو، یا یہ زیور پہن ڈالو تو یہ ہبہ ہوگیا، اب یہ چیز عورت کی ملک ہوگئی اب کسی ناراضگی کے وقت اس کو واپس لینا گناہ ہے۔

(۴) واہب کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے اگر کوئی نابالغ بچہ کوئی چیز ہبہ کردے تو اس کے والدین یا اس کے مربّی واپس لے سکتے ہیں۔

(۵) ہبہ میں واہب کی رضامندی ضروری ہے، اگر اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز زبردستی ہبہ کرائی گئی یا کسی سے زبردستی یا اصرار کر کے ہدیہ لیا گیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ایسا کرنا گناہ ہے۔

(۶) واہب نے جب ہبہ کی ہوئی چیز کو واضح الفاظ میں ہبہ کیا ہے مثلاً یہ کہا ہے کہ یہ گھڑی میں آپ کو دیتا ہوں، آپ اسے لیجئے تو پھر موہوب لہ نے اسی وقت لے لیا یا بعد میں، دونوں جائز ہیں۔ لیکن اگر اس نے مبہم الفاظ میں کہا کہ میں یہ گھڑی آپ کو دوں گا یا دینا چاہتا ہوں مگر یہ نہیں کہا کہ آپ لے لیجئے تو اس صورت میں اگر موہوب لہ اسی وقت اپنے قبضہ میں لے لے تو گھڑی اس کی ہوگئی، لیکن اگر اس نے اس وقت نہ لیا بلکہ دوسرے وقت اپنے قبضہ میں لے لیا تو یہ درست نہیں ہے، دوبارہ واہب سے اجازت لینی چاہیئے۔

(۷) خریدار کو یہ حق ہے کہ اپنے مال پر قبضہ سے پہلے اس کو ہبہ کردے۔

(۸) ہبہ یا ہدیہ کی ہوئی چیز کو قبضہ میں دے دینا ضروری ہے، اگر کوئی چیز دوسرے کے قبضہ میں ہے تو واہب کو چاہیئے کہ اس کے قبضہ سے نکال کر موہوب لہ کے حوالہ کردے۔

(۹) جو مال کسی کے قبضہ میں ہو اسی کو وہ ہبہ کردیا گیا، تو ہبہ ہوگیا۔ واہب کو اب اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ دوبارہ اس پر قبضہ بھی دلادے۔

(۱۰) اگر کسی نے اپنا قرض یا مطالبہ ہبہ کردیا اور مقروض یا مدیون نے اسے قبول کرلیا تو اب مدیون و مقروض کے سر سے قرض اتر گیا اب واہب قرض کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

(۱۱) موہوب یعنی جو چیز ہبہ کی گئی ہے اس پر قبضہ سے پہلے واہب یا موہوب لہ مرجائے

توہبہ باطل ہوگیا۔ کیونکہ ہبہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، یعنی واہب کی ملکیت سے وہ چیز موہوب لہ کے قبضہ کے بغیر نہیں نکلتی، اور قبضہ سے پہلے ہی جب وہ مرگیا تو اب اس کے مالک اس کے ورثہ ہوگئے۔ اس کا حق موت سے جاتا رہا اب ورثہ کو اختیار ہے کہ وہ دیں یا نہ دیں۔ اسی طرح ہبہ چونکہ قبضہ سے مکمل ہوتا ہے اور قبضہ سے پہلے جب موہوب لہ مرگیا تو اب اس پر قبضہ کون کرے گا۔

(۱۲) نابالغ بچے ہبہ تو نہیں کرسکتے مگر خود ان کو ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

بچوں کا ہبہ

اگر باپ دادا اپنے لڑکے یا پوتے کو کوئی چیز یہ کہہ کر دیں کہ یہ چیز میں تم کو دیتا ہوں تو بس دے دینے سے وہ چیز لڑکے کی ملک ہوگئی، اب واپس لینا درست نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی بھائی یا بہن اپنے چھوٹے بھائی بہن کو کوئی چیز دیدے تو وہ اس کی ملک ہوگئی، مثلاً کسی نے اپنے چھوٹے بچہ کا کپڑا بنوایا، اس کے لئے کتاب اور قلم خریدا، تو یہ چیزیں اس کی ہوگئیں، اب باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ چیزیں اپنے دوسرے بچوں کو دے دے، لیکن اگر یہ چیزیں خرید کر کسی خاص بچے کو دی نہیں یا یہ کہہ دیا کہ سب لوگ استعمال کریں تو پھر وہ کسی کی ملک نہیں ہوگی۔

(۱۳) لوگ چھوٹے ناسمجھ بچوں کو عیدی یا انعام وغیرہ کے نام سے جو روپیہ پیسہ یا کوئی چیز دے دیا کرتے ہیں، اس سے مقصود بچوں کو دینا نہیں ہوتا، بلکہ ماں باپ ہی کو دینا ہوتا ہے۔ مگر اتنی کم رقم وہ ان کو براہ راست دینا مناسب نہیں سمجھتے اسی لئے بچہ کے بہانہ سے دے دیتے ہیں تو ایسی تمام چیزیں والدین کی ملک سمجھی جائیں گی، بچوں کی نہیں لیکن اگر کسی نے صراحۃً یہ کہہ کر دیا کہ یہ بچے کو ہی دے رہا ہوں، اگر بچہ سمجھ دار ہے تو اس کی دو صورت ہے اس کا قبضہ کرلینا کافی ہے۔ یہ چیز اس کی ملک ہوگئی اور اگر وہ ناسمجھ ہے تو پھر اس کے باپ یا دادا کا قبضہ کرلینا کافی ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو وہ بچہ جس کی پرورش میں ہو اس کا قبضہ کرلینا کافی ہے، لیکن ان دونوں صورتوں میں باپ دادا یا اس کے مربیّ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو اپنے استعمال میں لے آئیں۔

غرض یہ کہ جو چیز نابالغ یا بالغ بیٹے کی ملک ہو گئی، اس کو اسی کے کام میں لگایا جائے، کسی دوسرے بچہ کو نہ دی جائے۔

(۱۴) اپنے لڑکوں کو اگر کوئی چیز ہبہ کرنی ہو تو سب کو برابر دینا چاہیئے یعنی لڑکے لڑکی سب کو برابر دینا چاہیئے عموماً گھروں میں لڑکوں کا زیادہ خیال کیا جاتا ہے اور لڑکیوں کا کم، یہ صحیح نہیں ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ... تینوں اماموں کا یہی مسلک ہے، البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ جس طرح وراثت تقسیم ہوتی ہے اسی طرح ہبہ بھی کرنا چاہیئے یعنی لڑکوں کو دو حصہ اور لڑکیوں کو ایک حصّہ۔

(۱۵) ہبہ میں مدت کی تعیین صحیح نہیں ہے مثلاً کسی نے یہ کہا کہ ایک ماہ میں یا ایک سال کے لئے میں فلاں چیز ہبہ کرتا ہوں، تو یہ ہبہ ناجائز ہے۔

(۱۶) ہبہ میں واہب نے اگر عوض یا فائدہ کی شرط لگا دی تو یہ صحیح ہے مثلاً اس نے کہا کہ میں یہ مکان تمہیں دیتا ہوں، مگر میں بھی اسی میں رہوں گا یا اس کے بدلے میرا فلاں قرض تم ادا کر دو، یا فلاں زمین میں اس شرط پر ہبہ کرتا ہوں کہ تم زندگی بھر میرے کھانے کپڑے کے ذمہ دار رہو، تو یہ ہبہ درست ہے۔ اب اگر مشروط ہبہ میں واہب کو کچھ دن بعد یہ خیال ہوا کہ ہبہ غلط ہوا ہے، تو اس کی وہ شرط جب تک پوری ہوتی رہے گی، اس کو ہبہ سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا، البتہ اگر وہ شرط نہ پوری ہو تو وہ رجوع کر سکتا ہے۔

(۱۷) جو چیز ہبہ کی جائے اس کا موجود ہونا ضروری ہے، اگر وہ ابھی وجود میں نہیں آئی ہے تو پھر یہ ہبہ ناجائز ہے، مثلاً کسی نے کہا کہ اس کھیت میں جو کچھ پیدا ہوگا، وہ میں ہبہ کرتا ہوں، یا باغ میں آئندہ سال جو پھل آئیں گے یا اس جانور سے جو بچے پیدا ہوں گے وہ میں ہبہ کرتا ہوں تو یہ ناجائز ہے۔

(۱۸) جو چیز ہبہ کی جائے وہ واہب کی ملکیت ہونی ضروری ہے دوسرے کی چیز اگر کسی کو دے دی گئی تو یہ دینا ناجائز ہے۔

(۱۹) موہوب یعنی جو چیز ہبہ کی جائے اس کی تعیین ضروری ہے مثلاً کسی کے پاس چند

سائیکلیں یا چند گھڑیاں یا چند جانور ہیں، تو ان میں سے اگر کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو متعین طور پر بتادے کہ یہ فلاں سائیکل یا فلاں جانور یا فلاں گھڑی میں آپ کو دیتا ہوں، اگر کسی سے یہ کہا کہ ایک سائیکل لے لیجئے تو صحیح نہیں ہے، البتہ اگر یہ کہا کہ جو چاہے لے لیجئے تو پھر موہوب لہ اپنی پسند سے جو چاہے لے سکتا ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ اسی وقت لے لے، اگر وہ چلا گیا اور پھر آیا تو اب اس کو دوبارہ واہب سے اجازت لینی پڑے گی۔

ہبہ اور ہدیہ کی واپسی

اوپر ذکر آچکا ہے کہ دی ہوئی چیز کو واپس لینا گناہ ہے، لیکن کسی کا شدید نقصان ہو رہا ہو تو بعض صورتوں میں موہوب چیز واپس لے سکتا ہے۔ وہ صورتیں یہ ہیں۔

(۱) واہب نے کوئی چیز ہبہ کی مگر موہوب لہ نے ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا ہے، تو اگرچہ دیانۃً و اخلاقاً ایسا کرنا مناسب نہیں ہے مگر قانوناً وہ اپنے ہبہ کو واپس لے سکتا ہے، اگر اس نے ہبہ کے بعد موہوب لہ سے کہہ دیا کہ آپ اس کو نہ لیجئے گا تو گویا اس نے ہبہ سے رجوع کر لیا۔

(۲) قبضہ کے بعد ہبہ کی واپسی کی دو صورت ہے، ایک یہ کہ موہوب لہ خوشی سے واپس کر دے۔ اگر موہوب لہ خوشی سے واپس نہ کرے تو پھر واہب کو قانونی چارہ جوئی کرنی چاہیئے۔ اگر دوسرے قانونی موانع نہ ہوں گے تو اسلامی عدلیہ اس ہبہ کو فسخ کرا دے گی۔

جن صورتوں میں ہبہ کی واپسی نہیں ہو سکتی

وہ صورتیں اور موانع جن کی موجودگی میں ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں ہو سکتی حسب ذیل ہیں۔

(۱) اگر کسی نے اپنے ماں باپ، دادا، دادی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، بھائی، بہن، بھانجے، پھوپی، پھوپھا، چچا، وغیرہ کو دیا تو واپسی کا حق نہیں ہے۔ یعنی جن لوگوں سے خون کا رشتہ بھی ہو اور نکاح کرنا بھی حرام ہو ان میں سے کسی کو اگر کوئی چیز دے دی گئی تو پھر واپس لینے کا حق نہیں ہے، اب اگر کسی نے اپنے رضاعی بھائی بہن، ساس سسر کو

کوئی چیز دی تو اخلاقاً تو واپس نہ لینا چاہیئے مگر قانوناً ان سے واپس لے سکتا ہے، کیونکہ ان سے نکاح تو حرام ہے مگر خون کا رشتہ نہیں ہے۔

(۲) اگر بیوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو کوئی چیز دی تو قبضہ کے بعد پھر واپسی کا حق نہیں ہے۔

(۳) اگر ہبہ کی ہوئی چیز میں موہوب لہ نے کوئی ایسا اضافہ کر دیا ہے جو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا یا اس میں کوئی چیز بنالی ہے یا اس کی شکل وصورت تبدیل کر دی ہے، تو پھر واہب کو واپسی کا حق نہیں ہے مثلاً کسی نے ایک جانور بطور ہبہ دیا اور ہبہ پانے والے نے اس کو کھلا پلا کر موٹا تازہ کیا تو چونکہ اس کی موٹائی کو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کو واپس لینا صحیح نہیں ہے، اسی طرح کسی نے زمین ہبہ کی اور موہوب لہ یعنی ہبہ پانے والے نے اس میں مکان بنا لیا یا باغ لگا لیا تو اب ہبہ کی واپسی نہیں ہو سکتی، اسی طرح اگر کسی نے گیہوں دیا اور اس نے پسوا لیا تو اب اس کی واپسی نہیں ہو سکتی لیکن اگر یہ زیادتی ایسی ہوئی ہے جو اصل چیز سے جدا ہے تو پھر وہ اصل چیز واپس ہو سکتی ہے، اور زیادتی موہوب لہ کی ہوگی۔ مثلاً کسی نے ایک بکری یا گائے کسی کو ہبہ کی اور بکری یا گائے نے بچے دیئے، تو واہب اگر گائے یا بکری واپس لینا چاہے تو یہ گائے اور بکری تو واپس کر دی جائیگی، بچے موہوب لہ کے ہونگے۔

(۴) اگر ہبہ کی ہوئی چیز کو موہوب لہ نے فروخت کر دیا تو اب اس کی واپسی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

(۵) اگر ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہ کے پاس سے ضائع ہوگئی تو بھی واہب کو واپسی کا حق نہیں ہے۔

(۶) اگر واہب یعنی دینے والا یا موہوب لہ یعنی لینے والا مر جائے تو ہبہ کی واپسی اس کے ورثہ نہیں کر سکتے۔

ہدیہ وصدقہ جو احکام ہبہ کی واپسی کے ہیں، وہی صدقہ وہدیہ کے ہیں۔

ضروری ہدایات جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اگر موہوب لہ یعنی لینے والا رضامندی

سے واپس کر دے تو پھر یہ چیز واپس ہوسکتی ہے مگر ایسا کرنا اخلاقاً درست نہیں ہے اس میں بڑا گناہ ہے لیکن اگر موہوب لہ یعنی لینے والا واپس کرنے پر راضی نہ ہو تو پھر واہب زبردستی نہیں کرسکتا، اس کے لئے اب ایک ہی صورت ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے عدلیہ (سول کورٹ) سے قانونی طور پر اس معاہدہ کو فسخ کرائے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں اس کو دوسرے غیر قانونی اور غیر اخلاقی طریقہ سے واپس لینے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے ورنہ دہرا گناہ ہوگا ایک واپسی کا دوسرے غلط طریقہ پر واپسی کی کوشش کا۔

اجارہ

فقہ کی تمام کتابوں میں کتاب الاجارہ کے نام سے ایک باب ہوتا ہے جس میں تین قسم کی اجرتوں کا بیان ہوتا ہے، ایک تو وہ اجرت جو آدمی کرایہ کی صورت میں لیتا یا دیتا ہے، دوسری وہ اجرت جو آدمی پیشہ ور اجیروں مثلاً سنار، درزی، لوہار، بڑھئی، دھوبی وغیرہ کو دیتا ہے، تیسری وہ اجرت جو آدمی بحیثیت ملازم یا مزدور دوسروں کو دیتا ہے یا لیتا ہے فقہا چونکہ تینوں قسم کے مسائل کو ایک ہی باب میں بیان کرتے ہیں، اس لئے ان میں سے ہر ایک قسم کے مسائل کو علیحدہ کرکے ان کے تمام مالہ وماعلیہ کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے اس لئے راقم نے تینوں کو الگ کرکے بیان کیا ہے۔[1]

کرایہ پر لینا یا دینا

اپنی کسی چیز کو کرایہ پر دینا یا کسی دوسرے کی چیز کو کرایہ پر لینا جائز ہے اس کے بارے میں چند ضروری مسائل لکھے جاتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی چیز کرایہ پر لی جائے تو دو باتیں طے ہو جانی چاہئیں، ایک یہ کہ اس کا کرایہ کتنا ہوگا، دوسرے یہ کہ وہ کتنے دنوں کے لئے یا کس کام کے لئے کرایہ پر لے رہا ہے، مثلاً اگر

---

[1] تفصیل کے لئے راقم الحروف کی کتاب اسلامی قانون اجرت مطالعہ کرنی چاہیئے۔ اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔

کوئی مکان کرایہ پر لیا یا سواری کی، برتن کپڑا کرایہ پر لیا تو اس کا کرایہ بھی طے ہو جانا چاہیئے، اور مدت بھی یعنی ایک سال، دو سال یا ایک ماہ، دو ماہ یا ایک دن، دو دن کے لئے لے رہا ہے یا گھنٹے دو گھنٹے کے لئے۔ سواری میں کرایہ اور مدت کے ساتھ یہ بھی طے ہونا چاہیئے کہ وہ سواری کس کام کے اور کتنی مسافت کے لئے لے رہا ہے، مثلاً کسی نے موٹر یا سائیکل یا رکشا کرایہ پر کیا تو یہ بتا دینا چاہیئے کہ سوار ہونے کے لئے لے رہا ہے یا سامان ڈھونے کے لئے اور وہ اسے کہاں تک یا کتنے میل لے جائے گا تاکہ بعد میں دونوں میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

(۲) اگر کسی نے مکان کرایہ پر لیا اور کرایہ اور مدت نہیں طے کی، یا یہ کہا کہ میں اس کی مرمت کرا دیا کروں گا، یا سفیدی کرا دیا کروں گا تو یہ معاملہ عاریت کا ہوا، کرایہ کا نہیں اس لئے عاریت کے جو شرائط ہیں، اس کے مطابق معاملہ کرنا چاہیئے۔

(۳) اگر دس روپے ماہوار کے حساب سے کرایہ طے ہوا تو یہ معاملہ صرف ایک مہینے کے لئے سمجھا جائے گا، دوسرے مہینے میں دونوں کو پھر سے معاملہ کرنا چاہیئے، اگر مالک مکان چاہے تو ایک ماہ کے کرایہ دار سے مکان خالی کرا سکتا ہے، البتہ اگر مالک مکان نے دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو کوئی اعتراض نہ کیا تو پھر وہ دوسرے مہینے میں اسی کرایہ پر رہ سکتا ہے۔

گویا اس صورت میں ہر ماہ مالک مکان کرایہ بڑھا بھی سکتا ہے اور اپنا مکان خالی بھی کرا سکتا ہے، لیکن اگر کرایہ دار نے سال دو سال یا دس بیس سال کے لئے کوئی مکان یا زمین مدت مقرر کر کے کرایہ پر لی تو پھر اس مدت تک مالک کو نہ تو کرایہ بڑھانے کا حق ہے اور نہ اس کو نکالنے کا۔

(۴) مکان یا دکان کرایہ پر لے لیا مگر اس نے اسے استعمال نہیں کیا تو جتنے دن اس کو اپنے قبضہ میں رکھے گا اتنے دن کا کرایہ دینا پڑے گا۔

(۵) اگر سواری کرایہ پر کی، تو اس پر اتنے ہی آدمی سوار ہو سکتے ہیں، جتنے آدمی سوار ہونے کے لئے وہ بنائی گئی ہے، یا اس میں عام طور پر جتنے آدمی سوار ہوتے ہیں، مثلاً آپ نے رکشا کرایہ پر کیا تو اس پر صرف دو ہی آدمی کو بیٹھنا چاہیئے۔ یا ریل کے ڈبہ میں جتنے آدمیوں کی جگہ ہو اتنے ہی آدمیوں کو بیٹھنا چاہیئے، اسی طرح موٹر، بس یا سائیکل وغیرہ کا حکم ہے۔ اگر خود مالک زیادہ

آدمیوں کو بٹھالے تو اس کو یہ حق ہے۔

(۶) مشترک مکان، دکان یا کوئی مشترک چیز کرایہ پر نہیں دی جاسکتی۔

(۷) مکان کی آرائش وزیبائش کے لئے کوئی چیز کرایہ پر لینا ناجائز ہے البتہ اگر کسی کام کے لئے لائی گئی ہو اور ضمناً اس سے آرائش وزیبائش بھی ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۸) کتاب کرایہ پر لی یا دی جاسکتی ہے یا نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، کیونکہ یہ عام افادہ کی چیز ہے، اس کو مفت دینا چاہیئے، البتہ حفاظت کے خیال سے اس کی ضمانت لی جاسکتی ہے، ضمانت خواہ مالی یا جانی یعنی کوئی کفیل بن جائے، مگر امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کتابوں کو کرایہ پر دینے لینے کی اجازت دیتے ہیں، موقع و محل کے لحاظ سے ان دونوں رایوں میں سے کسی ایک پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

(۹) گائے بھینس یا بکری کو دودھ کھانے کے لئے کرایہ پر دینا درست نہیں ہے بلکہ عاریۃً دینا مناسب ہے، اسی طرح درخت کو کرایہ پر دینا کہ وہ پھل کھایا کرے گا یا ادھیا پر جانور کو دینا کہ جو بچے پیدا ہوں گے اس میں دونوں نصف نصف لیں گے، یا مرغی کو دینا کہ جو انڈے ہونگے وہ دونوں کے آدھے آدھے ہوں گے یہ سب ناجائز ہے، ان چیزوں کو اجرت پر دینا چاہیئے یعنی بکری یا گائے دی اور اس کی چرواہی طے کرلی کہ سال میں ہم تم کو اتنا روپیہ یا ایک جوڑا کپڑا دیں گے تم ان کو چرایا کرو، دیہاتوں میں دونوں صورتیں رائج ہیں، مگر شریعت میں پہلی صورت ناجائز ہے اور دوسری جائز ہے۔ پہلی صورت ناجائز اس لئے ہے کہ جو چیز ابھی وجود میں نہ آئی ہو اس کی خرید و فروخت اور کرایہ پر دینا ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔

کرایہ کا معاملہ کب ختم ہوسکتا ہے

(۱) جب کوئی چیز کرایہ پر لی یا دی جاتی ہے تو کرایہ پر لینے والے اور دینے والے دونوں آپس میں گویا کرایہ کا معاہدہ کرتے ہیں، اب ان میں سے کسی کو بغیر کسی عذر یا مجبوری کے اس معاہدہ کو توڑنا نہ چاہیئے مثلاً کرایہ پر دینے کے بعد مالک کو اس کا کرایہ زیادہ ملنے لگے تو کرایہ دار کو پریشان کرکے معاہدہ ختم کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔

(۲) کہیں جانے کے لئے رکشا، موٹر یا اور کوئی سواری منگائی پھر ارادہ بدل گیا تو رکشے اور موٹر کو واپس کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر رکشے والے کا وقت زیادہ ضائع ہوا ہے، یا موٹر کئی میل سے چل کر آئی ہے تو رکشے والے کو اتنے وقت کی مزدوری اور موٹر والے کو پٹرول کی قیمت اور اتنے وقت کی اجرت دینی چاہیئے۔

(۳) کرایہ دار یا مالک میں سے کوئی مر جائے تو اب پچھلے کرایہ کا معاملہ ختم ہو گیا، اب اس کے ورثہ کو نئے سرے سے معاملہ کرنا چاہیئے۔

(۴) اس شرط پر کرایہ کا ایڈوانس دینا یا لینا جائز نہیں ہے کہ اگر میں کرایہ پر نہ لوں گا، یا سواری سے نہ جاؤں گا تو پھر ایڈوانس کی رقم مالک مکان یا سواری والے کی ہو جائے گی۔ یہ مالک کی زیادتی ہے۔ ریل کا ٹکٹ لینے کے بعد اگر اس کو واپس کیا جائے تو اس میں کچھ .... کاٹ لیا جاتا ہے۔ اسلامی حکومت میں ایسا نہ کیا جائے گا اس کی واپسی میں گورنمنٹ کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

کرایہ کے بعض اور ضروری مسائل

(۱) مکان، دکان یا جو چیز بھی کرایہ پر لی ہے تو اس کی مدت ختم ہونے کے بعد مالک کو خود جا کر اس مکان یا چیز کو اپنے قبضہ میں لے لینا چاہیئے کرایہ دار پر اس کی واپسی کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اس کے حوالہ کرے۔

(۲) کرایہ کی چیز کی واپسی میں جو کچھ خرچ ہو گا، وہ مالک کو دینا پڑے گا کرایہ پر لینے والے کو نہیں، مثلاً کسی نے برتن کرایہ پر منگایا تو اس کی واپسی کا جو خرچ ہو گا، وہ مالک کو دینا پڑیگا، البتہ لے جانے کا خرچ لینے والے پر ہو گا۔

(۳) اگر کسی نے کوئی مکان یا دکان کرایہ پر لیا اور یہ نہیں بتایا کہ اس میں کون رہے گا، تو یہ جائز ہے۔

(۴) جو مکان یا دکان کرایہ پر دینا طے ہو گئی ہو اس کو فوراً خالی کر کے کرایہ دار کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔

(۵) مکان یا دکان کو کرایہ پر لیا مگر یہ نہیں بتایا کہ اس میں کون رہے گا یا وہ کس چیز کی دکان کرے گا تو مکان میں چاہے خود رہے یا دوسرے کو اس میں رکھے، یا اس میں سامان رکھے یا کوئی دکان کرے اس کو اختیار ہے۔ اسی طرح دکان میں جس چیز کی چاہے دکان کرے، مگر مکان یا دکان میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جائے گا جو مکان کو خراب کر دینے یا اس کو کمزور کر دینے کا سبب ہو، اس کے لئے مالک سے دوبارہ اجازت لینی ضروری ہے، مثلاً اس نے دکان میں بھٹی لگادی یا مکان میں آٹا پیسنے کی چکی نصب کی تو اس کو اجازت لے لینی چاہیئے کیونکہ دونوں کاموں سے مکان اور دکان کے خراب اور کمزور ہونے کا اندیشہ ہے، اسی طرح اگر کرایہ کے مکان میں جانور رکھنے کی ضرورت ہو تو اس بارے میں وہاں کا عام رواج دیکھا جائے گا، اگر عام طور پر جانور مکانوں میں رکھے جاتے ہوں جیسا کہ دیہاتوں میں ہوتا ہے تو رکھنا جائز ہوگا، اور اگر عام طور پر نہ رکھے جاتے ہوں مثلاً شہروں میں تو شہر کے مکانات میں ان کے رکھنے سے مالک مکان روک سکتا ہے، یوں اجازت دے دے تو پھر ہر جگہ رکھے جا سکتے ہیں۔

(۶) کرایہ کے مکان کی درستگی اور اس کی مرمت، راستہ کی آسانی، اور جو باتیں کرایہ دار کے لئے تکلیف دہ ہوں، ان سب کو دور کرنا مالک مکان پر ضروری ہے، ان سب چیزوں پر جو خرچ ہوگا، وہ مالک کو ادا کرنا ہوگا، لیکن اگر وہ خرچ نہ کرے اس کی دو صورت ہے، ایک یہ کہ اگر کرایہ دار نے مکان لیتے وقت اس کو اسی برے حال میں پایا تھا اور پھر بھی رہنے پر راضی ہوگیا تو اب وہ مالک کو مرمت پر مجبور نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ لیتے وقت تو وہ اچھے حال میں تھا اب خراب ہوگیا، یا کرایہ پر دیتے وقت خراب حال میں تھا اور مالک نے کہا تھا کہ میں بنوا دوں گا تو دونوں صورتوں میں مالک کو کرایہ دار کی سہولت کا خیال کرنا پڑے گا یعنی اس کو اس کی مرمت کرانی چاہیئے اگر نہ کرائے گا تو کرایہ دار کو قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق ہوگا۔

(۷) اگر کرایہ دار اپنی طرف سے اپنی آسانی کے لئے کوئی چیز بنوالے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مالک نے اس کو اس کی اجازت دی ہے، یا اجازت نہیں دی ہے، اگر اجازت نہیں دی ہے تو تمام اخراجات کرایہ دار کو برداشت کرتے پڑیں گے، مالک سے وہ نہیں مانگ سکتا۔

اور اگر اجازت سے اس نے خرچ کیا ہے تو پھر وہ تمام خرچ مالک سے لے سکتا ہے۔

(۸) اگر کرایہ دار کرایہ کی زمین میں کوئی درخت لگائے یا کوئی اور چیز اپنے خرچ سے بنائے تو مکان چھوڑتے وقت مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو درخت کٹوادے اور بنی ہوئی چیز کو ڈھادے یا پھر قیمت دے کر خرید لے مگر کرایہ دار مالک کو اس کی قیمت دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

(۹) مکان کی روزمرہ صفائی یعنی جھاڑو اور کوڑا کرکٹ وغیرہ پھینکنے کی ذمہ داری کرایہ دار پر ہے۔

(۱۰) اگر کرایہ دار نے مکان خراب کر دیا ہے یا بہت زیادہ گندہ کر دیا ہے تو مالک کو علیحدہ کرنے کا اختیار ہے۔

(۱۱) اگر کوئی کپڑا یا برتن یا فرنیچر کرایہ پر لے آیا، مگر گھر پر لا کر اس نے اسے استعمال نہیں کیا، تو بھی کرایہ دینا پڑے گا، لیکن اگر ابھی صرف معاملہ ہوا تھا اور وہ چیز ابھی دکاندار ہی کے پاس تھی، اور اس کو ضرورت نہیں رہی تو کرایہ نہ دینا پڑیگا، مگر دکان دار کو فوراً اطلاع دے دینا چاہیئے۔

(۱۲) اگر اس نے خاص اپنے استعمال کے لئے کوئی چیز کرایہ پر لی ہے تو دوسرے کو کرایہ پر یا منگنی نہ دینا چاہیئے۔

(۱۳) اگر سواری اس شرط پر لی ہے کہ فلاں مقام تک وہ پہنچا دے گا تو راستہ میں اگر سواری خراب ہو جائے یا بگڑ جائے تو مالک پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو اس مقام پر پہنچائے جہاں کا اس نے وعدہ کر لیا ہے۔ اگر سوار ہونے والوں کو دیر ہو رہی ہو اور وہ انتظار نہ کر سکتے ہوں تو پھر وہ جتنی مسافت طے کر چکے ہیں اس کا کرایہ ادا کرنے کے بعد دوسری سواری سے جا سکتے ہیں، سواری کا مالک ان کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اپنا حرج کر کے خواہ مخواہ سواری کے بننے کا انتظار کریں۔ مثلاً کوئی شخص موٹر یا ریل سے سفر کر رہا ہے اور راستہ میں کوئی خرابی آگئی اور سوار کو یہ خیال ہے کہ اس کے بنانے میں دیر لگے گی اور اس کو جلد کہیں پہنچنا ہے تو اسلامی شریعت کی رو سے وہ جتنا سفر طے کر چکا ہے اتنا پیسہ دینے کے بعد باقی کرایہ واپس لے سکتا ہے اور دوسری سواری سے جا سکتا ہے، موجودہ دور میں کرایہ دار کے لئے سوائے اس کے کوئی صورت نہیں

ہے کہ وہ اپنے پورے کرایہ کا خون کرے اور دوسری سواری سے جائے اور اگر کرایہ واپس لینا چاہتا ہے تو پھر ریلوے سے مقدمہ لڑے۔

(۱۴) جس جگہ کے لئے سواری کی ہے یا سواری کا ٹکٹ لیا ہے وہیں تک جانا چاہیئے، اگر اس سے زیادہ جائے گا تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

(۱۵) کوئی ایسی جگہ ہے جہاں دو اسٹیشن ہیں، تو ایک اسٹیشن کی تعیین ضروری ہے۔ مثلاً بنارس میں دو اسٹیشن ہیں یا بمبئی میں کئی اسٹیشن ہیں، تو اس نے پہلے اسٹیشن کا ٹکٹ لیا اور اُترا بعد والے اسٹیشن پر تو اس کا اتنا تاوان دینا پڑے گا مگر تاوان بس اتنا ہی دینا پڑیگا جتنا پہلے اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن کا کرایہ ہے، مزید جرمانہ نہیں لیا جائے گا۔

ریل اور دوسری سواریوں کے احکام

(۱) کفالت کے بیان میں ذکر آچکا ہے کہ ریل، جہاز اور دوسری سواریوں کے ذریعہ کہیں جانے کے لئے جو ٹکٹ لیا جاتا ہے اس کی وجہ سے ریلوے اور جہاز کمپنی اس کے پہنچانے کی ذمہ دار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ نے کوئی سامان بک کرا دیا ہے تو اس کے لے جانے اور جب تک نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک ٹوٹنے پھوٹنے اور نقصان کی ساری ذمہ داری ریلوے یا جہاز کمپنی پر ہوگی، چونکہ ریلوے یا جہاز کمپنی کی حیثیت محض کفیل ہی کی نہیں ہوتی بلکہ اس کی حیثیت کفیل با اجرت کی ہوتی ہے اس لئے جن شرائط پر اس نے اجرت لی ہے وہ پوری کرنی ہوگی۔ اور بعض باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے ان کی ذمہ داری محکمہ پر ہوتی ہے۔

مثلاً اگر کسی نے ریلوے سے مال بُک کرایا تو اب جہاں مال پہنچانا ہے، وہاں کے اسٹیشن پر مال اتارنے کی ذمہ داری ریلوے پر ہوگی، اور بعض شرائط ایسے ہیں جن کا ذکر ہو یا نہ ہو اس کی ذمہ داری مال والے پر ہوگی۔ مثلاً اس نے جانور، بیل، بھینس، بکری، مرغی وغیرہ ریل کے ذریعہ کہیں بھیجا، تو اس کے کھلانے پلانے کی ذمہ داری مالک پر ہوگی، یا اس نے مچھلی بھیجی تو برف میں رکھنا یا انڈا بھیجا تو اس کو ٹھنڈا رکھنے کا انتظام کرنا اس کی ذمہ داری ہوگی

ریلوے یا جہاز کمپنی سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ مال کی حفاظت کی ساری ذمہ دار ریل و جہاز کمپنی کی ہے اور اس چیز کے بقا کے سلسلہ کی ساری ذمہ داری مالک پر ہے۔

(۲) جس قسم کی چیزوں کے لادنے کے لئے اور جتنی مقدار پر لادنے کے لئے ریلوے کا آرڈر ہو اتنا ہی لادنا چاہیئے، اس سے زیادہ لادنا درست نہیں ہے، مثلاً کسی نے ایک مال گاڑی کا ڈبہ لیا جس میں ۲۸ ٹن مال لادنے کا حکم ہے تو اتنا ہی لادنا چاہیئے۔ اس سے زیادہ لادنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح ٹرک، ٹھیلے وغیرہ کا حکم ہے، اسی طرح مسافروں کو جتنا سامان لیجانے کا حکم ریلوے کمپنی نے دیا ہے چوری سے زیادہ لے جانا درست نہیں ہے۔ خواہ اسلامی حکومت کی ریلوے ہو یا غیر اسلامی حکومت کی۔

اجیروں کی قسمیں

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اجرت تین طرح سے ادا کی جاتی ہے یا لی جاتی ہے۔ ایک کرایہ کے ذریعہ جس کا بیان اوپر ہو چکا۔ اب باقی دو قسموں کا بیان کیا جاتا ہے۔

عام طور پر جو انسان دوسروں کا کام کرکے اپنی روزی کماتے ہیں، وہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو عموماً دوسروں کے پاس جاکر اپنا کام تلاش کرتے ہیں، اور پھر جو کام ان کو مل جاتا ہے اس کو پورا کر کے کام لینے والے سے اپنی محنت کی مزدوری وصول کرتے ہیں مثلاً مزدور خانگی ملازم دفتروں اور کارخانوں کے کلرک وغیرہ۔ دوسرے وہ پیشہ ور لوگ جو کوئی ہنر جانتے ہیں۔ عموماً ایسے لوگ خود کسی کے پاس نہیں جاتے اور نہ وہ کسی خاص آدمی کے ملازم ہوتے ہیں بلکہ دوسرے لوگ اپنی ضرورت پوری کرانے کے لئے ان کے پاس خود جاتے ہیں یا ان کو بلا کر اپنی ضرورت پوری کراتے ہیں۔ جیسے گھڑی ساز، قلعی، موچی، ملاح، لوہار، سنار، درزی، حجام، بہشتی، رنگریز، دھوبی، مہتر وغیرہ۔ پہلی قسم کے لوگوں کو شریعت میں اجیر خاص اور دوسرے قسم کے لوگوں کو اجیر مشترک کہا جاتا ہے[۱]۔ اس کا کچھ بیان فقہا بیع استصناع میں کرتے ہیں۔

---

[۱] المجلہ ص ۶۳

اجیر مشترک

(۱) اجیر مشترک کی اصلی حیثیت تو امین کی ہوتی ہے یعنی جو چیزیں ان کو بنانے یا درست کرنے یا صاف کرنے یا رنگنے کے لئے دی جاتی ہیں، وہ بطور امانت ان کے پاس[1] ہوتی ہیں۔ لیکن یہ امانت امانت باضمانت ہوتی ہے یعنی ان کی حیثیت کفیل کی یا اس امین کی ہوتی ہے جو امانت کی حفاظت کے لئے اجرت لیتا ہے اور پھر اس حیثیت سے بھی اس کی ذمہ داری اہم ہے کہ وہ کسی ایک آدمی کی چیزوں کا امین نہیں ہوتا بلکہ بہت سے آدمیوں کی چیزیں اس کے قبضہ میں ہوتی ہیں، اس لئے اس کو اگر ذمہ دار نہ قرار دیا جائے تو پھر وہ بددیانتی کر کے بہت سے لوگوں کی چیزوں کو ہڑپ کر سکتا ہے۔

(۲) چونکہ امین ہونے کے ساتھ یہ ضامن بھی ہو جاتا ہے اس لئے اگر اس کی غفلت سے کوئی چیز گم ہو گئی یا خراب ہو گئی تو اس سے اس کا تاوان لیا جائے گا۔ مثلاً دھوبی نے کپڑا گم کر دیا یا نیا کپڑا تھا پھاڑ لایا، یا اس کے گدھے نے چبا ڈالا۔ یا سنار نے زیور گم کر دیا۔ یا مرمت کے لئے کوئی چیز دی گئی تھی اس نے اس میں اس سے زیادہ خرابی پیدا کر دی — یا نان بائی کو روٹی پکانے کے لئے دی، اور اس نے روٹی جلا دی یا خراب کر دی، یا درزی کو کپڑا سینے کے لئے دیا گیا، اس نے کپڑا اتنا چھوٹا کر دیا کہ پہننے میں تکلیف ہو رہی ہے یا قمیص سینے کے لئے کہا گیا، کرتہ سی دیا۔ رنگ ریز سے سبز رنگ میں رنگنے کے لئے کہا گیا تھا اس نے زرد رنگ دیا، تو ان تمام صورتوں میں ان سے تاوان لیا جا سکتا ہے یوں جس کی چیز ہے وہ تاوان نہ لے تو یہ اس کا احسان ہو گا مگر قانونی طور پر اس کو اس کا حق ہو گا، البتہ اگر کوئی آفت ناگہانی آ گئی اور کوئی چیز اجیر مشترک کے پاس سے گم ہو گئی یا ضائع ہو گئی یا خراب

---

[1] المجلہ ص۸۷

ہو گئی تو تاوان لینا درست نہیں ہے مثلاً اس کا گھر گر پڑا، گھر میں آگ لگ گئی یا گھر میں چوری ہو گئی تو ان صورتوں میں تاوان لینا درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس بات کا ثبوت مل جائے کہ وہ چیز گم یا ضائع نہیں ہوئی ہے تو پھر مالک مطالبہ کر سکتا ہے، مثلاً دھوبی کے کپڑے کی ایک لادی چوری ہو گئی تو اس صورت میں یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ ہر گاہک کا کپڑا چوری ہو گیا اس لئے دھوبی کو اس کا ثبوت دینا پڑے گا کہ فلاں فلاں کپڑا چوری ہو گیا، ورنہ تاوان لیا جائے گا، البتہ اس کے گھر کا پورا اثاثہ چوری ہو گیا تو پھر اس سے کوئی گاہک تاوان نہیں لے سکتا۔

بعض اور شرائط

(۱) کام کرنے والے اور لینے والے دونوں کا عاقل اور سمجھ دار ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ناسمجھ بچہ کوئی کام دے یا کوئی کام لے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۲) اجیر و مستاجر دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

(۳) جو کام لینا ہے اس کی پوری تفصیل بتادی جائے۔ مثلاً اگر جوتا بنوانا ہے تو اس کا پیمانہ دے دیا جائے یا نمبر بتا دیا جائے پھر اس کی قسم یعنی یہ بتا دیا جائے کہ شو ہوگا یا پمپ یا نیوکٹ ہوگا اسی طرح اگر سنار سے کوئی زیور بنوانا ہے، تو اس کی بھی پوری تفصیل بتادی جائے۔

(۴) چیز کی قیمت پہلے سے طے کر لی جائے اور یہ بھی طے کر لیا جائے کہ قیمت اُدھار ہوگی یا نقد۔

اجیر مشترک کی اجرت اور بعض دوسرے مسائل

(۱) اجیر مشترک اجرت کا مستحق اس وقت ہوتا ہے، جب وہ اپنا کام پورا کر لے، کام پورا کرنے سے پہلے وہ اجرت کا مستحق نہیں ہے۔ مثلاً آپ نے گھڑی بنانے کے لئے دی، موچی کو جوتا بنانے کے لئے دیا، یا دھوبی کو کپڑا دھلنے یا درزی کو کپڑا سینے کے لئے دیا تو جب تک آپ کا کام پورا نہیں ہو جاتا، آپ سے وہ قانوناً اجرت نہیں

مانگ سکتا، یوں آپ دے دیں تو آپ کو اس بات کی اجازت ہے۔

(۲) اگر کوئی پیشہ ور ماہوار تنخواہ پر کام کرتا ہے تو مہینہ پورا ہونے سے پہلے وہ اجرت نہیں مانگ سکتا مثلاً دھوبی، بہشتی، مہتر، چپراسی اور تمام ماہوار تنخواہ پانیوالے ملازمین کا بھی یہی حکم ہے۔

(۳) آج کل عام طور پر اجیر مشترک یعنی پیشہ ور بیعانہ یا کچھ ایڈوانس رقم اس شرط پر لے لیتے ہیں کہ آپ اگر وہ چیز نہ لیں گے تو وہ ایڈوانس کی رقم آپ کو واپس نہیں ملے گی۔ یہ ناجائز ہے۔ [۱]

(۴) اجیر مشترک اگر کوئی وقت مقرر کر دے کہ میں یہ چیز فلاں وقت دوں گا تو اس کی پابندی اس پر ضروری نہیں ہے کیونکہ قانوناً وہ کام کا پابند ہے وقت کا نہیں، البتہ اخلاقاً اس کو وعدہ خلافی نہ کرنی چاہیئے، البتہ اگر اس نے جلدی دینے کے وعدہ پر کچھ اجرت زیادہ لی ہے تو اس کو وقت پر دینا ضروری ہوگا۔

(۵) اجیر مشترک کو جب تک اپنی مزدوری یا اجرت نہ مل جائے وہ چیز جو اس کے قبضہ میں ہے روک سکتا ہے اگر اس کے روکنے کی مدت میں وہ مال ضائع ہو جائے یا خراب ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے کیونکہ یہ کام لینے والے یعنی مستاجر کی غلطی ہے کہ اس نے اجرت نہیں دی اور اجیر مال روکنے پر مجبور رہا۔ یہ مسلک امام مالکؒ اور دوسرے ائمہ کا ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی دو قسم کرتے ہیں، ایک وہ پیشہ ور جن کے کام سے اصل چیز میں کوئی تبدیلی ہو جاتی ہے مثلاً درزی کپڑا کاٹ کر سی دیتا ہے تو اصل کپڑے کی صورت بدل جاتی ہے، اسی طرح رنگ ریز جب کپڑا رنگ دیتا ہے اس کی صورت بدل جاتی ہے، یا دھوبی جب کپڑا دھو دیتا ہے تو اس میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، تو ایسے تمام ہنرمندوں اور پیشہ وروں کو امام صاحب یہ حق دیتے ہیں کہ جب تک اجرت نہ مل جائے وہ چیز مالک کے حوالہ نہ کریں، دوسرے وہ پیشہ ور جن کے کام سے اصل چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تو ان کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان کو اجرت میں کوئی چیز روکنے

---

[۱] اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

کا حق نہیں ہے مثلاً قلی، ملاح، ریلوے، جہاز کمپنی، موٹر، تانگے، رکشے والے، اگر یہ چاہیں کہ اجرت میں وہ مال روک لیں، جس کو انھوں نے پہنچایا ہے تو امام صاحب کے نزدیک ان کو یہ حق نہیں ہے۔ راقم کے نزدیک موجودہ دور میں امام مالک اور دوسرے ائمہ کے مسلک پر عملدرآمد ہی زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے یہاں اسی کو ترجیح دی گئی ہے، اگر اس زمانے میں یہ اجازت دے دی جائے کہ اجرت میں ان کا سامان نہیں روکا جائے گا، تو لوگ قلیوں اور سواریوں پر خوب سامان لاد کرلے جائیں گے اور قصداً ان کی مزدوری ہڑپ کر جائیں گے اس طرح قلیوں رکشے والوں اور ریلوے وغیرہ کے ہزاروں اور لاکھوں روپے لوگ مار لیں گے، خاص طور پر اس دور کے خود غرض تاجر تو اس سے خوب فائدہ اٹھائیں گے کیونکہ ان کو یہ خطرہ تو ہوگا نہیں کہ ان کا مال اجرت میں روکا جاسکتا ہے اور مال لے کر نکل جانے کے بعد تو قانونی کارروائی کی ان کو کوئی خاص فکر نہیں ہوتی وہ جھوٹ سچ بول کر اس سے بچ ہی جاتے ہیں۔ اس کو صاحبین نے بھی اختیار کیا ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ماحول کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا تھا جس میں قانون کے ساتھ دلوں پر اخلاق کی بھی حکومت تھی۔

اجیر مشترک اجیر خاص بھی ہو جاتا ہے

اجیر جب تک کسی ایک آدمی کا کام نہیں کرتا وہ اجیر مشترک ہے لیکن اگر اس کو کوئی آدمی کچھ دیر کے لئے یا کچھ دن کے لئے مخصوص کرلے کہ اس وقت میرا فلاں کام کردو، دوسرا کوئی کام نہ کرو، تو اس وقت وہ اجیر مشترک نہیں بلکہ اجیر خاص ہو جائے گا۔ اب اس پورے وقت میں وہ دوسرا کوئی کام نہیں کرسکتا مثلاً آپ نے کسی بڑھئی کو دن بھر کے لئے اپنے یہاں رکھا، یا کسی سنار، درزی یا کسی اور پیشہ ور کو کچھ دن کے لئے گھر پر بلایا کہ اتنا کام تم کردو، تو وہ اس وقت تک کے لئے اجیر خاص ہو جائے گا، اسی طرح آپ نے ایک گھنٹے کے لئے رکشا کرلیا، یا دو گھنٹے کے لئے کسی متعین جگہ تک جانے کے لئے موٹر رزرو کرالیا، یا ریل کی کوئی سیٹ رزرو کرالی تو آپ کو حق ہے کہ آپ اتنی دیر تک یا اتنی مسافت تک کسی اور کو سوار

نہ ہونے دیں۔ (المجلہ ص ۶۲)

مزدوروں کے حقوق و فرائض

دنیا میں ہمیشہ ایسے لوگوں کی کثرت رہی ہے اور آج بھی ہے جو محض محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں،[1] اگر وہ دن بھر خون پسینہ بہاکر کچھ نہ کمائیں تو نہ شام کو انھیں پیٹ بھر کر کھانا ملے نہ ان کے بال بچوں کو، اس لئے موجودہ دور میں ہر حکومت مزدوروں کے مسئلہ پر خاص توجہ دے رہی ہے، اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے سبیل سوچتی رہتی ہے۔ مگر اس کے باوجود مزدوروں میں اطمینان کے بجائے روز بروز بے چینی بڑھتی جارہی ہے اور ان کی بے چینی کا پتہ ان ہڑتالوں سے ہوتا ہے جو آئے دن وہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہڑتالیں صرف ہندوستان اور پاکستان جیسے غریب ملکوں ہی میں نہیں، بلکہ برطانیہ، فرانس، جاپان اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ اور مالدار ملکوں میں بھی ہوتی رہتی ہیں، ان ہڑتالوں سے جتنا مالی نقصان ملک کو پہنچتا ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ۵۵ء میں کانپور کی کپڑا مل کے مزدوروں نے جو چند دن اسٹرائک کی تھی اس سے ستر لاکھ گز کپڑے کا نقصان ہوا اور ۵۶ء میں مختلف کارخانوں میں جو ہڑتالیں ہوئیں اس سے سات لاکھ دن بے کار گئے۔ ابھی ۱۹۷۴ء میں جو ریلوے ہڑتال ہوئی تھی اس سے ملک کا کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوا۔

اور اس سے بھی کچھ زیادہ ہی بے چینی ان کمیونسٹ ملکوں میں مثلاً روس، چین، ہنگری وغیرہ میں پائی جاتی ہے، جہاں کی حکومت کو خالص مزدوروں کی حکومت یا مزدور راج کہا جاتا ہے، مگر وہاں کی بے چینی آسانی سے اس لئے نہیں معلوم ہونے پاتی کہ ان ملکوں کے مزدوروں کی اصل حالت معلوم کرنا بہت دشوار ہے، وہاں کی حکومتیں اپنے ملک کی

---

[1] موجودہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی ڈھائی ارب کی آبادی میں ایک ارب آبادی مزدوروں اور محنت کشوں کی ہے، صرف ہندوستان میں ایسے لوگوں کی آبادی ۱۴ کروڑ ہے۔

ان ہی خبروں کو باہر جانے دیتی ہیں جن میں حکومت کی تعریف ہو۔ ادھر[1] چند برسوں سے وہاں کے مزدوروں کی حالت معلوم کرنے کے لئے ایک اور ذریعہ وفود کی آمد و رفت سے پیدا ہوگیا ہے مگر اس ذریعہ سے بھی جو باتیں ہم تک پہنچتی ہیں، ان سے بھی مزدوروں کی حالت کی پوری کیفیت کا اندازہ لگانا دشوار ہے، کیونکہ دوسرے ملکوں کے جو وفود روس یا چین جاتے ہیں، ان کو اس بات کی آزادی نہیں ہوتی کہ وہ جہاں چاہیں اور جس وقت چاہیں چلے جائیں۔ بلکہ وہ وہیں جا سکتے ہیں جہاں حکومت ان کو جانے یا لے جانے کی اجازت دے۔ اگر وہ اپنی خواہش سے کہیں جانا چاہیں تو ان کو حکومت سے اجازت لینی پڑے گی، ایسی صورت میں وفد کے ارکان ان ہی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جو حکومت دکھائے یا جہاں حکومت لے جائے۔ ظاہر ہے کہ حکومت اپنی نیک نامی کے لئے انھیں وہیں لے جائے گی جہاں بڑے بڑے کارخانے ہوں گے جن کے مزدوروں کے لئے مکان بھی نظر آئیں گے اور کھیل و تفریح کے میدان بھی۔ اور ان کے بچّے مدرسوں میں تعلیم پاتے بھی دکھائی دیں گے لیکن اگر ان کارخانوں کے پیچھے آپ کو کچھ دور جانے کی اجازت مل جائے تو پھر آپ کو نظر آئے گا کہ وہ تمام سہولتیں چند ہزار یا چند لاکھ آدمیوں کے لئے ہیں، مگر آبادی کی اکثریت کا حال بالکل وہی ہوگا جو ہندوستان کے مزدوروں کا ہے، یا شاید اس سے کچھ اچھا۔ خود ہمارے ملک میں باہر کے ملکوں سے جو وفود آتے ہیں وہ بھاکڑا ننگل بند، دامودر ویلی، ریہانند، باند، بمبئی اور کلکتہ کے کارخانوں کے مزدوروں کے کوارٹر اور کھیل کے میدان اور اسکول دیکھ کر ہندوستان کی ترقی کی تعریف کا پل باندھ دیتے ہیں۔ مگر چند میل کے فاصلہ پر عام مزدور آبادی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کو دو وقت روٹی بھی مشکل سے میسّر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بڑے بڑے کارخانوں کے چند ہزار یا دو چار لاکھ مزدوروں کو سہولت دی بھی گئی تو اس سے ان کی پوری آبادی کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جب بھی کمیونسٹ ملکوں میں مزدوروں کو موقع ملتا ہے وہ اسٹرائیک کرتے ہیں گو کہ

---

[1] اسٹالن کے مرنے کے بعد سے

قانوناً اس کی اجازت ان کو نہیں ہے۔ چنانچہ مشرقی جرمنی اور ہنگری کی مثال سامنے موجود ہے[1]۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسٹرائیک کے ذریعہ مزدور اپنے حقوق خود بخود حاصل کر لیتے ہیں مگر یہ ایک دھوکا ہے اور اگر بفرض محال ان کو کچھ حقوق مل بھی گئے تو اس کا فائدہ چند ہزار یا چند لاکھ آدمیوں کو پہنچے گا۔ مگر یہ دنیا کی ایک ارب آبادی کو تو کسی کارخانہ کی ملازمت حاصل نہیں ہے، کس کے خلاف اسٹرائک کر کے اپنی دو وقت کی روٹی کا انتظام کرے گی۔

مزدور آبادی کا مسئلہ اس حیثیت سے بھی قابلِ غور ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی عام مزدوروں اور پیشہ وروں کو معاشرت اور سوسائٹی میں وہ مرتبہ نہیں مل سکا ہے، جو غیر مزدوروں اور غیر پیشہ ور طبقہ کو حاصل ہے، چنانچہ مزدوروں اور مالکوں میں جو آئے دن کشمکش ہوتی رہتی ہے اس کا ایک سبب یہ چیز بھی ہے۔

غرض یہ کہ جس حیثیت سے بھی دیکھا جائے موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی مزدور کو معاشی اور معاشرتی حیثیت سے اطمینان حاصل نہیں ہے۔ کہیں وہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں سے بےبس رہا ہے، اور کہیں حکومت کی اجارہ داری (اسٹیٹ کنٹرول) کے تحت اسکی صلاحیتوں کا خون ہو رہا ہے۔

مزدوروں کے مسائل اور اسلامی شریعت کی ہدایات

مزدوروں کی معاشی اور معاشرتی پریشانیوں اور الجھنوں کے رفع کرنے کے لئے اسلامی شریعت نے جو اخلاقی ہدایتیں اور قانونی بندشیں کی ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو مزدور معاشی حیثیت سے بھی مطمئن ہو جائے گا اور معاشرتی حیثیت سے بھی اس پر کوئی ظلم نہ ہو سکے گا۔

---

[1] ۱۹۵۶ء میں ہنگری میں بھی مزدوروں نے جس شدومد کے ساتھ اپنی بے چینی کا اظہار کیا اور کمیونسٹ حکومت نے اور روس نے فوج بھیج کر ان کے اوپر جو ظلم و تشدد کیا اس کی مثال مشکل سے کسی ملک میں ملے گی، وہاں آج بھی مزدوروں کی یونین پر پابندی عائد ہے تفصیل کے لئے راقم کی کتاب اسلامی قانون اجرت دیکھی جائے۔

چند اصطلاحیں

(۱) اجرت، جو چیز محنت کے بدلہ میں دی جائے (۲) اجیر، محنت کرنے والا (۳) مستاجر یا آجر، کام لینے والا (۴) اجرت مثل، وہ اجرت جو حکومت مقرر کردے یا ملک کے عام کارخانوں میں مزدوروں کو جو مزدوری دی جاتی ہو، قرآن میں اس کی تعبیر معروف کے لفظ سے کی گئی ہے اور حدیث میں کہا گیا ہے کہ جس معیار سے تم زندگی گذارتے ہو اسی میں ان کو بھی شریک کرو۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسلامی شریعت نے ہر معاملہ میں اخلاقی ہدایتیں بھی دی ہیں، اور قانونی بھی۔ چنانچہ اجرت کے معاملہ میں بھی دونوں طرح کی ہدایتیں دی گئی ہیں۔

قرآن وحدیث کی ہدایتیں

قرآن میں دودھ پلانے والی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر تم کسی غیر عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلواتے ہو تو چونکہ وہ تمہارے بچے کو اپنے جسم کا خون جلا کر دودھ پلاتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے اس لئے تمہارا فرض بھی ہے کہ اپنی گاڑھی کمائی سے اس کی ضروریات زندگی کا خیال رکھو اور اس بارے میں دونوں کو ایک دوسرے کی تکلیف کا خیال ہونا چاہیئے۔

وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن	جس کا بچہ ہے اس کے اوپر قاعدہ کے مطابق
بالمعروف لا تكلف نفس الا وسعها	دودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا ہے کسی شخص کو
(بقرہ ع ۲۹)	اس کی برداشت سے زیادہ بار نہیں ڈالا جا سکتا۔

لفظ معروف اور تکلیف کی مزید تشریح آگے آئے گی۔

دوسری جگہ قرآن نے حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب کا واقعہ نقل کیا ہے جس میں حضرت شعیبؑ مستاجر اور حضرت موسیٰ اجیر ہیں۔

حضرت موسیٰ نبوت سے پہلے مدین کی طرف سے گذر رہے تھے کہ راستہ میں انھوں نے دیکھا کہ ایک کنوئیں پر جانوروں کے چرواہوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، ان ہی میں دو لڑکیاں بھی ہیں جو اپنے جانور لئے الگ کھڑی ہیں۔

حضرت موسیٰ کو ان کی بیچارگی پر رحم آیا اور انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ ہیرے

باپ بوڑھے ہو چکے ہیں، وہ آ نہیں سکتے، یہ چرواہے جب ہٹ جائیں گے تو ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں گے۔ حضرت موسیٰ آگے بڑھتے ہیں اور ڈول کھینچ کر ان کے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ یہ لڑکیاں حضرت شعیب کی تھیں۔ جانور لے کر جب یہ گھر پہنچتی ہیں تو اس واقعہ کا تذکرہ اپنے والد سے کرتی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے یہ سمجھ کر پانی پلایا نہیں تھا کہ ان کو اس کی کوئی مزدوری ملے گی، مگر حضرت شعیب نبی تھے اس لئے وہ کسی کی محنت خواہ رضا کارانہ ہی کیوں نہ ہو ضائع نہیں کر سکتے تھے اس لئے انھوں نے ان کو بلوایا کہ اس نیکی کے بدلہ میں وہ بھی کچھ ان کی خاطر تواضع کر سکیں، چنانچہ حضرت موسیٰ آئے تو حضرت شعیب نے پورا اخلاق صرف کیا۔ اثنائے گفتگو میں لڑکیوں نے کہا کہ ابا جان ان سے زیادہ قوی اور امین[1] آدمی نہیں مل سکتا، اس لئے آپ ان کو مستقل طور پر اپنے یہاں اجیر رکھ لیجئے۔ چنانچہ حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کے سامنے اس کا اظہار کیا، اور انھوں نے اسے منظور کر لیا۔

حضرت شعیب چونکہ یہاں مستاجر تھے اور مستاجر کی طرف سے عموماً ظلم و جبر ہوتا ہے، اس لئے انھوں نے معاملہ کرتے وقت یہ بات واضح کر دی کہ:-

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي	میں تم پر کوئی زیادتی کرنا نہیں چاہتا
إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ	انشاء اللہ تم مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے۔

(قصص ۲۷)

چونکہ یہ معاہدہ ہو رہا تھا، اس میں دونوں فریق کو اپنی رضامندی اور شرائط کے ذکر کرنے کا حق تھا اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں کہا کہ:-

ذَالِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ	یہ بات میرے اور آپ کے درمیان

---

[1] امین کا لفظ خاص طور پر قابل غور ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے پانی پلانے کے درمیان میں ان لڑکیوں کے ساتھ انتہائی عفت و پاکبازی کا سلوک کیا تھا اس لئے انھوں نے ان کی اس صفت کا خاص طور پر ذکر کیا اور قرآن نے ان صفتوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ان دونوں صفتوں کی بنا پر ایک مستاجر اجیر کی اجرت میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔

فَضِيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔

(سورۃ القصص آیت ۲۸)

طے ہو گئی ہے کہ دونوں مدتوں میں سے جسے بھی میں پورا کر لوں گا اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہ کی جائے گی اور اس معاہدہ میں جو باتیں ہم طے کر رہے ہیں اس پر خدا گواہ ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ کا مقصد یہ ہے کہ ظلم و زیادتی سے باز رکھنے یا روکنے اور دونوں کو جوڑے رکھنے کے لئے محض منفعت ہی درمیان میں نہ ہو بلکہ یہ تصور بھی ہو کہ یہ معاملہ گویا خدا کے سامنے طے ہو رہا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چھپے کھُلے کا جاننے والا ہے۔

ان آیات کی تشریح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو ارشادات فرمائے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔

سب سے پہلے آپ نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ محنت مزدوری کوئی گری پڑی چیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمام انبیاء نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے بھی۔ فرمایا ہاں! میں بھی چند قیراط پر اہل مکّہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (بخاری)

مزدوروں کی اجرت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ:-

اَعْطُوا الْاَجِيْرَ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ (ابن ماجہ)

مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

اگر کسی نے مزدوری نہ دی یا کم دی یا ٹال مٹول کیا تو اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جن تین آدمیوں کے خلاف میں مدعی ہوں گا ان میں ایک:

رَجُلٌ اِسْتَاجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهٖ اَجْرَهٗ۔

(بخاری)

وہ شخص جو کسی کو مزدور رکھے اور اس سے پورا پورا کام لے مگر مزدوری پوری نہ دے۔

مزدوری پوری نہ دینے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اس کی مزدوری مار بیٹھے اور

نہ دے بلکہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جتنی اجرت اس کام کی ملنی چاہیئے، وہ نہ دے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر کم سے کم اجرت پر کام لے لے، چنانچہ محدثین نے اس کی تشریح میں فرمایا ہے :۔

وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ وَافِيًا	یعنی پوری پوری مزدوری نہ دے۔

ضروری ہدایت

آگے چند اور حدیثیں نقل کی جائیں گی جو زیادہ تر غلاموں سے متعلق ہوں گی، لیکن ان کو یہاں اس لئے نقل کیا جا رہا ہے کہ عرب میں اس وقت عام طور پر اسی طبقہ سے ذاتی ملازمت اور محنت مزدوری کا کام لیا جاتا تھا اس لئے ان کے بارے میں جو احکام آپ نے دیئے ہیں، ان کے مصداق ہمارے زمانہ کے ذاتی ملازم، اجیر، مزدور اور تمام محنت کش افراد ہیں۔ ایک بار حضرت ابو ذر نے کسی غلام کو سخت سست کہہ دیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ :۔

هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ	یہ تمہارے بھائی ہیں جن کو خدا نے
تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ جَعَلَ أَخَاهُ	تمہارا ماتحت بنا دیا ہے تو اگر کسی کا بھائی اس
تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ	کے ماتحت ہو جائے تو اس کو چاہیئے کہ اس کو
وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفْهُ	وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو
مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنْ كَلَّفَهُ	خود پہنے اور اس سے ایسا کام نہ لے کہ وہ بالکل
مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ	چُور ہو جائے اگر ان سے کوئی سخت یا زیادہ کام لینا
(بخاری و مسلم)	ہے تو پھر اس کام میں اس کی اعانت کرو۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں :۔

(۱) ملازموں اور مزدوروں کو اپنا بھائی سمجھا جائے۔

(۲) ان کو اتنی مزدوری دی جائے کہ جس طرح کا معیار زندگی مستاجر کا ہے۔ اس سے قریب تر اجیر کا بھی ہو یعنی دونوں میں زمین آسمان کا فرق نہ ہو، حتیٰ کہ ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مالک بخل کی وجہ سے بہت موٹا جھوٹا کھاتا پیتا اور پہنتا ہے تو اس کو

یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے ملازموں اور اجیروں کو بھی اس پر مجبور کرے۔ (مرقات)

(۳) ان سے اتنا کام نہ لیا جائے کہ وہ تھک کر چور ہوجائیں یا وقت سے پہلے ان کی صحت خراب ہوجائے، اگر کبھی زیادہ کام لینے کی ضرورت پیش آجائے تو ان کی عملی اور مالی مدد کیجائے۔

آپ نے فرمایا کہ آدمی کے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ جس کی روزی اس کے ذمہ ہو اس کو وہ روک لے یا اس کو ضائع کردے۔ (مسلم)

ظاہر ہے کہ ایک مزدور کی زندگی کا سارا دارومدار اس کے پیشہ کی کمائی پر ہوتا ہے، اس لئے اگر اس کو اس کی ضرورت سے کم مزدوری دی گئی تو گویا اس کی مزدوری روک لی گئی یا ضائع کی گئی۔

آپ نے فرمایا کہ اپنے ماتحتوں سے بدخلقی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (ترمذی)

آپ نے اس محنت کش طبقہ کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ :-

وَاَکْرِمُوْھُمْ کَکَرَامَۃِ اَوْلَادِکُمْ وَاَطْعِمُوْھُمْ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ)

ان کی دیکھ بھال اس طرح کرو جس طرح اپنے لڑکوں کی کرتے ہو، جو تم کھاتے ہو اس میں سے ان کو بھی کھلاؤ۔

ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر ملازم غلطی کرے تو کتنی بار اس کو معاف کیا جائے۔ آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ انھوں نے دوبارہ پوچھا، آپ پھر خاموش رہے۔ انھوں نے تیسری بار پوچھا تو فرمایا کہ :-

کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (ابوداؤد) اگر ستر بار بھی روزانہ غلطی کرے تو معاف کرو۔

آپ کو اس مظلوم طبقہ کا اتنا خیال تھا کہ آپ نے مرض وفات میں جو آخری نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک یہ تھی :-

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔

(ابوداؤد، مسند احمد)

ان ارشادات نبوی کے تحت ائمہ حدیث نے صرف غلاموں، ملازموں اور مزدوروں

ہی کو نہیں بلکہ محنت کش جانوروں کو بھی داخل کیا ہے۔ جن کے قانونی حقوق کا ذکر آگے آئے گا۔

اجرت کی تفصیل اور اجیر و مستاجر کے قانونی حقوق

قرآن اور حدیث کی ان ہی ہدایات کی روشنی میں فقہا نے مسئلہ اجرت کی قانونی تشریح اور اجیر و مستاجر کے قانونی حقوق و اختیارات کی تفصیل کی ہے۔

اجرت کا معاملہ ایک معاہدہ ہے

اجیر و مستاجر یا مزدور و مالک کے درمیان کام لینے اور مزدوری دینے کا جو معاملہ ہوتا ہے اسلامی شریعت اس کو اسی طرح کا ایک معاہدہ قرار دیتی ہے جس طرح خرید و فروخت کو ایک معاہدہ قرار دیتی ہے یعنی ایک اجیر اپنی محنت پیش کرتا ہے اور مستاجر یعنی کام لینے والا اس کے بدلہ میں اجرت و مزدوری دینے کا وعدہ کرتا ہے اور دونوں اپنی رضامندی سے یہ طے کرتے ہیں کہ ہم کو یہ معاملہ منظور ہے۔ چنانچہ جس طرح بیع و شراء میں ایک دکاندار مال دیتا ہے اور خریدار اس کی قیمت ادا کرتا ہے، ان میں سے کوئی کسی پر کوئی احسان نہیں کرتا، بلکہ دونوں کی حیثیت برابر ہوتی ہے۔ اسی طرح اجیر محنت پیش کرتا ہے اور مستاجر اس کی محنت کی مزدوری دیتا ہے۔ ان میں سے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا۔ بلکہ معاملہ کے اعتبار سے دونوں کی حیثیت برابر ہوتی ہے اس لئے نہ تو اجیروں اور مزدوروں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی محنت ہی کو اصل چیز سمجھ کر مستاجر کو پریشان کریں اور نہ مستاجر کو یہ حق ہے کہ وہ سرمایہ کو اصل چیز سمجھ کر محنت کشوں کو پریشان کرے یا ان کی حق تلفی کرے بلکہ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "دونوں کو چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور ان سے اسی طرح کا معاملہ کریں جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کرتا ہے۔" اجرت کے معاملہ کو ایک معاہدہ قرار دینے کے بہت سے فائدے ہیں۔ چند کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

معاہدہ قرار دینے کا فائدہ

(۱) اجرت کے معاملہ کو معاہدہ قرار دینے کا سب سے بڑا فائدہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے دونوں کو

مساوی درجہ دینا ہے تاکہ معاشی اعتبار سے مزدور پیشہ طبقہ کو معاشرہ میں اوپر اٹھایا جاسکے اور معاشرتی اعتبار سے بھی ان کو وہی مرتبہ حاصل ہو جو ایک مستاجر کو حاصل ہوتا ہے۔

(۲) معاہدہ قرار دینے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دونوں فریق معاملہ کرتے وقت ایک دوسرے کی ضرورت اور معاشی حالت کا پورا خیال رکھیں، صرف اپنی غرض میں باولے نہ ہو جائیں اگر ان میں سے کوئی فریق ایسا کرے گا تو حکومت مداخلت کرے گی، چنانچہ قرآن میں اجرت کے سلسلہ میں ایک بنیادی شرط لگی ہوئی ہے، وہ یہ کہ وہ اجرت بطور معروف دی جائے۔ معروف کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو وہ اجرت ایسی زیادہ ہو کہ اجرت دینے والے کی قدرت سے باہر ہو اور نہ اتنی کم ہو کہ اجرت پانے والے کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ	اور بچے والے پر قاعدے اور دستور کے
بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا	مطابق ان کا کھانا کپڑا ہے۔ کسی جان کو اسکی
(بقرہ رکوع ۳۰)	طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث میں معروف کے ساتھ اخوان (بھائی) اور اولاد کے الفاظ بھی منقول ہوئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ مستاجر کو اجیروں کی اجرت دینے میں وہی جذبہ رکھنا چاہیئے، جو ایک بھائی اپنے بھائی کے ساتھ یا ایک باپ اولاد کے ساتھ رکھتا ہے، اسی طرح اجیروں کو کام کرنے اور اجرت طلب کرنے میں وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے مقابلہ میں اختیار کرتا ہے محض فائدہ اور خود غرضی ہی دونوں کو جمع کرنے اور جدا کرنے کا سبب نہ ہو۔

دودھ پلانے والی عورتوں کے سلسلہ میں قرآن میں جو لفظ معروف وارد ہوا اس کی تشریح کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

کھانے کپڑے کی تعیین مرد کی حالت کے پیش نظر ہوگی، اگر وہ خوش حال ہے، تو اسی اعتبار سے اس کو دودھ پلانے والی کو کھانا، کپڑا دینا پڑے گا اگر وہ غریب ہے تو اس اعتبار سے وہ اس کو اجرت دے گا اسی طرح لا تکلف نفس الا وسعھا کی تشریح کرتے

ہوئے فرماتے ہیں اگر عورت اجرت مثل یعنی عام طور پر جتنی پر دوسری عورتیں دودھ پلاتی ہیں، اس سے زیادہ اجرت مانگے تو اس کو اجرت مثل سے زیادہ اجرت نہ دی جائے گی اور اگر بچہ والا اجرت مثل سے کم اجرت دے تو اسکو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو پوری اجرت ادا کرے۔ (ج ۱ ص ۴۴)

اور باتوں کے ساتھ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اجرت کے معاملہ میں حکومت کو دخل دینے کا پورا حق ہے۔ اگر یہ حق نہ ہو تو پھر اجرت مثل یا معروف اجرت کی تعیین کون کرے گا، اور تعیین کے بعد بھی اگر کوئی زیادتی ہو رہی ہے تو اس کو کون طاقت دور کر سکتی ہے؟

معروف اور اجرت مثل کے تعیین کے سلسلہ میں حکومت مزدوروں کی ضرورت کے ساتھ مستاجروں کے مالی فائدہ اور منافع کو بھی سامنے رکھ سکتی ہے، اگر ایک مل مالک کو سال میں ایک لاکھ کا فائدہ ہوتا ہے اور وہ صرف پچاس ہزار روپیہ اجرت میں تقسیم کرتا ہے اور اس سے مزدور مطمئن نہیں ہیں یا ان کی واقعی اور بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوتی ہیں تو مزدور اس سے مزید اجرت کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اور اگر وہ نہ دے تو حکومت اس میں مداخلت کر کے ان کی اجرت میں اضافہ کرا سکتی ہے کیونکہ یہ اجرت معروف کے خلاف بھی ہے اور پھر ارشاد نبوی میں دونوں کو بھائی قرار دیا گیا ہے، اور یہ بات بھائی چارہ کی اسپرٹ کے خلاف ہے کہ ایک بھائی تو عیش و آرام کرے اور اس کے دوسرے بھائی جن کی محنت سے اس کو یہ عیش و آرام حاصل ہے اپنی بنیادی ضرورتوں کے لئے بھی مجبور رہوں۔

(۳) معاہدہ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جس طرح ایک خریدار کو یہ حق ہے کہ وہ جو چیز لے رہا ہے اسے اچھی طرح دیکھ بھال لے اور غور و فکر کر کے لے اور دکاندار قیمت کے بارے میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے اسی طرح ایک اجیر اور مستاجر کو بھی حق ہے کہ وہ دونوں اجرت اور محنت کو دیکھ کر اور اسی کا اندازہ کر کے فیصلہ کریں، مثلاً آجر نے مزدور سے کہا کہ فلاں جگہ سے اتنی مٹی ڈھو کر میرے گھر پر لا دو یا تمہیں کارخانہ میں اتنی دیر تک مشین چلانی ہو گی اور اتنی اجرت ملے گی۔ اجیر نے منظور کر لیا مگر اس نے جب مٹی کاٹنی شروع کی تو وہ بہت سخت نکلی اور اس محنت کے اعتبار سے اجرت کم مقرر ہے تو اس کو یہ حق ہو گا کہ وہ اس معاملہ کو فسخ کر دے، یا پھر

مالک سے مزید اجرت طلب کرے، اسی طرح اس نے آٹھ گھنٹے مشین چلائی تو اس نے اندازہ کیا کہ میں یہ کام نہ کرسکوں گا، یا اتنی دیر تک مثلاً آٹھ گھنٹے تک مشین چلانے کی مزدوری جتنی ہونی چاہیئے اس سے کم پر آجر نے کام کا وعدہ لے لیا ہے تو اس کے بعد اس کو حق ہوگا کہ وہ مزید اجرت طلب کرے، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسی صورت میں وہ اجرت معروف اور اجرمثل کا مستحق ہوگا۔

(۴) اسی طرح اگر آجر نے ایک مزدور کو رکھا اور جب اس نے کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کام اس سے نہ ہوسکے گا تو پھر اس کو چاہیئے کہ اس سے دوسرا ہلکا کام لے اور اگر اس کے پاس دوسرا کام نہیں ہے تو پھر وہ اس کو علیحدہ کرسکتا ہے لیکن ان دونوں صورتوں میں اگر کوئی فریق یہ سمجھتا ہے کہ دوسرا فریق اس پر زیادتی کر رہا ہے تو وہ حکومت کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔

(۵) معاہدہ کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اجیر و مستاجر دونوں انسانی حیثیت سے بھائی ہیں، اس لئے مستاجروں کی یہ ذہنیت نہ ہونی چاہیئے کہ اجیر کوئی کمتر درجہ کے انسان ہیں اور وہ ان سے کچھ برتر ہیں۔ اس بھائی چارہ کا اثر اجرت کی ادائیگی میں بھی ہونا چاہیئے، جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور معاشرتی حیثیت سے بھی ان کو سوسائٹی میں برابر کا درجہ ملنا چاہیئے۔ محنت مزدوری کرنے سے وہ معاشرتی حقوق سے محروم نہیں ہوجائے گا۔ موٹے موٹے معاشرتی حقوق یہ ہیں۔ ان کے ساتھ کھانے میں عار نہ سمجھو، ان کو سلام کرنے میں سبقت کرو، ان کی خوشی و غم میں اسی طرح شریک ہو جس طرح تمہاری خوشی و غم میں وہ شریک ہوتے ہیں۔

معاہدہ کے بعد معاہدہ

اوپر بتایا گیا ہے کہ اجیر و مستاجر دونوں کی حیثیت برابر ہے۔ دونوں کو یہ حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں سوچ سمجھ کر اور کام اور اجرت کی تعیین کرکے پھر معاہدہ اجرت مکمل کریں، لیکن اگر معاہدہ طے ہونے کے بعد بھی کام یا اجرت کے بارے میں دونوں کو کوئی اعتراض ہے اور وہ دوسرا معاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ دوبارہ معاہدہ کرسکتے ہیں۔ اب پہلا معاہدہ فسخ ہوجائے گا۔

معاہدہ کب فسخ ہو سکتا ہے

لیکن جب آجر اور مستاجر ایک بار اجرت کا معاہدہ کرلیں تو پھر ان میں سے کسی کو اس کے فسخ کرنے کا حق اس وقت تک نہیں ہو گا جب تک کہ ان میں سے کسی کو کوئی ایسا عذر نہ پیش آجائے جس میں مستاجر کام لینے سے اور مزدور کام کرنے سے معذور ہو جائے چنانچہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ :۔

وَتُفْسَخُ الْإِجَارَةُ بِالْأَعْذَارِ	اجرت کا معاملہ اعذار ہی کی بنا پر فسخ کیا جا سکتا ہے۔

اسٹرائک اور کارخانہ بندی

مگر عذر کے یہ معنی نہیں کہ مزدور جب چاہیں بہانہ کر کے کام کرنا چھوڑ دیں یعنی اسٹرائک کر دیں اور مالک اور کارخانہ دار جب چاہیں اپنا پھاٹک بند کر کے مزدوروں کو بیکار کر دیں، بلکہ اس عذر سے مراد یہ ہے کہ :۔

وَهُوَ عَجْزُ الْعَاقِدِ عَنِ الْمُضِيِّ فِي مُوْجَبِهِ اِلَّا بِتَحَمُّلِ ضَرَرٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ بِهِ وَهٰذَا هُوَ مَعْنَى الْعُذْرِ (ج ۳ ص ۲۹۹)	عذر کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والا اس معاہدہ کو اسی وقت پورا کر سکے جب اس کو ایسا نقصان برداشت کرنا پڑے جو اس معاہدہ کی روح کے بالکل خلاف ہو، عذر کے یہی معنی ہیں۔

اب یہ معاہدہ کیسے فسخ ہو تو اس بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ بغیر قانونی چارہ جوئی کے ممکن نہیں ہے اور بعض ائمہ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ بغیر قانونی چارہ جوئی کے بھی یہ ممکن ہے۔ مگر ان دونوں رایوں کے درمیان ایک بیچ کی راہ بعض ائمہ نے پیدا کی ہے کہ اگر یہ عذر ظاہر ہو جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے، تو پھر قانونی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر یہ عذر ظاہر نہیں ہے بلکہ اس کو اجیر و مستاجر ہی سمجھ سکتے ہیں تو پھر اس میں قانونی چارہ جوئی کے بغیر معاہدہ فسخ نہیں کیا جا سکتا، مثلاً اگر کارخانہ

میں آگ لگ گئی یا اور کوئی ارضی یا سماوی آفت آگئی تو کارخانہ دار حکومت کو اطلاع دیے بغیر بھی اپنا کارخانہ بند کر سکتا ہے، اور مزدوروں کو جواب دے سکتا ہے، لیکن اگر اس کو اپنی مصنوعات میں گھاٹا آرہا ہے یا آگیا ہے تو اس کا ثبوت وہ حکومت کے سامنے پیش کرے اگر حکومت اسے معقول عذر سمجھے گی تو فسخ کرا دے گی ورنہ نہیں۔

اسی طرح اگر مزدور بیمار پڑ گیا یا کسی حادثہ کا شکار ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ کام کرنے سے معذور ہے تو پھر وہ بغیر قضائے قاضی بھی کام چھوڑ سکتا ہے، لیکن اگر وہ اس جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہتا ہے یا اس کام کے بجائے دوسرا کام کرنا چاہتا ہے یا اُس کو اُجرت کم اور کام زیادہ معلوم ہوتا ہے تو وہ اس صورت میں نہ کوئی غیر قانونی حرکت کر سکتا ہے اور نہ اسٹرایک کر سکتا ہے، بلکہ اس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ یا تو وہ مستاجر کو فسخ معاہدہ پر راضی کرے اگر وہ راضی نہیں ہوتا تو پھر حکومت کے سامنے اپنے مطالبات اور اپنی معذوریاں رکھے جو مناسب ہوگا وہ فیصلہ کرے گی۔

غرض یہ کہ معاہدہ کے بعد مستاجر و اجیر دونوں محض اپنی اپنی خود غرضی اور منفعت کوشی ہی کو پیش نظر نہیں رکھیں گے بلکہ دوسرے کے فائدہ و نقصان کو بھی سامنے رکھیں گے، اور جہاں اس میں کسی کی طرف سے کوئی زیادتی ہوگی، وہاں حکومت مداخلت کرے گی۔

نوٹ حکومت کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی فریق کو دیوانی میں دعویٰ کرنا ہوگا اور مہینوں کچہری کی خاک چھاننی پڑے گی، بلکہ صنعتی دیکھ بھال کے لئے ایک مستقل محکمہ ہوگا، جو پورے ملک کے اجیروں اور مستاجروں کے حقوق کی نگہداشت کرے گا، اور ان میں جو اختلافاتی معاملات پیش آئیں گے وہ چند گھنٹے یا چند دن میں اس کے بارے میں فیصلہ کر دے گا۔

معاہدۂ اُجرت کے صحیح ہونے کے قانونی شرائط عام طور پر دنیا میں اجیر و مستاجر کے درمیان جو معاملہ طے ہوتا ہے اس کی بنیاد صرف مادّی فائدہ پر ہوتی ہے، یعنی عام طور پر اجیر کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ مستاجر اور آجر سے ہمارا تعلق

صرف یہ ہے کہ اس سے ہمیں زیادہ سے زیادہ اُجرت وصول ہونی چاہئے خواہ اس کو فائدہ ہو یا نقصان، اسی طرح مستاجر اور آجر یہ سوچتا ہے کہ اجیروں کی محنت سے ہمیں اسی وقت تک سروکار ہے، جب تک کہ ان کی محنت ہمارے لئے مفید ہے، لیکن جب ان کی محنت ہمارے لئے بارآور نہ ہو تو پھر ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی جس طرح ایک مشین بیکار ہونے کے بعد پھینک دی جاتی ہے، اسی طرح وہ بھی پھینک دینے کے قابل ہیں، وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ اصل فائدہ اس کو مزدوروں کی محنت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے سرمایہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے فائدہ کا اصل حق اس کو ہے اور ضمنی فائدہ کے مستحق مزدور ہیں۔

اسلامی نظام اُجرت میں بھی قانونی اعتبار سے اصل چیز منفعت ہی ہے، مگر ہر قدم اور ہر موقع پر یہ بات پیشِ نظر رکھی گئی ہے کہ دونوں کا تعلق محض ایک مشین اور مشین کے چلانے والے کا نہ ہو، بلکہ ایسا تعلق ہو جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے ساتھ ہونا چاہئے، جس طرح مستاجر کے سینے میں دل ہے اسی طرح مزدور کے سینہ میں بھی دل ہوتا ہے، جس طرح اس کے دل میں احساسات وجذبات پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح مزدور کے دل میں بھی احساسات وجذبات پیدا ہوتے ہیں —— اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اسی حیثیت سے تعلق رکھنا اور معاملہ کرنا چاہئے۔

مستاجر کو خاص طور پر سوچنا چاہئے کہ سرمایہ بغیر محنت کے بالکل بے کار ہے، اور محنت سرمایہ کی محتاج ضرور ہے، مگر بغیر سرمایہ کے وہ بالکل بے کار نہیں ہے، لیکن یہ تعلق کیسے پیدا ہو اور پھر کیسے باقی رہے اس کے لئے اخلاقی ہدایتیں بھی دی گئی ہیں، اور قانونی ہدایتیں بھی، اخلاقی ہدایتوں کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور قانونی ہدایتوں کے سلسلہ میں معاہدۂ اُجرت اور اس کے فسخ کرنے کے طریقہ کا ذکر آچکا ہے، اب آگے یہ بتایا جائے گا کہ اس معاہدہ کے صحیح ہونے کے کون ایسے شرائط ہیں جن کی رعایت سے اجیر ومستاجر کے درمیان کشمکش کی کم سے کم صورت پیش آسکتی ہے۔

۱۔ معاہدہ کے بعد سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اجیر ومستاجر دونوں عقل وہوش رکھتے ہوں،

دونوں کا بالغ ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے بالکل نادان بچوں یا پاگل و بے عقل بالغوں کے درمیان اُجرت کا معاملہ نہیں ہو سکتا، نادان بچوں کے ولی اگر چاہیں تو ان کو اپنے کام میں شریک کر سکتے ہیں، مگر وہ براہِ راست نہ تو اجیر ہو سکتے ہیں اور نہ مستاجر۔

۲۔ دونوں کی رضامندی ضروری ہے، یعنی نہ تو سرمایہ دار اپنے سرمایہ کا دباؤ ڈال کر ان سے کم اُجرت پر کام لینے کی کوشش کرے اور نہ اجیر اپنی محنت کے ذریعہ کوئی دباؤ ڈال کر آجر سے زیادہ اُجرت حاصل کرنے کی کوشش کرے، مثلاً مظاہرہ یا اسٹرائیک کی دھمکی وغیرہ کے ذریعہ۔

۳۔ اجرت متعین و معلوم ہونی چاہیے، یعنی یہ طے ہو جانا چاہیئے کہ روزانہ یا ماہانہ کتنی اُجرت ملے گی، اس طرح طے کرنا صحیح نہیں ہے کہ مناسب اجرت دیدی جائے گی، اگر بغیر طے کئے ہوئے کسی سے کام کرالیا تو یہ معاہدۂ اُجرت صحیح نہیں ہے اور اس کو اُجرت مثل دینی پڑے گی، البتہ اگر پہلے سے کسی کام کی اُجرت عام طور پر متعین ہے، یا جیسا کام اور جتنا کام وہ لے رہا ہے، اتنے کام کی اُجرت پہلے سے مقرر ہے تو بغیر طے کئے ہوئے بھی معاملہ ہو سکتا ہے، مگر اس صورت میں آجر کو اتنی ہی اجرت دینی اور اجیر کو اتنی ہی اُجرت لینی پڑے گی، جتنی کہ اس کام پر عام مزدوروں کو دی جاتی ہے، البتہ مقام کے لحاظ سے کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً ایک مزدور کو کلکتہ میں جتنی مزدوری ملتی ہے، اتنی کسی چھوٹے شہر میں نہیں ملتی تو کلکتہ کے مزدور کو چھوٹے شہر کے مزدوروں کی مزدوری نہیں دی جا سکتی اور نہ چھوٹے شہر کے مزدوروں کو بڑے شہر کی مزدوری دی جا سکتی ہے۔

۴۔ اُجرت کے ساتھ کام کی نوعیت جگہ اور وقت بھی معلوم ہونا چاہیئے، مثلاً جو کام لینا ہے اُسے وہ کام اور جگہ بتا دینی چاہیئے یا پھر وقت یا کام کی مقدار بتا کر اُجرت طے کرنی چاہیے، یعنی اگر آپ ایک مزدور رکھتے ہیں، تو اس کو بتا دینا چاہیئے کہ تم کو اتنی اُجرت ملے گی، روزانہ اتنا کام کرنا ہوگا، اور یہ کام تم کو فلاں کارخانہ اور فلاں مقام پر کرنا ہوگا، یعنی کلکتہ میں بمبئی میں یا لکھنؤ میں اور کپڑے کے کارخانے میں یا جوتہ کے کارخانہ میں یا سیمنٹ یا پٹ سن کے، کیونکہ مقام اور کام کی نوعیت کی وجہ سے اُجرت میں کمی اور زیادتی ہو جاتی ہے۔

کام کی مقدار بتا کر بھی اُجرت طے کی جا سکتی ہے، یعنی اس طرح طے ہو کہ اتنا کام کرو گے

تو اتنی اُجرت ملے گی، جیسا کہ عام طور پر ٹھیکہ میں ہوتا ہے، لیکن اگر اُجرت کے مقابلہ میں کام زیادہ ہو گا، یا سخت ہو گا تو اتنے کام کی عام طور پر جو اُجرت ملے گی وہ دینی پڑے گی، اسی کو اُجرت مثل کہا جاتا ہے، اسی طرح ماہوار تنخواہ پر بھی مزدور رکھا جاسکتا ہے، مگر اس میں بھی کام کی نوعیت اور مقام بتانا ضروری ہے۔

ہدایت اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے گی تو یہ معاہدہ فاسد سمجھا جائے گا، معاہدہ کے فسخ ہو جانے کی صورت میں اجیر کو جتنے دن اس نے کام کیا ہے، ان کی اُجرت ملے گی۔

اجیر اور مستاجر کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں

اسلامی قانون اُجرت میں نہ تو سرمایہ کو اصل بنیاد بنا کر محنت کو اس کا تابع بنا دیا گیا ہے جیسا کہ موجودہ جمہوری نظاموں میں عملاً ہوتا ہے اور نہ محنت اور تنظیم کو اصل قرار دے کر انفرادی سرمایہ کو یا تو بالکل اسی کے تابع کر دیا گیا ہے، یا اس کے وجود کو ختم کر دینے کی کوشش کی گئی ہے، بلکہ اس میں دونوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں کے امتزاج سے ایک نئی صورت پیدا کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر معاہدہ کے ضمن میں اس کی وضاحت کی گئی ہے، اب چونکہ اسلامی قانون اُجرت میں دونوں کے وجود کو تسلیم کر لیا گیا ہے، اس لئے دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں بھی متعین کر دی گئی ہیں۔

مستاجر کے حقوق اور ذمہ داریاں

۱۔ مستاجر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس صنعتی، تجارتی، یا زراعتی و خانگی و ذاتی کام کے لئے چاہے روزانہ اُجرت پر یا ماہوار تنخواہ پر ایک دو یا ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ مزدوروں سے ان شرائط پر کام لے، جن کا ذکر اوپر ہوا ہے اگر ان کے خلاف وہ کرے گا تو وہ قانونی طور پر بھی سزا کا مستحق ہو گا، اور اگر کوئی طاقت اس کو قانونی سزا دینے والی نہ بھی ہو تو آخرت میں اس کا مواخذہ اس سے ہو گا، حضرت موسیٰؑ نے اُجرت کا معاہدہ کیا تو قانونی شرائط طے کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ

وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ — ہم جو کچھ طے کر دیتے ہیں اس کا حقیقی نگراں خدا تعالیٰ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ :-

کلکم راعٍ وکلکم	ہر ایک تم میں سے چرواہا ہے اور اس سے اپنی
مسئول عن رعیتہٖ	رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

۲۔ اجیر کی معاشی مجبوری، بے بسی، اور بے روزگاری سے فائدہ اٹھا کر اس کو اجرت کم دے کر کام زیادہ لینے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے اگر وہ ایسا کرے گا تو اخلاقاً و دیانتہً بھی مجرم ہو گا اور قانوناً بھی، یعنی آخرت میں بھی اس کا وبال اس کو بھگتنا پڑے گا اور اسلامی حکومت بھی اس معاملہ میں مداخلت کرنے کی مجاز ہو گی، خواہ حکومت خود اس بات کو معلوم کر لے کہ ایک مستاجر مزدوروں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر ان پر ظلم کر رہا ہے خواہ مزدوروں کے توجہ دلانے پر اس کو معلوم ہو۔

۳۔ اگر مستاجر یہ محسوس کرتا ہے کہ ایک مزدور نے کام بگاڑ دیا، یا دل لگا کر کام نہیں کرتا ہے، تو اس کو یہ حق ہو گا کہ وہ اس کو علیحدہ کر دے، مگر علیحدہ کرنے سے پہلے دو باتیں دیکھنی ہوں گی، ایک یہ کہ یہ بات کسی جسمانی عذر کی وجہ سے تو نہیں ہے، اس صورت میں اس پر کوئی دار و گیر نہیں کی جا سکتی، دوسرے اس کی عدم دلچسپی کا سبب اُجرت کی کمی تو نہیں ہے، تو یہ کمی اگر اجر مثل سے کم ہے تو پھر اس کو اجر مثل کے مطابق اجرت کر دینی ہو گی، اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو پھر مستاجر قانوناً اس کو زیادہ کام کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور قصداً کام بگاڑنے کی صورت میں اس سے تاوان لے سکتا ہے۔

۴۔ اگر مستاجر کسی دن کام نہ لے، تو اس دن کی اُجرت اس کو دینی پڑے گی، یا نہیں، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اگر اس نے ماہوار تنخواہ پر مزدوروں کو رکھا ہے تو اس صورت میں کام نہ لینے یا چھٹی کے دن کی بھی اُجرت اُس کو دینی پڑے گی، لیکن اگر اس نے روزانہ کی مزدوری پر رکھا ہے تو وہ جس دن کام لے گا اس دن مزدوری دے گا اور جس دن کام نہیں لے گا، مزدوری نہیں دے گا۔

۵۔ اُجرت دینے کے لئے مستاجر نے جو وقت مقرر کیا ہے اس وقت اس کو اُجرت دیدینا

ضروری ہے، اگر اتفاق سے کسی دن یا کسی ماہ میں تاخیر ہوگئی تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر عادۃً وہ ایسا ہی کرتا ہے، تو قانونی اور اخلاقی دونوں حیثیت سے وہ مجرم ہوگا، اجیر کی اُجرت میں تاخیر کرنا انتہائی بُرا ہے، اوپر ارشاد نبوی گذر چکا ہے کہ مزدور کی مزدوری، پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی دے دینا چاہیئے۔

علاج

۶۔ کسی ملک کے بیکار، اپاہج اور بیمار افراد کی دیکھ بھال کی سب سے زیادہ ذمہ داری تو حکومت کے اوپر ہی ہوتی ہے لیکن معاشرہ کے افراد پر بھی اس کی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں، اگر کوئی فرد بیکاری کی وجہ سے بھوکوں مر جائے، یا علاج میسر نہ ہونے کی وجہ سے وہ لقمۂ اجل ہو جائے، تو محض حکومت ہی قصوروار نہیں ہوگی، بلکہ معاشرہ کے وہ تمام افراد اس کے ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے، جنھوں نے قدرت کے باوجود اس کی دیکھ بھال نہیں کی، اور یہ ذمہ داری اس شخص پر اتنی ہی زیادہ ہوگی جو اس سے جتنا قریبی تعلق رکھتا ہوگا، خواہ وہ تعلق خون کا ہو، عزیزانہ ہو یا محلہ پڑوس کا، مستاجر جن مزدوروں سے یا کوئی مالک جن نوکروں سے کام لیتا ہے وہ ان سے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس لئے ان کی جملہ ضروریات کی دیکھ بھال ان کے ذمہ ہونی چاہیے، یعنی راقم کے خیال میں مزدوروں کے علاج معالجہ کی اخلاقی ہی نہیں بلکہ قانونی ذمہ داری بھی مستاجروں پر ہونی چاہیئے، جس طرح ایک مضارب کام کے اخراجات کے علاوہ علاج کا خرچ بھی مضاربت کے روپیہ سے لے سکتا ہے جس کا اثر براہِ راست روپیہ لگانے والے کے سرمایہ پر پڑتا ہے، اسی طرح ایک مزدور جس کی حیثیت عملاً ایک مضارب کی ہے، اس کے علاج کی ذمہ داری بھی سرمایہ لگانے والے پر ڈالی جانی چاہیئے۔

اُجرت کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اور مضاربت کے احکام کی روشنی میں راقم نے یہ رائے قائم کی، مگر بہرحال یہ راقم کا قیاس ہے اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو اہل علم حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس غلطی کی طرف توجہ دلادیں، مگر یہ گذارش ضرور ہے، کہ جو بات کہی جائے وہ دلائل کے ساتھ کہی جائے۔

۷۔ عام طور پر مزدوروں سے جو کام لیا جاتا ہے اس سے زیادہ کام نہ لیا جائے، اگر کوئی

بھتا جر قدرت سے زیادہ کام لینے کی کوشش کرے گا، تو خواہ مزدور اپنی مجبوری کی وجہ سے اس پر راضی ہی کیوں نہ ہو جائے، اس سے روکا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے، حتیٰ کہ آپؐ نے جانوروں کے بارے میں بھی یہی حکم دیا ہے۔

۸۔ مستاجر ملازموں یا مزدوروں کو تنبیہ تو کر سکتا ہے، مگر گالی گفتہ یا زدوکوب نہیں کر سکتا، اگر کرے گا تو حکومت اس کو سزا بھی دے سکتی ہے، اور جرمانہ بھی کر سکتی ہے۔

مزدوروں اور ملازموں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں

۱۔ مستاجر کی طرح اجیر کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس نے مستاجر سے کام کرنے کا جو معاہدہ کیا ہے، اس معاہدہ کی پابندی صرف اس پر قانونی حیثیت ہی سے ضروری نہیں ہے، بلکہ اخلاقی حیثیت سے بھی ضروری ہے، اگر وہ اس میں کوئی کوتاہی کرے گا یا کوئی کام بگاڑ کر کے قانونی چارہ جوئی سے بچ بھی جائے تو قیامت کے مواخذہ سے نہ بچے گا، جس طرح خدا مستاجر کے کھلے چھپے ہر طرح کے ظلم کو دیکھتا ہے، اسی طرح اس کی کھلی اور چھپی کوتاہیوں اور غفلتوں پر بھی نگاہ رکھتا ہے، ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ کے ساتھ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔

۲۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ اجیر مشترک یعنی پیشہ وروں کی حیثیت تو امین باضمانت کی ہوتی ہے، مگر اجیر خاص کی حیثیت ایک امین بے ضمانت کی ہوتی ہے، یعنی جس طرح ایک امین کی یہ ذمہ داری ہے کہ جو امانت اس کے سپرد کی جائے، اس کی پوری حفاظت کرے اور حفاظت کے باوجود اتفاق سے اگر وہ ضمانت ضائع ہو جائے، یا اس میں نقص آجائے تو اس سے اس کا تاوان نہ لیا جائے گا، لیکن اگر وہ قصداً وہ چیز ضائع کر دے تو پھر اس سے تاوان بھی لیا جائے گا، اسی طرح ہر اجیر و مزدور مستاجر کی طرف سے دو چیزوں کا امین ہوتا ہے ایک تو کام کا دوسرے ان چیزوں کا جو اس کے چارج یا استعمال میں ہوتی ہیں، یعنی اگر اس نے کسی عذر کی بنا پر یا اتفاق سے کام میں کوئی کوتاہی کر دی، یا جو چیز اس کے استعمال یا چارج میں تھی اتفاق سے وہ ٹوٹ گئی

یا اس میں کوئی نقص آگیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے مثلاً کوئی مزدور مشین چلا رہا تھا وہ ٹوٹ گئی یا اس کا کوئی پرزہ خراب ہو گیا یا کوئی ملازم گلاس میں پانی پی رہا تھا، اتفاق سے اس کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹ گیا، یا چینی کا برتن دھو رہا تھا، ٹوٹ گیا تو اس سے تاوان نہیں لیا جائے گا، لیکن اگر اس نے قصداً مشین سیدھی چلانے کے بجائے الٹی چلادی یا اس کی گرمی اور ٹھنڈک کا لحاظ کئے بغیر اندھا دھند اس کو چلا دیا اور وہ ٹوٹ گئی، یا اس نے دیا سلائی جلادی اور مشین میں آگ لگ گئی یا ملازم نے گلاس یا برتن کو قصداً توڑ دیا، یا اس کو ایسی جگہ رکھ دیا، جہاں بچے یا بلیاں آسانی سے پہنچ سکتی ہیں، اور ٹوٹ گیا، تو اس سے اس کا تاوان لیا جائے گا، کیونکہ ان تمام صورتوں میں خود اجیر نے ایسی صورت پیدا کر دی ہے، جس کی وجہ سے یہ نقصان ہوا ہے، اسی طرح کسی دن اتفاق سے اس نے کام اس مقدار سے کم کیا، جتنا اسے کرنا چاہیئے یا وہ بیمار تو نہیں ہے مگر اس کی طبیعت کچھ سست ہے، یا اسے رنج و غم درپیش ہے تو ایسی صورت میں مستاجر کو اس سے باز پرس نہ کرنی چاہیئے لیکن اگر وہ عادۃً ایسا کرتا ہے تو پھر اس کو باز پرس اور اخراج کا حق بھی حاصل ہے۔

۳۔ اگر مستاجر کی ہدایت کے خلاف کوئی کام کرے گا اور نقصان ہو گا تو اس صورت میں بھی اس کو تاوان دینا ہو گا۔

معاہدہ کی رو سے اُجرت کا جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے اجرت مانگنے کا حق اجیر کو نہیں ہے، اگر آجر خود دیدے تو اس کو اس کا حق ہے، لیکن اس صورت میں اجیر پر یہ ذمہ داری ہو گی، جتنی مدت کی وہ اُجرت لے چکا ہے اتنی مدت تک وہ کام کرے، البتہ اگر اُجرت اجر مثل سے کم ہو تو پھر وہ اتنی مدت کا پابند ہے، جتنے دن کی اُجرت اجر مثل کے اعتبار سے اس کے ذمہ باقی ہے۔

۴۔ جتنے دن کے لئے یا جتنے کام کے لئے اُجرت کا معاہدہ کیا گیا ہے اس کے اختتام سے پہلے اجیر کو یہ حق نہیں ہے کہ بغیر کسی عذر کے کام چھوڑ دے۔ عذر کی تفصیل اوپر کی جا چکی ہے اسی طرح اس کو مظاہرہ کرنے۔ اسٹرائیک کرنے کا بھی حق نہیں ہو گا، البتہ اگر مستاجر کوئی

ظلم کر رہا ہے، تو وہ عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے، البتہ اگر اس کی اُجرت مستاجر روک لے تو اس کو کام بند کرنے اور مطالبہ کرنے کا حق ہوگا یا نہیں اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عام اصول کی بنا پر تو اس کو اس کی اجازت نہیں ہے لیکن ائمہ ثلثہ کے اصول کے مطابق اس کی اجازت اسے ہے۔

اسٹرائیک جب مزدوروں کو اُجرت مثل سے کم اُجرت مل رہی ہو تو وہ اسٹرائیک کر سکتے ہیں یا نہیں اس بارے میں علمار کو غور کرنا چاہیئے، راقم کا رجحان اسٹرائیک کی تائید کی طرف ہے اور اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک ائمہ ثلثہ کی اس رائے پر جس میں انھوں نے اجیر خاص اور اجیر مشترک کو اُجرت نہ ملنے کی صورت میں وہ مال یا چیز روک لینے کی اجازت دی ہے جو اس کے قبضہ میں ہے، دوسرے خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کم از کم صنعتی مزدوروں کو اس حیثیت سے ان اجیروں کے حکم میں داخل کرنا پڑے گا جن کے کام سے اصل چیز میں کوئی تبدیلی آجاتی ہے، کیونکہ کپڑا بننے والا مزدور سوت کو کپڑے کی شکل دیتا ہے، چمڑے کے کارخانہ میں کام کرنے والے مزدور اس کو سجا کر اور رنگ کر دوسری شکل دیتے ہیں، ایک لالٹین بنانے والا مزدور ایک دھات کو دوسری شکل دیتا ہے، غرض یہ کہ یہ سب اس کلیہ کے تحت اس میں داخل ہوتے ہیں۔

لیکن چونکہ راقم کو اس سلسلہ میں علمار کی کوئی رائے نہیں مل سکی ہے، اس لئے اہل علم سے درخواست ہے، کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی رائے سے آگاہ کریں، ضرورت ہے کہ فقہ حنفی کے ساتھ ائمہ اربعہ کے مسلک کی کتابیں بھی سامنے رکھی جائیں، ان مسائل میں ذرا وسعت نظر سے کام لینے کی ضرورت ہے

۵۔ اگر مستاجر نے کسی کام کے بارے میں یہ قید نہیں لگائی ہے کہ تم ہی یہ کام کرنا تو اس صورت میں اجیر اپنے عوض دوسرے مزدور سے بھی مستاجر کا کام کرا سکتا ہے، لیکن اگر اسی کے کام کرنے کی قید لگا دی ہے تو اسی کو کرنا چاہیئے، دوسرے سے اگر وہ کام لے گا تو وہ ضامن ہوگا، یعنی اگر کوئی نقصان ہو جائے گا، یا کام خراب ہو جائے گا تو خواہ اتفاقی ہی طور پر کیوں نہ خراب ہوا ہو

اجیر کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

اُجرت کی بعض اور جائز و ناجائز صورتیں

۱۔ اگر کسی نے اپنے لڑکے کو تعلیم کے لئے اسکول میں یا کسی چیز کی ٹریننگ کے لئے کسی کارخانہ یا کسی شخص کے پاس بھیجا تو اسکول کا ذمہ دار، کارخانہ دار یا وہ شخص اس کی اُجرت لے سکتا ہے یا نہیں، اور اگر لے گا تو کتنی اُجرت لے گا اس کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ تعلیم اور ٹریننگ دینے کی مدت بھی مقرر تھی اور اُجرت بھی، تو اس مدت تک لڑکے کے سرپرست کو جو اُجرت مقرر ہے وہ دینی پڑے گی، خواہ اس کا لڑکا اس سے کام سیکھے یا نہ سیکھے۔ مثلاً اسکول میں جو ماہانہ فیس لی جاتی ہے وہ اس کو دینی پڑے گی خواہ اس کا لڑکا اسکول جائے یا نہ جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ اُجرت کی تعیین تو کی مگر مدت مقرر نہیں کی تو یہ اجارہ کا معاہدہ صحیح نہیں ہوا، اب لڑکا جتنے دن کام سیکھے گا اتنے دن کی اُجرت اسکول والوں یا کارخانہ دار کو دی جائے گی، اور جتنے دن وہ تعلیم حاصل نہ کرے گا، اُن کو اُجرت نہیں ملے گی، تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے تعلیم یا ٹریننگ کی مدت مقرر کر دی، مگر اُجرت گاہ کر دونوں میں سے کسی نے نہیں کیا تو تعلیم دینے والے کو اُجرت ملے گی یا نہیں اس کا فیصلہ عرف عام کے مطابق کیا جائے گا، اگر عام طور پر اس کام کے سیکھنے پر اُجرت لی جاتی ہوگی، تو اُستاد مطالبہ کر سکتا ہے، اور اگر نہیں لی جاتی ہوگی تو نہیں کر سکتا۔

۲۔ جن اداروں یا محکموں میں کوئی ایک شخص مالک نہیں ہوتا بلکہ حکومت یا پبلک کی طرف سے کچھ لوگوں کو یا ایک شخص کو وکیل یعنی ذمہ دار بنا دیا جاتا ہے مثلاً اسکول، مدرسے، تصنیفی ادارے، ان میں چھٹی یا بیماری کی اُجرت یا تنخواہ دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ جس کی طرف سے وہ ذمہ دار بنایا گیا ہے، اس کی اجازت شامل ہو۔

۳۔ ستاجروں کی طرف سے جو رقم بطور انعام، عطیہ، بونس، پراویڈنٹ وغیرہ کے نام سے ملتی ہے اس کو کسی وقت بھی اُجرت میں محسوب نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ اُجرت میں جنس کے بجائے نقد رقم کو معیار بنایا جائے، اسی طرح کھانے کپڑے

وغیرہ پر لازم نہ رکھا جائے، کیونکہ کھانے کپڑے کی تعیین میں اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اگر کہیں رواج ہو جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے تو کوئی حرج نہیں (مجلہ ۸۲)

لیکن اس صورت میں اس کو وہی کھانا اور کپڑا دینا پڑے گا۔ جیسا عام طور پر وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے، اسی طرح مکاتب وغیرہ میں جو یہ رواج ہے کہ جو لڑکا پڑھنے کے لئے آتا ہے اس سے کچھ مٹھائی ضرور تقسیم کرائی جاتی ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ بطور اُجرت استاد لیتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے، مگر صرف تقسیم کے لئے لینا درست نہیں ہے۔

۵۔ کسی سفارش پر اُجرت لینا درست نہیں ہے۔

۶۔ اگر کہیں حافظ نہ ہو تو اجرت دیکر کسی حافظ سے تراویح سننے سے بہتر یہ ہے کہ چھوٹی سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھ لی جائے

۷۔ لہو و لعب یا ناجائز چیزوں کی مرمت کر کے یا تیار کر کے اجرت لینا درست نہیں ہے، اسی طرح ہر غیر اسلامی کام پر اُجرت لینا حرام ہے۔

حکومت کی ذمہ داری اجیر و مستاجر کے بنیادی حقوق کی تعیین اور ان پر عمل درآمد نہ ہونے کی صورت میں ان کے عمل درآمد کی کوشش کرنا اور پھر اجیروں کے بیکار، معذور ہو جانے کی صورت میں ان کی دیکھ بھال کا انتظام یہ سب حکومت کی ذمہ داری ہے، اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔[1]

محنت کش جانوروں کے حقوق

جس طرح محنت مزدوری کا کام انسان سے لیا جاتا ہے اسی طرح جانوروں سے بھی لیا جاتا ہے، اسلامی شریعت میں صرف محنت کش انسانوں ہی کے نہیں بلکہ ان بے زبان جانوروں کے حقوق بھی مقرر ہیں، جن سے ہم کام لیتے یا کوئی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

قرآن نے سب سے پہلے انسان کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی ہے، کہ

[1] تفصیل کے لئے راقم کی کتاب اسلامی قانون اُجرت دیکھی جائے۔

جس طرح تم خدا کی جاندار مخلوق ہو اسی طرح جانور بھی خدا کی مخلوق ہیں، مخلوق ہونے کی حیثیت سے تم میں ان میں کوئی فرق نہیں مگر چونکہ دنیا کی ہر مخلوق کو خدا نے انسان ہی کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے، اور ان کو اس کا تابعدار بنا دیا ہے ان ہی میں یہ جانور بھی ہیں، اس لئے ان سے وہ کام بھی لے سکتا ہے اور فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے، مگر اس کو یہ سمجھ کر کام لینا چاہیئے کہ وہ اینٹ پتھر کی طرح بے جان چیز نہیں ہیں، کہ ان سے جس طرح اور جتنا کام چاہیں لیتے جائیں، ان کو اس کا کوئی احساس نہیں ہوگا بلکہ ہماری ہی طرح تکلیف و آرام کا اثر ان پر بھی پڑتا ہے، قرآن میں کہا گیا ہے کہ یہ تمہاری ہی طرح ایک امت ہیں۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ — زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور ہوا میں

وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا — اڑنے والی ہر چڑیا جو اپنے دونوں بازوؤں سے

أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ۔ — اڑتی ہے تمہاری طرح ایک امت ہیں۔

قرآن کی یہ ہدایت محض اخلاقی تعلیم ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک قانونی دفعہ بھی ہے، اس کی قانونی حیثیت پر اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے، ایک بار حضرت عبید اللہ حضرت عبداللہ بن بسر کی خدمت میں آئے، اور پوچھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سواری بھی کرتا ہے اور بلا وجہ اس کے کوڑے بھی مارتا ہے اس کے متعلق آپ کو کوئی ارشاد نبوی معلوم ہے، بولے مجھے نہیں معلوم، اندر سے ایک خاتون بولیں، خود اللہ تعالیٰ کہتا ہے، یہ تمہاری جیسی ایک مخلوق ہے پھر انھوں نے مذکورہ آیت تلاوت کی، مقصد یہ تھا کہ ان کو بلا وجہ سزا دینا جرم ہے، سواری پر سوار ہوتے وقت اسی لئے یہ دعا سکھائی گئی ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا — پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا تابعدار

وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ — بنا دیا ہم ان کو قبضہ میں ہی نہیں لا سکتے تھے۔

تاکہ یہ بات ذہن میں تازہ رہے، کہ یہ جانور جو تمہارے قابو میں ہیں اور تمہاری تابعداری کر رہے ہیں، یہ محض خدا کا فضل اور اس کی کرشمہ سازی ہے ورنہ تمہارے بس کی یہ بات نہیں تھی کہ تم ان کو قبضہ میں لے لیتے۔

ان ہدایات کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں سے جن سے ہم کوئی کام لیتے ہیں، یا معاشی فائدہ حاصل کر رہے ہیں، حسب ذیل حقوق مقرر فرمائے ہیں۔

۱۔ جو جانور جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، ان سے وہی کام لینا چاہیئے، چنانچہ آپؐ نے ایک تمثیل دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص بیل پر سوار ہوا اور اس کو مارنا شروع کیا تو اس نے مڑ کر کہا کہ میں سواری کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں[1]۔

آپؐ نے فرمایا کہ سواری کے جانوروں کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ خدا نے ان کو تمہارا فرماں بردار اس لئے بنایا ہے کہ وہ تمہیں ان مقامات تک جہاں تم بڑی مشقت سے پہنچ سکتے ہو، آسانی سے پہنچا دیں۔

سواری کے جانور کی پیٹھ کو منبر بنانے کا دو مطلب ہے، ایک یہ کہ بلا ضرورت سواری پر بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے، جس طرح بلا ضرورت کوئی شخص منبر پر بیٹھا نہیں رہتا، دوسرے یہ کہ جتنی دیر سفر کرتا ہے اتنی دیر اس کی پیٹھ کو ضرور استعمال کیا جائے، لیکن استعمال کرنے کے بعد ان کی آسائش و آرام کے لئے وہی سب کچھ کرنا چاہیئے جو ایک جاندار کے لئے کیا جاتا ہے، جاندار سواری لکڑی پتھر کا تخت یا چبوترہ نہیں ہے، کہ اس کو استعمال کرنے کے بعد پھر اس کی غذا اور آسائش و آرام کا سامان کرنا نہیں پڑتا۔

۲۔ جس طرح آدمی کام کرنے کے بعد تھک جاتا ہے اور اس کو آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اسی طرح حیوان بھی تھکتے ہیں اور ان کو آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، آدمی کی زبان میں گویائی کی طاقت ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے احساس کا اظہار کر لیتا ہے مگر حیوانات چونکہ گویائی سے محروم ہوتے ہیں، اس لئے ان کی تکلیف و آرام کا خود ہی خیال کرنا چاہیئے، ایک بار آپ نے ایک اونٹ کو دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے بیٹھ گیا تھا، فرمایا بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو اچھی حالت میں سوار ہو۔ فَارْکَبُوْھَا صَالِحَۃً[2]

اچھی حالت میں سوار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سوار ہونے سے پہلے اچھی طرح کھلا پلا لو،

---

[1] بخاری باب استعمال البقر للحراثۃ [2] ابو داؤد کتاب الجہاد

یہ بھی دیکھ لو کہ وہ بیمار تو نہیں ہے، اس کا جسم اور تمام اعضا درست اور صاف ستھرے ہیں یا نہیں، اسی طرح سوار ہونے کے بعد پھر ان کی دیکھ بھال کرتے رہو، تاکہ دوبارہ وہ سواری کے قابل رہیں۔

ایک انصاری اپنے اونٹ سے کام زیادہ لیتے تھے اور چارہ کا خیال کم رکھتے تھے، آپؐ نے ان کو بلا کر یہ تنبیہ فرمائی۔

اَفَلَا تَتَّقِی اللّٰهَ فِیْ هٰذِهِ	اس بے زبان جانور کے بارے میں اس
الْبَهِیْمَةِ الَّتِیْ مَلَّكَ اللّٰهُ اِیَّاهَا	خدا سے ڈرتے نہیں، جس نے محض اپنے فضل
اِنَّكَ تُجِیْعُهٗ وَ تُدْئِبُهٗ	سے اس کو تمہارا تابعدار بنایا ہے، اس سے

کام زیادہ لیتے ہو اور پھر بھوکا بھی مارتے ہو۔

حضرت انسؓ بن مالک عام صحابہؓ کا اسوہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"ہم لوگ جب منزل پر اُترتے تھے تو نماز پڑھنے سے پہلے سواریوں کا کجاوہ کھول دیتے تھے"۔ اس اسوۂ صحابہ کی روشنی میں علمار حدیث نے لکھا ہے کہ اپنے کھانے پینے اور آرام سے پہلے جانوروں کے کھانے پینے اور آرام کا سامان کرنا چاہئے[1]۔

۳۔ جانوروں کو ہلکی پھلکی سزا دی جا سکتی ہے، مگر آپؐ نے منہ پر مارنے اور ان کے داغنے کی ممانعت فرمائی ہے، ایسے شخص کو آپؐ نے ملعون قرار دیا ہے۔

۴۔ جانوروں کو لڑایا نہ جائے، آپ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔

۵۔ جس طرح کسی انسان کو گالی دینا اور خواہ مخواہ تکیہ کلام کے طور پر ملعون و مردود قرار دینا صحیح نہیں ہے، اسی طرح جانوروں کو بھی گالی دینا، ان کو لعنت ملامت کرنا برا ہے، آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔

غور کیجئے آپؐ نے ان کے احساس کا کتنا زیادہ خیال فرمایا ہے۔

قانونی حیثیت جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، ان ہدایات کی حیثیت محض اخلاقی تعلیم ہی

---

[1] معالم السنن للخطابی

کی نہیں ہے بلکہ ان کو قانونی حیثیت بھی حاصل ہے، یعنی ان ہدایات کے خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ حکومت بطور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جانوروں کے مالکوں سے کہے کہ وہ ان کے چارہ کا اچھا انتظام کریں، اور ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں، مگر ان پر کوئی جبر نہ کرے مگر ائمہ ثلثہ امام مالک، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ متفقہ طور پر فرماتے ہیں، کہ اگر مالک نے جانور کو ٹھیک سے چارہ نہیں دیا تو

لَهٗ اَنْ تُجْبِرَ عَلٰے نَفَقَتِهَا اَوْ بَيْعِهَا — حاکم جانور کے مالک کو مجبور کرے کہ وہ اس کو ٹھیک سے یا تو چارہ دے یا بیچ ڈالے۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ

اِنَّهٗ يُمْنَعُ مِنْ حَمْلِهَا مَا لَا تُطِيْقُ — اگر کوئی شخص جانور سے اس کی استطاعت سے زیادہ کام لیتا ہے، یا اس پر زیادہ بوجھ لادتا ہے تو حاکم اس کو اس سے روک دینے کا حق رکھتا ہے

خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی جانور پر سوار ہو کر جارہا ہے اور وہ جانور راستہ میں کسی دوسرے کی چیز کا نقصان کر دے، مثلاً کھیت کھا جائے، یا کسی کا پالتو جانور کسی کی کوئی چیز راستہ میں توڑ دے یا خراب کر دے تو مالک کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

اس کلیہ سے یہ بات خود بخود نکل آتی ہے کہ اگر مالک اس نقصان کا ذمہ دار ہے جو اس کے جانور کے جسم کے کسی عضو سے ہوگیا ہے تو پھر اس کے اوپر جو زیادتی اور ظلم ہوگا اور اس کی وجہ سے خود اس کے جسم و جان کو جو نقصان ہوگا، اس کا ذمہ دار کیوں نہ قرار دیا جائے۔

زراعت

اوپر ذکر آچکا ہے کہ جن وسائل و ذرائع سے انسان کو روزی اور دوسری ضروریاتِ زندگی

مہیا ہوتی ہیں، ان میں دو بڑے ذریعے ہیں، ایک تجارت، دوسرا زراعت، تجارت کی تفصیل اوپر آچکی ہے، اب دوسرے ذریعہ یعنی زراعت کا بیان کیا جاتا ہے۔

زراعت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی خود کوئی زمین جائز طریقہ سے حاصل کرے یا اس کو وراثت میں ملے اور اس میں اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرے اور اس سے اپنی ضروریات پوری کرے دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی معذوری یا کسی مشغولیت کی وجہ سے خود کھیتی باڑی نہیں کر پاتا تو اسلامی شریعت اس کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں دوسروں سے مدد لے، اس مدد کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کوئی اپنا کھیت کسی کو بٹائی پر دے، یعنی زمین اور بیج وغیرہ اس کا ہو اور محنت اور ہل بیل دوسرے شخص کا ہو، اور اس اشتراک سے جو کچھ پیدا ہو دونوں بانٹ لیں، دوسری صورت یہ ہے کہ نقد لگان طے کر کے اپنی زمین کسی کو دیدی جائے اور مقررہ لگان مالک اس سے وصول کرتا رہے، اور لگان دینے والا لگان ادا کر کے پوری پیداوار سے خود فائدہ اُٹھائے، تیسری صورت یہ ہے کہ زمین، بیج، ہل، بیل سب کچھ ایک آدمی کا ہو اور وہ دوسروں سے مزدوری پر کام لے، کام کرنے والے اپنی مزدوری لے لیں اور جو کچھ پیداوار ہو وہ لے لے۔

گویا اب کل چار صورتیں ہوئیں، ان میں سے آخری دو صورتوں کا بیان ضمنی طور پر اوپر ہو چکا ہے، بقیہ دو صورتوں کا بیان یہاں کیا جائے گا، جن دو صورتوں کا بیان ہو چکا ہے، ان میں ایک تو کرایہ پر کسی چیز کے لینے اور دوسرے مزدوری پر کام کرنے کا ہے جن شرائط کے ساتھ آپ مکان یا اور کوئی چیز کرایہ پر لیتے یا دیتے ہیں، ان ہی شرائط کے تحت آپ زمین بھی کرایہ پر لے اور دے سکتے ہیں ، اس سلسلہ میں چند اور باتوں کا ذکر آگے آئے گا، اسی طرح جن شرائط پر ایک خانگی ملازم یا کارخانہ کے مزدور سے محنت لی، اور مزدوری دی جاتی ہے، ان ہی شرائط کے تحت زراعت میں بھی آپ کسی سے محنت لے کر مزدوری دے سکتے ہیں، اس سلسلہ کی بعض اور باتوں کا ذکر آگے آئے گا۔

جس طرح خدا تعالیٰ نے تمام مخلوق کو انسان کے فائدہ کے لئے مسخر کر دیا ہے اسی طرح

زمین کی بھی تخلیق اسی مقصد کے لئے فرمائی ہے، قرآن میں ہے:۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ	خدا نے زمین مخلوق کے فائدے کے
فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ	لئے پیدا کی ہے، اس زمین میں میوے اور
الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ	کھجور کے درخت جن پر غلاف ہوتا ہے اور
وَالرَّيْحَانُ (رحمان)	بھوسے دار غلہ اور پھل پھول وغیرہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں

قرآن میں اس طرح کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں انسان کو خطاب کر کے یہ بات کہی گئی ہے کہ خدا نے زمین کو تمہاری روزی اور معاش کا ذریعہ بنایا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ	اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے زمین
ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا	تمہارے لئے ہموار بنائی ہے، تو تم اس کے
مِنْ رِّزْقِهٖ	اوپر چلو اور اس کا اگلا ہوا رزق کھاؤ

ان آیات میں ایک طرف انسان کو زمین سے فائدہ حاصل کرنے اور اس کے ذریعے اپنے سامان رزق کی فراہمی کی ترغیب دی گئی ہے، تو دوسری طرف یہ بات بھی ذہن نشین کرادی گئی ہے، کہ ہماری طرح زمین کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے، اور زمین ہی کو نہیں بلکہ وہ سامان غذا جسے بظاہر تم اپنے دست و بازو اور دوسرے مادی وسائل سے بہم پہنچاتے ہو، وہ سب بھی خدا کی قدرت تخلیق کی ادنیٰ کرشمہ سازی ہے، ورنہ اگر اس کی خفیہ و پوشیدہ مدد شامل حال نہ رہے تو پھر ایک دانہ بھی تم اگا نہ سکو گے۔

اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ	ذرا غور کر کے بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو
تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ	اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں

سائنس کا ایک معمولی طالب علم جانتا ہے کہ ایک ایکڑ زمین میں اگر ظاہری طور پر دو آدمی محنت کر کے اس کو جوتتے بوتے کھاد دیتے اور پانی پہنچاتے ہیں تو خدا تعالیٰ اپنی ایک خفیہ فوج یعنی چھوٹے چھوٹے کیڑوں (بیکٹیریاز) کے ذریعہ کئی آدمیوں کی طاقت ان کو پہنچاتا ہے، تب وہ پودے اُگتے ہیں اور پھر ہم ان سے غلّہ اور پھل حاصل کرتے ہیں اگر یہ خفیہ فوج

اپنا کام چھوڑ دے تو ہماری ساری محنت اکارت جائے۔

زراعت کا سارا دارومدار ہوا اور پانی کے اوپر ہے، اگر وہ سمندر سے کھارا پانی بھاپ میں تبدیل کر کے پانی بنا کر نہ برسائے تو یہ ساری کھیتی پانی برسنے کے باوجود تباہ و برباد ہو جائے گی۔

اِنَّا نَسُوْقُ الْمَاءَ اِلَى الْاَرْضِ	ہم خشک زمین پر پانی برساتے اور پھر
الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ	اس سے کھانے کی چیزیں اگاتے ہیں جس کو
مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ	تمہارے جانور بھی کھاتے ہیں اور تم بھی کھاتے ہو۔
اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ۔	

غرض یہ کہ جب انسان کی یہ زمین کی کھیتی باڑی اور اس کا سارا سامان حیات خدا کی قوت تخلیق ہی کا عطیہ ہے تو پھر انسان کو خود اپنی ذات کے بارے میں ان حدود کا پابند ہونا چاہیئے جو اس کے اور پوری کائنات کے خالق کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ	ہم نے زمین کی چیزوں کو اس کے لئے رونق
زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ	کا سبب بنایا ہے تاکہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں
اَحْسَنُ عَمَلًا	کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔

جن حدود کے تحت آدمی کو زمین سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے قرآن نے اصولی طور پر ان کی طرف اجمالاً بھی اشارہ کیا ہے اور صراحتہً بھی، قرآن میں وراثت کے تفصیلی ذکر کے بعد کہا گیا ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا،
وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا	اور اس کے مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا
خَالِدًا فِيْهَا۔	اللہ تعالیٰ اس کو ایسی آگ میں داخل کرے گا
(نساء)	جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

پھر تمام قسم کی پیداوار کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے، کہ چونکہ یہ خدا کا عطیہ ہے اس لئے

اس میں اس کا مقرر کردہ حق نہ بھولو، اور نہ اس میں آزاد ہو کر کوئی تصرف ہی کرنے لگو۔

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (انعام)

اس کا حق کٹائی کے دن دے دو اور اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ اور وَلَا تُسْرِفُوْا دونوں لفظ قابل غور ہیں حق میں ہر طرح کا وہ انسانی حق آگیا جو خدا نے اس کے لئے مقرر کیا ہے اور اسراف میں ہر طرح کی زیادتی اور اسراف کا سدباب کر دیا گیا۔ اسراف کہتے ہیں، حدود اللہ سے تجاوز کرنے کو، اب اس کے اندر وہ تمام زیادتیاں، حق تلفیاں، بے احتیاطیاں آگئیں جو زمین کے سلسلہ میں آدمی کرتا ہے۔

ان اُصولی ہدایات کی پوری تفصیل آپ کو ارشادات رسول اور اسوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملے گی۔

حدیث نبوی میں سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اسی زمین کو اپنے لئے روزی کا وسیلہ بناؤ جو تمہیں حلال اور جائز ذریعہ سے ملی ہو یا تم نے خود جائز اور حلال ذریعہ سے حاصل کی ہو اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ممکن ہے کہ یہاں قانونی گرفت سے بچ جاؤ، مگر قیامت کی سزا سے نہ بچ سکو گے، آپؐ نے فرمایا کہ:۔

مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ (بخاری و مسلم)

جو شخص ایک بالشت زمین بھی ظلم سے کسی کی دبالے اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس زمین کا سات گز بوجھل طوقِ ذلت اس کے گلے میں ڈال دے گا۔

ظلم سے کوئی زمین حاصل کرنے کی صرف یہی صورت نہیں ہے کہ آپ زبردستی کسی کی زمین کے مالک بن جائیں، بلکہ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کسی کی زمین دھوکے سے اپنے نام کرالیں، کچھ روپیہ قرض دے دیا اور اس کا دباؤ ڈال کر اونے پونے کم قیمت پر اس کی زمین یا مکان لکھوالیا، جھوٹے مقدمات داخل کر کے قانونی داؤ پیچ سے اس کے مالک بن بیٹھے، غرض

یہ کہ جو زمین کسی دباؤ یا فریب سے حاصل کی جائے گی وہ سب ظلم میں داخل ہوگی۔

پھر ایک طرف تو آپؐ نے یہ تنبیہ فرمائی کہ کوئی زمین ناجائز طریقہ سے حاصل نہ کی جائے، دوسری طرف آپ نے فرمایا کہ اس زمین سے آدمی کو اتنا ہی تعلق ہونا چاہیئے جتنی اس کو معاشی ضرورت ہے، لیکن اگر یہ تعلق اتنا بڑھ گیا، کہ آدمی خدا کو خدا کے دین اور دین کے کام کو چھوڑ بیٹھے، اور وہ یہ بھی بھول جائے کہ اس نے غلط طریقہ سے حاصل کیا ہے، یا صحیح طریقہ سے تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ زمین سے اس کا یہ تعلق اور محبت اس کو ذلت و پستی میں مبتلا کئے بغیر نہیں رہے گی، ایسے ہی لوگوں کے لئے آپؐ نے فرمایا ہے کہ "کھیتی باڑی جس گھر میں داخل ہوتی ہے، اس میں خدا ذلت بھی داخل کر دیتا ہے"۔

لیکن اگر ان حدود کا خیال کر کے کوئی شخص خود کھیتی کرتا، یا دوسروں سے کراتا ہے، تو اس کی یہ کھیتی باڑی اس کے لئے صدقۂ جاریہ ہے، انسان یا حیوان جو لوگ بھی اس کھیتی باڑی سے اپنا آذوقہ حاصل کریں گے، یا کسی درجہ میں اس سے فائدہ اٹھائیں گے اس کا ثواب کھیتی کرنے والے کو ملے گا، حتیٰ کہ اگر پرندے اس کے کھیت سے چند دانے اچک لیں گے، یا اس کے باغ کا کوئی پھل کھالیں گے تو یہ بھی اس کے حق میں ایک صدقہ ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا	کوئی مسلمان جب کوئی درخت لگاتا ہے،
اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْکُلُ مِنْهُ طَیْرٌ	یا کوئی کھیتی کرتا ہے تو اس سے اگر کوئی
اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا کَانَ	پرندہ یا انسان یا چوپایہ کچھ کھا بھی لیتا ہے
لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ (بخاری)	تو اس کے لئے یہ صدقہ ہو جاتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اس کو اس کا ثواب دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملے گا۔

زراعت زیادہ بہتر ہے یا تجارت

تجارت و زراعت دونوں مبارک پیشے ہیں، اور قرآن و حدیث میں دونوں کی ترغیب آئی ہے، لیکن چونکہ دونوں کے ذریعہ انسان کی معاشی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اس لئے بعض فقہاء نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ان میں زیادہ بہتر اور افضل پیشہ کون ہے، مشہور حنفی عالم امام سرخسی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سوال پر

بحث کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ هُوَ اَنْفَعُ النَّاسِ — بہتر آدمی وہ ہے جو عام لوگوں کے لئے بہتر ہے۔

کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ :۔

فَالْاَشْغَالُ بِمَا يَكُوْنُ نَفْعُهٗ اَعَمَّ يَكُوْنُ اَفْضَلَ [1] — وہ کام جس کا فائدہ زیادہ عام ہو وہی زیادہ افضل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ملک میں غلّہ زیادہ پیدا ہو مگر تجارت کا نظام درست نہ ہو تو اس کو صحیح طریقہ پر لانا زیادہ بہتر اور مقدم کام ہوگا اور اگر ملک میں غذا کی کمی ہو تو سب سے ضروری کام زراعت قرار پائے گا۔

اپنے ہاتھ سے اگر کھیتی نہ کر سکے تو بہتر ہے کہ زمین اپنے دوسرے بھائی کو دیدے

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اگر آدمی اپنے ہاتھ سے کھیتی نہ کر سکے تو اس کو لگان یا بٹائی پر دینے یا اُجرت پر مزدوروں سے کام کرانے کی قانونی طور پر اجازت ہے کیونکہ اسلام زمین، جائداد اور دوسری تمام چیزوں پر انفرادی طور پر ہر شخص کا حق ملکیت بھی تسلیم کرتا ہے اور ان کو اس سے اپنی ذاتی منفعت کے لئے اس وقت تک فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے، جب تک اس کی منفعت طلبی اجتماعی مفاد کو نقصان نہیں پہنچاتی، لیکن اس قانونی اجازت کے باوجود اخلاقی اعتبار سے یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ اگر وہ کھیتی باڑی نہیں کر پاتا، اور اس کے پاس دوسرا ذریعہ معاش بھی موجود ہے، اور اس کا کوئی دوسرا بھائی بالکل بے سہارا اور بے وسیلہ ہے، تو وہ اپنی زمین بغیر کسی معاوضہ کے اپنے دوسرے بھائی کو عاریۃً بطور ہبہ دیدے، تاکہ وہ اپنی ضروریات اس سے پوری کر سکے، آپؐ نے فرمایا کہ :۔

مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا — جس کے پاس زمین ہو وہ یا تو خود کھیتی کرے

---

[1] ج۳ ص ۲۵۹ کتاب الکسب

اَوْ يَمْنَحْهَا اَخَاهُ — یا پھر اس کو اپنے کسی دوسرے بھائی کو دیدے

آپؐ کے ارشادات کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اب جو کسی وجہ سے بھی کھیتی نہ کر سکے تو اس کو لامحالہ اپنی جائداد دوسرے کو دے ہی دینا چاہیئے۔

بعض صحابہؓ نے ارشاد گرامی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب دوسروں کو لگان یا بٹائی پر زمین دینا قانوناً بھی منع ہے، یا تو آدمی خود کھیتی کرے یا دوسروں کو مفت زمین دیدے، حضرت ابن عباسؓ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا تو انھوں نے اس ارشاد گرامی کی وضاحت کی، آپؓ نے فرمایا کہ:۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یُحَرِّمِ الْمُزَارَعَۃَ وَلٰکِنْ اَمَرَ اَنْ یَرْفُقَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو قانوناً حرام نہیں قرار دیا ہے بلکہ آپؐ نے ایک دوسرے سے نرمی اور سلوک کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے ارشاد نبوی کی اخلاقی حیثیت کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

اپنے ہاتھ سے کھیتی کرنے کا حکم اور اس کا ثواب

انسان کی سب سے بنیادی ضرورت کھانا ہے، اس لئے جو لوگ اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کر کے اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں، اور ان کی ضرورت سے جو بچ جاتا ہے، دوسرے بندگان خدا کے ہاتھ اس کو فروخت کر کے ان کو فائدہ پہنچاتے ہیں، وہ انسانی زندگی کا سب سے بڑا بنیادی کام کرتے ہیں، اس لئے وہ قابل صد مبارکباد ہیں خاص طور پر خدا کی ایک بے زبان مخلوق یعنی پرندے تو سال کے بیشتر حصہ میں کسان ہی کی محنت سے اپنا آذوقہ حاصل کرتے ہیں یہ صدقہ جاریہ کسی دوسرے پیشہ میں اتنا عام نہیں ہے، لیکن عام طور پر زراعت پیشہ لوگ اپنی شدید محنت اور زراعت کی ان تمام خوبیوں اور فائدوں کو ذرا سی بدنیتی اور زیادتی کی وجہ سے اکارت کر دیتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ اوپر قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے جو حدود بیان کئے گئے ہیں، ان کا لحاظ کیا جائے۔ تاکہ ان کی محنت دنیا میں بھی بارآور ہو اور آخرت میں بھی۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کھیتی باڑی کا کام تنہا ایک آدمی کے بس کا نہیں، اس میں

ان۔

دوسروں سے بہر حال مدد لینی پڑتی ہے، اس لئے اگر وہ بحیثیت مستاجر یا بحیثیت مالک دوسروں سے مدد لے تو اس کو ان تمام شرائط و احکام کی پابندی کرنی چاہیئے جو اوپر کرایہ اور اجیر خاص کے بیان کے سلسلہ میں لکھے جا چکے ہیں، اب اس کے بعد لگان اور مزارعت یعنی بٹائی کا بیان کیا جاتا ہے، اس کے ضمن میں مزدوری کے بعض مسائل کا ذکر بھی آجائے گا۔

اجارۂ ارض اور مزارعت کی تعریف اور حکم | اگر آدمی کسی وجہ سے خود کھیتی باڑی نہیں کرتا ہے، یا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ دوسروں کو لگان یعنی کچھ نقد لے کر اپنی زمین دے دے اس صورت میں مالک لگان پائے گا اور مُزارع یعنی کاشتکار پوری پیداوار کا مالک ہوگا، یا اگر وہ لگان پر نہیں دیتا یا کوئی لگان پر نہیں لیتا، تو دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بٹائی پر دیدے، یعنی غلہ میں آدھا مالک کا اور آدھا کاشتکار کا یا کم و بیش، پہلی صورت یعنی لگان پر دینے کو شریعت میں اجارۂ ارض اور دوسری صورت یعنی بٹائی پر دینے کو مُزارَعت کہتے ہیں، مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینے کو بعض صحابہؓ اور ائمہ اربعہؒ بیشتر حضرات نے ناپسند کیا ہے، لیکن اجارۂ ارض یعنی زمین پر لگان دینے میں سب کا اتفاق ہے۔

مُزارعت کی حیثیت | مزارعت کا معاملہ اپنی ابتدا میں تو اُجرت اور کرایہ کا معاملہ ہوتا ہے مگر نتیجہ کے اعتبار سے یہ شرکت کا معاملہ ہے، جس طرح اُجرت اور کرایہ کے معاملہ میں کسی چیز کا فائدہ آدمی کچھ معاوضہ دے کر حاصل کرتا ہے، اسی طرح مزارعت میں ایک مُزارع یعنی کاشتکار مالکِ زمین سے ایک متوقع فائدے کے پیش نظر اپنی زمین اس کے حوالہ کرتا ہے، لیکن اس معاملہ کے نتیجہ میں جو پیداوار ہوتی ہے، اس کی تقسیم ان ہی اصولوں پر ہوتی ہے، جن اصولوں کی بنا پر کوئی شراکتی کاروبار کے فائدے کی تقسیم ہوتی ہے[1] اس لئے مزارعت کے معاملہ میں اُجرت و شرکت دونوں کے شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے۔

مزارعت کا خاص حکم | چونکہ مزارعت نتیجہ کے اعتبار سے شرکت کا حکم رکھتی ہے اس لئے

---

[1] بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۷۷

اس کا سب سے خاص اور امتیازی حکم یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصّہ کے اعتبار سے ہو، تعداد کے تعین کے اعتبار سے نہ ہو، یعنی دونوں میں سے کوئی یہ تعیین نہ کرے کہ فلاں حصّہ کی پیداوار یا اتنے بورے یا اتنے من پیداوار تو میری ہوگی، اور باقی جو کچھ بچے گا وہ تمہارا ہوگا بلکہ یوں طے کرنا چاہیئے کہ چوتھائی (¼) یا نصف (½) یا دو تہائی (⅔) فلاں کو ملے گا، اور بقیہ فلاں کو ملے گا، دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے، پہلی صورت یعنی کوئی مقدار مقرر کرنے کی صورت میں اگر بفرض محال اتنا ہی غلّہ پیدا ہو، جتنا کہ مالک زمین کا حصّہ ہے، تو وہ سراسر فائدہ میں رہے گا، اور کاشتکار بالکل گھاٹے میں رہے گا، لیکن اگر حصّہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا تو کم وبیش جتنا پیدا ہوگا، دونوں کو اپنے حصّے کے مطابق ملے گا، اگر فائدہ ہوگا تو دونوں کو اور نقصان ہوگا تو دونوں کو ہوگا۔

مزارعت کے ارکان وشرائط

(۱) مزارعت اور اجارۂ ارض کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے دونوں عاقل ہوں، اپنی مرضی سے معاملہ کریں، دونوں کا بالغ ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ جو زمین مزارعت کے لئے دی جائے وہ قابل کاشت ہو اگر کوئی اپنی اوسر یا بنجر زمین دے کر یہ کہے کہ تم اس کو قابل کاشت بناؤ اور بنا کر اس میں کھیتی کرو جو پیداوار ہوگی دونوں بانٹ لیں گے تو یہ صحیح نہیں ہے اوسر اور بنجر زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اس کا ذکر آگے آئے گا۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے، جس کا ذکر اوپر تفصیل سے آچکا ہے کہ مالک اور مزارع دونوں اپنا حصّہ طے کرلیں، کہ کس کو کتنا حصّہ ملے گا، دونوں میں سے کوئی بھی نہ تو اپنے لئے کوئی کھیت مخصوص کرکے معاملہ طے کرے اور نہ وزن اور پیمانہ کی مقدار مقرر کرکے یہ کہے کہ زیادہ پیدا ہو یا کم ہو، اتنے من یا اتنے بوجھ لے لیں گے اور جو بچے گا وہ تمہارا ہوگا، ورنہ مزارعت صحیح نہ ہوگی، اگر دونوں کے حصّہ کا تذکرہ نہ ہو تو کاشتکار کے حصّہ کا ذکر ضرور ہو جانا چاہیئے، کہ اتنا کاشتکار کا ہوگا، بقیہ مالک کا۔

اگر زمین لگان پر دینی ہے تو لگان طے ہو جانی چاہیئے کہ کتنی ہو گی، اس صورت میں کاشتکار کو غلّہ اور مالک کو نقد لگان ملے گی۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ زمین ہل بیل، بیج کے بارے میں یہ طے ہو جانا چاہیئے کہ کس کی کون سی چیز ہو گی یعنی یہ کہ مالک صرف زمین دے کر علیحدہ ہو جائے گا، اور ہل بیل، محنت اور بیج وغیرہ سب کاشتکار کے ہوں گے، یا کوئی اور صورت ہو گی، اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں بعض جائز اور بعض ناجائز ہیں، مثلاً:۔

۱۔ زمین ایک شخص کی ہو اور تمام چیزیں یعنی ہل بیل، بیج اور کام وغیرہ کاشتکار کے ہوں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ہل بیل اور بیج سب چیزیں ایک کی ہوں، اور صرف محنت کاشتکار کی ہو۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو، اور ہل بیل اور محنت دوسرے آدمی کی ہو، یہ تینوں صورتیں متفقہ طور پر جائز ہیں۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ زمین اور ہل بیل تو ایک کا ہو، اور بیج اور محنت دوسرے کی ہو، عام طور پر فقہائے احناف اس کو جائز نہیں سمجھتے مگر امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اس کو بھی جائز کہتے ہیں، امام ابو یوسف چونکہ قاضی رہ چکے تھے اور ان کے سامنے اس طرح کے معاملات آتے رہتے تھے، اس لئے ان کی رائے اس سلسلہ میں زیادہ وزنی ہے۔

۵۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ بیج اور ہل بیل ایک کا ہو، اور محنت اور زمین دوسرے کی ہو، تو یہ متفقہ طور پر ناجائز ہیں۔

۶۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ بیج ایک آدمی کا ہو اور تمام چیزیں دوسرے کی ہوں یہ بھی ناجائز ہے۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ زمین دیئے جانے کی مدت معین کر دی جائے کہ اتنے مہینے یا اتنے سالوں کیلئے دی جائے گی[۱]۔

(۶) چھٹی شرط یہ ہے کہ جو چیز بونی ہو وہ بتا دی جائے، مزارع یہ بتا دے کہ گیہوں بوئے گا، یا ترکاری بوئے گا، یا تمباکو، کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ زمین کا مالک کسی چیز کی کاشت کو اپنی زمین میں بونا پسند نہ کرتا ہو، اور بعد میں اختلاف ہو، اور پھر حصہ کی تعیین میں بھی اس سے مدد ملتی ہے، البتہ اگر مالک زمین یہ اجازت دیدے، کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو، تو پھر اس کو اختیار ہے کہ

[۱] شرح وقایہ جلد ۴ ص ۲۸

جو چیز چاہے بوئے۔

(۷) ساتویں شرط یہ ہے کہ زمین کو خالی کر کے کاشتکار کے حوالہ کر دیا جائے۔

(۸) آٹھویں شرط یہ ہے کہ بٹائی پر دینے کے بعد دونوں کو طے شدہ حصہ کے مطابق پیداوار میں شریک رہنا پڑے گا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ فصل کٹنے کے بعد کوئی فریق یہ کہے کہ ہم غلہ کے بجائے روپیہ لیں گے یا کوئی دوسری جنس لیں گے۔

اجارۂ ارض کے شرائط

۱۔ کرایہ کے بیان میں اجارۂ ارض کا ذکر آچکا ہے، اجارۂ ارض یعنی نقد لگان پر کسی کھیت کے دینے کے لئے وہی تمام شرائط ہیں جو کسی چیز کو کرایہ پر دینے کے ہیں، ان کے علاوہ اس میں مزارعت کی پانچویں اور آٹھویں شرط کے علاوہ تمام شرطیں پائی جانی چاہئیں۔

مزارعت کی تیسری شرط یہ ہے کہ مزارع اور مالک دونوں کو اپنا اپنا حصہ طے کر لینا چاہیے اور کرایۂ ارض میں حصہ کے بجائے لگان طے ہو جانی چاہیے کہ کتنی ہو گی، اور چونکہ لگان کی تعیین کا زیادہ تر دارومدار زمین اور بوئی جانے والی چیز کی نوعیت پر ہے اس لئے دونوں باتوں کو خاص طور پر واضح ہونا چاہیے کہ کون سی زمین کاشتکار کو لگان پر دی جا رہی ہے، اور کیا چیز بوئے جائے گی، ظاہر ہے کہ بھٹے، باجرے اور تمباکو اور آلو کی کاشت میں فائدے کے لحاظ سے کافی فرق ہوتا ہے، اس لئے اگر کاشتکار واضح طور پر نہ بتائے گا تو بعد میں اختلاف ہو سکتا ہے اگر مالک زمین مطلقاً یہ اجازت دیدے کہ جو چاہو بوؤ تو پھر کاشتکار کو اختیار ہے کہ چاہے وہ آلو و تمباکو بوئے یا زعفران، اسی طرح اگر مالک زمین واضح طور پر یہ نہ بتائے کہ فلاں زمین یا فلاں کھیت ہم لگان پر دے رہے ہیں تو کاشتکار لگان کے اندازے میں دھوکا کھا سکتا ہے، اور اس کی وجہ سے بعد میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی شخص لگان پر زمین لے لے تو اس کو اختیار ہے کہ سال میں جتنی فصل چاہے بوئے اور کاٹے، مالک کو روکنے کا حق نہیں، البتہ اگر اس نے یہ قید لگا دی ہے کہ بس ایک فصل بونے کے لئے ہم دے رہے ہیں، تو اس صورت میں اس کو قانونی طور پر روکنے کا حق حاصل ہو گا،

مگر اخلاقاً ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔

مُساقات

زمین کو بٹائی پر دینے کا نام مزارعت اور پھلدار درختوں کو بٹائی پر دینے کو مساقات کہتے ہیں۔

مساقات کے معنی اور تعریف

اگر کوئی شخص اپنا تیار شدہ درخت یا باغ کسی شخص کو اس شرط پر دے کہ تم اس کی گڑائی ہینچائی، اور نگرانی کرو جو پھل ہوگا دونوں بانٹ لیں گے تو اس کو شریعت میں مساقات کہتے ہیں، "سقی" کے معنی پانی دینے کے ہیں، اسی سے مساقات بنا ہے گویا اصل کام اس میں پانی دینا اور پانی دے کر گوڑنا ہے، مزارعت کی طرح مساقات میں بھی کم سے کم دو آدمیوں کا پایا جانا ضروری ہے، چنانچہ مساقات میں بھی دو آدمی ہوتے ہیں۔

مساقات کے شرائط

مساقات کے شرائط بھی وہی ہیں، جو مزارعت کے ہیں، البتہ دو تین باتوں کی وجہ سے مزارعت اور اس میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مساقات کا معاملہ لگے لگائے باغ یا درخت میں جائز ہے، اس شرط پر یہ معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا کہ درخت یا باغ لگاؤ، تیار ہونے کے بعد دونوں پھل میں شریک رہیں گے، مزارعت میں بونے اور غلہ پیدا ہونے کی شرط پر زمین دینا اس لئے جائز ہے کہ اس کی منفعت جلد سامنے آجاتی ہے، اس لئے کاشتکار کا اس میں فائدہ بھی ہے اور مدت کم ہونے کی وجہ سے اختلاف کی گنجائش بھی کم ہے اور یہ بات بھی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو اپنے فیصلہ کے بدلنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ دو چار ماہ میں اپنا فیصلہ بدل دے، لیکن درخت اور باغ کے معاملہ میں ان میں سے کوئی بات حاصل نہیں ہے۔

۲۔ مُزارعت اور مساقات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مساقات کا معاملہ ہو جانے کے بعد بغیر کسی عذرِ شدید کے دونوں میں سے کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ علیحدہ ہو جائے، اگر کوئی فریق علیحدہ ہوگا، تو قانوناً اس معاہدہ کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا، لیکن مزارعت میں جس فریق نے بیج دیا ہے اگر وہ معاہدہ بغیر عذر کے بھی توڑنا چاہے تو توڑ سکتا ہے، لیکن جس نے بیج دیا ہے وہ تو معاملہ

باقی رکھنا چاہتا ہے مگر دوسرا فریق بھاگ رہا ہے تو اس کو قانوناً مجبور کیا جائے گا، پہلی صورت میں اس کو علیحدہ ہونے کی اس لئے اجازت ہے کہ اگر وہ علیحدہ ہوگا تو اس کے بیج کا نقصان ہوگا، اس لئے بیج دینے کے بعد خود بیج کی لالچ اس کو کاشت کرنے یا کرانے پر مجبور کرے گی، اس وجہ سے قانون کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن دوسری صورت میں چونکہ بیج والے کا نقصان ہے اس لئے اس کے نقصان کی تلافی کے لئے قانون کا سہارا لینا پڑے گا، یہی صورت مساقات میں ہے کہ اگر باغ والا باغ دینے کے بعد بغیر عذر باغ لینے والے کو علیحدہ کرتا ہے تو اس بیچارے کا وقت اور محنت برباد ہوئی اور مالک باغ کا کوئی نقصان نہیں ہوا تو ایک فریق کو بغیر کسی وجہ کے نقصان پہنچانا صحیح نہیں ہے، اسی طرح اگر باغ لینے والا علیحدہ ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے، اگر دوسرا آدمی مالک باغ کو بروقت نہ ملے، اور اس کا شدید مالی نقصان ہو جائے گویا اس کی علیحدگی سے ایک طرف اس کی محنت ضائع ہوگئی اور دوسری طرف باغ کے مالک کو بلا وجہ مالی نقصان اٹھانا پڑا، اسی لئے دونوں میں سے کسی کو اجازت اس بات کی نہیں ہے کہ وہ بلا وجہ کسی کو نقصان پہنچائے۔

مزارعت، مساقات اور اجارۂ ارض کے بعض اور ضروری مسائل

۱۔ اگر یہ بیان نہ کیا گیا کہ زمین میں کس چیز کی کاشت ہوگی اور نہ مالک زمین نے کسان کو یہ اجازت دی کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو، تو یہ مزارعت یا اجارۂ ارض کا معاملہ کالعدم سمجھا جائے گا، البتہ اگر معاملہ فسخ کرنے سے پہلے پہلے اس کی وضاحت ہوئی۔ تو معاملہ صحیح ہو جائے گا۔

۲۔ اگر لگان پر زمین دیدی، تو جتنی مدت کے لئے دی ہے اتنی مدت میں کسان جتنی فصل چاہے۔ بوئے اور کاٹے۔ لگان بڑھانے کا اختیار نہ ہوگا، البتہ مدت ختم ہونے کے بعد پھر وہ لگان بڑھا سکتا ہے۔

۳۔ لگان پر کوئی زمین چار مہینے کے لئے دی۔ مگر چار ماہ میں فصل تیار نہ ہو۔ تو فصل کٹنے تک مالک کو زمین خالی کرانے کا حق نہ ہوگا۔ مگر جتنی مدت زیادہ کسان نے زمین کو پھنسا رکھا ہے، اتنی مدت کی مزید لگان دینی پڑے گی۔ اس مدت کی لگان کا اندازہ طے شدہ لگان کے مطابق کیا جائے گا۔

۴۔ مزارعت، مساقات، یا اجارۂ ارض میں اگر کاشتکار نے مالک زمین سے بھی کام کرنے کی شرط لگادی، تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا، فصل کی تیاری میں جتنی محنت صرف ہوگی۔ وہ سب کاشتکار کے ذمّہ ہوگی، مالک سے وہ محنت نہیں لے سکتا، یوں وہ خود کرلے تو اس کو اختیار ہے۔

۵۔ فصل کے کاٹنے ڈھونے، مالش کرنے یا دانہ نکالنے کی ذمہ داری اگر کاشتکار پر ڈالی جائے، تو کوئی حرج نہیں مگر مالکِ زمین پر یہ ذمہ داری ڈالنا صحیح نہ ہوگا۔

۶۔ غلّہ تقسیم ہو جانے کے بعد ہر شخص اپنا غلّہ اُٹھا کر لے جائے، کاشتکار پر مالکِ زمین کا غلّہ پہنچانے کی ذمہ داری نہیں ہے، اگر اس سے یہ کام لیا جائے گا تو مزدوری دینی پڑے گی۔

۷۔ جس کا بیج ہو وہ یہ شرط نہیں لگا سکتا کہ بیج کے بقدر غلّہ لے لینے کے بعد پھر دونوں تقسیم کریں گے، اگر یہ شرط لگائی گئی تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اتنا ہی غلّہ پیدا ہو جتنا بیج ڈالا گیا ہے، اس لئے دوسرا بالکل محروم رہ جائے گا اور یہ شراکت کے اصول کے خلاف ہے کہ کوئی فریق بالکل محروم رہ جائے۔

۸۔ اسی طرح جتنی زمین بطور مزارعت کسی کو دی گئی ہے اس زمین کا یا کھیت کا یا فصل کا کوئی حصّہ کوئی فریق مخصوص نہیں کر سکتا، ورنہ یہ معاملہ باطل ہو جائے گا، مثلاً یہ کہ کھیت کا مالک کھیت کے دو ٹکڑے کردے اور یہ کہے کہ فلاں ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا، وہ میرا اور دوسرے ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا وہ تمہارا یا گیہوں اور جو بونے کے لئے معاملہ ہوا اور ایک نے یہ شرط لگادی کہ گیہوں ہمارا ہوگا، اور جو تمہارا تو یہ بھی ناجائز ہے، اسی طرح کسی کھیت میں لوکی اور آلو بویا گیا اور یہ شرط کسی فریق نے لگائی کہ آلو ہمارا اور لوکی تمہاری، یا لوکی ہماری اور آلو تمہارا تو یہ سب صورتیں ناجائز ہوں گی۔

اسی طرح بطور مساقات باغ یا کوئی کھیتی دی، اور یہ شرط لگادی، کہ فلاں درخت یا فلاں پھل مثلاً لنگڑا، ثمر بہشت یا دسہری یا خاص الخاص یا فلاں بیجو کے درخت کا پھل ہمارا ہوگا یا فلاں چیز کی فصل ہماری ہوگی، بقیہ تمہاری تو یہ شرط لگا دینے سے بھی یہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔

۹۔ غلہ کی طرح بھوسہ بھی دونوں میں تقسیم ہوگا، اگر یہ شرط لگادی کہ غلّہ[۱] ایک کا اور بھوسہ دوسرے کا

---

[۱] یوپی کے مشرقی اضلاع میں اسے بینگ یا بانگا کہتے ہیں

تو یہ صحیح نہیں ہے لیکن جس نے بنیگا، یعنی بیج دیا ہے اس نے اگر یہ شرط لگادی کہ کل بھوسہ ہم لیں گے تو یہ شرط صحیح ہے، لیکن اگر یہ شرط وہ فریق لگا دے جس نے بیج نہیں دیا ہے، تو یہ معاملہ باطل ہو جائے گا، فقہا نے بیج کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بھوسہ ایک ضمنی نتیجہ ہے بیج کا اس لئے بیج والے کو اتنی رعایت دی جا سکتی ہے، کہ وہ یہ شرط لگا سکے۔

مزارعت کا معاملہ طے کرتے وقت اگر بھوسہ کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا تھا تو پھر غلہ کی تقسیم کے مطابق بھوسہ کی تقسیم بھی ہو گی۔

۱۰۔ مزارعت میں بفرض محال کچھ نہ پیدا نہ ہو تو پھر عامل یعنی کاشتکار کو کچھ نہ ملے گا، لیکن اگر مالک نے سب کچھ دے کر کسی کاشتکار سے بطور اجیر کھیتی کرائی تھی اور یہ شرط لگائی تھی کہ جو پیداوار ہو گی، اس میں اتنا حصہ تم کو دیں گے، تو کچھ پیدا نہ ہونے کی صورت میں اتنے دن کی مزدوری مالک کو دینی پڑے گی۔

۱۱۔ کاشتکار مزارعت کی زمین میں کچھ محنت کر چکا ہے، مثلاً دو ایک بار ہل چلا چکا ہے یا کیاریاں بنا رہا ہے یا گھاس وغیرہ صاف کر کے اس میں کھاد وغیرہ ڈال چکا ہے، مگر ابھی تک اس نے کھیت میں بویا نہیں ہے، تو مالک زمین کو اس وقت تک معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے مگر اتنے دن کی محنت کی مزدوری اس کو دینی پڑے گی اور جو خرچ اس نے کیا ہے، وہ واپس کرنا پڑے گا۔[1]

۱۲۔ اگر مالک اپنی زمین بو جوت کر کسی کے سپرد کر دے کہ اس کی نگرانی کر دیا اس میں پانی چلاؤ، جو کچھ پیدا ہو گا، اس کا ½ یا ⅓ تمہیں ملے گا تو یہ صحیح ہے، اسی طرح اگر مزارع کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا چاہتا ہے، تو اس کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بیج مالک زمین ہی کا ہے تو پھر اس کو اس سے اجازت لینی ضروری ہے لیکن اگر بیج مزارع کا ہے یا وہ اس شرط پر شریک کر رہا ہے کہ میں اپنے حصہ سے اتنا غلہ دوں گا تو ان دونوں صورتوں میں اسے دوسرے کو

[1] کیونکہ اس نے کاشتکار کو ایک طرح کا دھوکا دیا اور وعدہ خلافی کی ہے اس لئے اس کی تلافی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اس کو اخلاقاً دو دیا تنہ ایسا کرنا چاہیئے مگر موجودہ حالات میں قانوناً بھی اس کی پابندی ضروری ہے۔

شریک کر لینے کا حق ہے۔

۱۳۔ غیر اسلامی قوانین میں جو کاشت لگ جانے کا قانون ہے، وہ صحیح نہیں ہے، کسی کا کھیت، باغ یا کوئی اور چیز کتنے دن بھی کرایہ لگان یا بٹائی پر کاشتکار کے پاس رہے، اسلامی شریعت کی رو سے اس پر اس کا حق ملکیت تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی حق ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ حرام، ظلم اور غصب قرار دیا جائے گا۔

۱۴۔ جب کھیتی پک کر بالکل تیار ہو جائے، یا باغ کے پھل کا بڑھنا رک گیا ہو وہ پکنے لگے ہوں، اس وقت مزارعت یا مساقات پر کھیتی یا باغ کو دوسرے کو دینا مناسب نہیں ہے، لیکن اگر نگرانی کی شدید ضرورت ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے، مثلاً اگر گیہوں کی بالیاں زرد پڑ گئی ہوں، یا آم کے پھل میں پورے طور پر گھٹلی پڑ کر سخت ہو گئی ہو، تو اس وقت شدید ضرورت کے بغیر بٹائی پر دینا نہ چاہیئے لیکن جب تک بالیاں ہری ہوں، اور پھل کی گٹھلیاں سخت نہ ہوئی ہوں، بلکہ نرم ہوں، اس وقت تک ان کو مزارعت و مساقات پر دینا صحیح ہے۔

فسخ ہونے کی صورتیں

حسب ذیل صورتوں میں یہ معاملات فاسد یا فسخ ہو جائیں گے۔

۱۔ اوپر اجارۂ ارض، مزارعت اور مساقات کے صحیح ہونے کی جو شرطیں بیان کی گئی ہیں، اگر ان میں سے کوئی نہ پائی جائے گی تو یہ معاملہ فاسد ہو کر فسخ سمجھا جائے گا۔

۲۔ اگر مالک زمین یا مزارع میں سے کوئی مر جائے تو مزارعت اور مساقات وغیرہ کا معاملہ خود بخود فسخ ہو جائے گا، البتہ اگر ابھی کھیتی تیار نہ ہو، یا باغ کے پھل پکے نہ ہوں، اور مالک زمین مر جائے، تو مزارع کو یہ حق ہو گا، کہ تیار ہونے تک وہ اس کی دیکھ بھال کرے اور کٹنے کے بعد اپنا حصہ اس سے لے لے، مالک زمین کے ورثہ کو روکنے کا حق نہ ہو گا، اسی طرح اگر مزارع یعنی کاشتکار مر جائے تو اس کے ورثہ کو یہ حق ہو گا کہ وہ کھیتی یا پھل تیار ہونے تک اس میں محنت کریں، اور جو حصہ مزارع کے لئے مقرر تھا، وہ لے لیں، مالک زمین کو مزارع کے ورثہ کو اس حق سے روکنے یا محروم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ اگر کسان یا اس کے ورثہ کام کرنا چھوڑ دیں تو پھر چیز کے مستحق نہ ہوں گے۔

کن صورتوں میں مالک یا مزارع خود معاملہ فسخ کر سکتے ہیں

مزارع یا مالک کو جب

تک کوئی شدید عذر پیش نہ آجائے، مزارعت، مساقات یا اجارہ ارض کے معاملہ کو فسخ نہ کرنا چاہئے، عذر شدید کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ مثلاً ایک شخص نے اپنی زمین بٹائی پر دی، یا باغ کو نگرانی کے لئے دیا لیکن ابھی اس نے کھیت میں بیج نہیں ڈالا تھا یا باغ میں پھل نہیں آیا تھا کہ مالک زمین یا باغ کو کسی شدید ضرورت کی بنا پر بیچنے کی ضرورت پیش آگئی، مثلاً وہ مقروض تھا اور اس کو بیچ کر قرض ادا کرنے کی ضرورت پیش آگئی، تو وہ معاملہ کو فسخ کر کے اپنی زمین بیچ سکتا ہے، لیکن اگر مزارع نے اس میں بیج ڈال دیا ہے، یا باغ میں پھل وغیرہ آچکے ہیں، تو اس کی دو صورتیں ہیں وہ کھیتی یا پھل بالکل تیار ہو چکے ہیں، یا نہیں؟ اگر تیار ہو چکے ہوں تو پھر اس کو کھیتی کاٹ کر اور پھل توڑ کر زمین بیچ دینے کا حق ہے، لیکن اگر کھیتی ابھی پکی نہیں ہے، یا پھل بہت زیادہ کچے ہیں تو پھر اس صورت میں جب تک کہ کھیتی اور پھل پک نہ جائیں معاملہ فسخ کرنے اور بیچنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مزارع کا سراسر نقصان ہے، اگر وہ مقروض ہے اور اس کے پاس زمین کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جسے بیچ کر وہ قرض ادا کرے تو پھر قرض خواہوں کو کھیتی کٹنے یا پھل کے پک جانے کا انتظار کرنا پڑے گا، اگر وہ نہ کریں گے، تو قانوناً ان کو اس پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اگر مزارع اتنا شدید بیمار پڑ جائے کہ وہ کھیتی کا کام یا باغ کی نگرانی نہ کر سکے، تو اس کو حق ہوگا، کہ وہ معاملہ فسخ کر دے، لیکن اگر وہ دوسرے کے ذریعہ کام لے کر معاملہ کو فسخ نہ کرنے تو اس کا بھی اس کو حق ہے۔

۳۔ اسی طرح اگر مزارع کھیتی باڑی چھوڑ کر کسی کارخانہ میں ملازمت کرنے کے لئے یا کوئی اور کام کرنے کے لئے دوسری جگہ جانا چاہتا ہے تو اس صورت میں بھی اس کو معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے، بشرطیکہ یہ صورت اختیار کرنے پر وہ معاشی حیثیت سے مجبور ہو، یعنی اس کی گذر اوقات اس کھیتی باڑی کے ذریعہ نہ ہوتی ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع)

فسخ ہو جانے کی صورت میں کس کو کیا ملے گا | اوپر مزارعت اور مساقات کے صحیح نہ ہونے کی جو صورتیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے اگر

کوئی بھی نہ پائی جائے گی، تو وہ معاملہ فسخ سمجھا جائے گا یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ گویا ہوا ہی نہیں۔

اب اگر معاملہ فسخ اس وقت ہوا جب مزارعت کا کام شروع ہو چکا تھا یعنی ہل چلا کر غلہ بو دیا گیا تھا، یا باغ لینے والے نے اس میں پانی دے دیا تھا اور درخت میں پھول یا بور آنا شروع ہو گئے تھے، تو ان تمام صورتوں میں غلہ بیج والے کا اور پھل باغ والے کا ہو گا۔ اور محنت کرنے والے کو دستور کے مطابق اتنے دن کی مزدوری ملے گی، لیکن اگر بیج کاشتکار نے دیا ہے، تو مالک زمین کو وہاں کے دستور کے مطابق زمین کی لگان ملے گی، دستور کے مطابق اُجرت یا کرایہ ملنے کی تشریح اوپر آچکی ہے

اگر ابھی کوئی کام شروع ہی نہیں ہوا تھا، تو پھر کسی کو کچھ نہ ملے گا۔

ملکیت

ملکیت کی حیثیت اسلامی شریعت میں کسی زمین، جائداد، یا مال پر آدمی کی ملکیت تین طریقہ سے ثابت ہوتی ہے جب ان میں سے کسی ذریعہ سے بھی آدمی کسی چیز کا مالک ہو جائے، تو پھر اس کی ملکیت کو نہ تو اس کی مرضی کے بغیر کوئی شخص یا حکومت لے سکتی ہے اور نہ اس کی مرضی کے خلاف تصرف کر سکتی ہے البتہ ایسی ملکیت کے تصرف کرنے میں کچھ پابندیاں حکومت اس وقت لگا سکتی ہے، جب وہ فضول خرچی میں ضائع کر رہا ہو، یا اس میں سلیقہ سے خرچ کرنے کی صلاحیت نہ ہو، یا اس سے کسی دوسرے شخص یا معاشرہ کا کوئی نقصان ہو رہا ہو، بغیر ان وجوہ کے تصرف میں کوئی مداخلت کا حق نہ تو کسی شخص کو ہے اور نہ حکومت کو۔

کن صورتوں سے کوئی چیز ملکیت میں آجاتی ہے عام طور پر تین صورتوں سے کوئی چیز کسی کی ملکیت میں آتی ہے، وہ یہ ہیں

۱۔ اپنی ملکیت کو خوشی سے کوئی دوسرے کی طرف منتقل کر دے خواہ معاوضہ لے کر منتقل کرے، مثلاً کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے ہاتھ قیمت لے کر فروخت کر دے یا بغیر کسی معاوضہ

کے دوسرے کو دیدے، مثلاً ہبہ کردے یا بطور انعام دیدے، تو اس ملکیت سے دوسرا شخص اس کا مالک ہو جائے گا، اب پہلا شخص اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز وراثت میں پائے اس سے بھی وراثت کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔

۳۔ تیسری یہ کہ اپنی محنت مزدوری سے کسی مباح چیز یا جس کا کوئی مالک نہ ہو اسے کوئی حاصل کرلے ملکیت کی پہلی صورت کا بیان اوپر ہو چکا ہے اور دوسری صورت کا بیان کتاب کے آخر میں ہوگا، البتہ تیسری صورت کی کچھ تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔

مباح چیزیں

خدا نے اس کائنات میں جو چیزیں پیدا کی ہیں، ان میں سے بہت سی چیزوں پر انسان نے محنت مشقت کر کے اپنی ملکیت قائم کرلی ہے، مگر اب بھی خدا کی بنائی ہوئی اس کائنات میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں، جو پوری انسانی آبادی کا مشترک سرمایہ ہیں اور ان کا استعمال ہر فرد کے لئے اس وقت تک مباح ہے، جب تک ان میں سے کوئی ان پر محنت یا سرمایہ صرف کر کے ان کو اپنے قبضہ میں نہ لے مثلاً پانی اور ہوا آگ اور روشنی خودرو گھاس، جنگلات، زمین کے پوشیدہ خزانے یعنی رکاز، آبادی سے دور بیکار، بنجر اور پرتی زمینیں (مُوات) وغیرہ۔

ان چیزوں پر کیسے اور کب ملکیت قائم ہو سکتی ہے

ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر کسی کی ملکیت اسلام تسلیم نہیں کرتا، مثلاً سمندر دریا، ہوا، فضا اور روشنی کو دنیا کا ہر انسان اس وقت تک استعمال کر سکتا ہے جب تک اس کا استعمال دوسروں کے لئے نقصان دہ نہ ہو البتہ اگر اس کا استعمال دوسروں کے لئے نقصان دہ ہوگا، تو پھر اس سے روکا جائے گا، مثلاً سمندر میں ہر ایک حکومت اپنا تجارتی جہاز بھیج سکتی ہے۔ بحری بیڑا رکھ سکتی ہے، فضا میں ہر حکومت کا جہاز اڑ سکتا ہے، سورج اور چاند کی روشنی سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے، خواہ وہ فائدہ دھوپ چولہا بنا کر اٹھائے یا کسی اور طرح سے، لیکن سمندر میں جہاز رکھنے کا مقصد یا فضا میں ہوائی جہاز اڑانے کا مقصد کسی ملک پر حملہ

کرنا ہو، تو اسلامی شریعت کی رو سے ایسی حکومت کو ظالم، غاصب قرار دیا جائے گا، اور اس کو ضرور اس سے روکا جائے گا، تاکہ خدا کی اس نعمت اور رحمتِ عام کو وہ دوسرے انسانوں کے لئے مصیبت نہ بنا سکے، اسی طرح اگر کوئی شخص سورج سے دھوپ چولہا تیار کرتا ہے، یا کوئی اور آلہ بناتا ہے، تو اس کو اس کا حق ہے، لیکن اگر وہ کوئی ایسا آلہ تیار کرتا ہے، جو انسانی زندگی کے لئے مہلک ثابت ہو تو پھر اس سے اس کو ضرور روکا جا سکتا ہے، موجودہ دور میں اگر اسلام برسرِ قوت ہوتا تو کم از کم ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے تجربہ پر تو ضرور پابندی عائد کرتا۔

لیکن اگر اپنی محنت سے یا سرمایہ لگا کر کوئی شخص دریا کے پانی یا سورج کی روشنی کو اپنے قبضہ میں لے آتا ہے تو وہ اتنی چیز کا مالک سمجھا جائے گا، مثلاً اگر کسی نے دریا سے کوئی نہر نکالی، یا سورج کی روشنی سے کوئی آلہ تیار کیا تو اس آلے اور اس نہر کے پانی پر اس شخص یا اس حکومت کی ملکیت قائم ہو جائے گی، جس نے محنت کر کے یا سرمایہ لگا کر اس کو بنایا ہے، اب وہ جسے چاہے اس نہر سے گذرنے دے اور جسے چاہے نہ گزرنے دے، لیکن وہ کسی کو پانی لینے اور آب پاشی کرنے سے نہیں روک سکتا، کرایہ لے سکتا ہے۔

اسی طرح دوسری مباح چیزیں بھی محنت و سرمایہ لگانے کے بعد ملکیت میں آجاتی ہیں، اب ان میں سے ہر ایک کا بیان ہم الگ الگ کر رہے ہیں۔

۱۔ پانی

پانی کی حیثیت چار طرح کی ہوتی ہے، ایک تو سمندر اور بڑے بڑے دریاؤں کا پانی جس کا بیان اوپر ہوا۔

۲۔ دوسرے، بڑے بڑے تالاب، ندی، نالے کا پانی ان کا حکم بھی قریب وہی ہے جو بڑے دریاؤں کا ہے یعنی کسی کی ملکیت نہیں ہیں۔

۳۔ تیسرے وہ تالاب، حوض، پوکھرے، نہریں، اور کنویں، جن کو کسی شخص نے یا حکومت نے اپنی محنت سے بنایا، یا سرمایہ لگا کر بنوایا ہے، ان کے پانی کا حکم یہ ہے کہ اس پر محنت یا سرمایہ لگانے والے کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، لیکن اس کو یہ حق نہیں ہوگا، کہ لوگوں کو پانی پینے یا جانوروں کو پانی پلانے سے روک دے، یا پانی پینے یا پلانے کا کوئی کرایہ وصول کرے، نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور حضرت عمرؓ نے تو ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے۔ (بدائع ج ۶ ص ۱۸۹)

اگر جانوروں کے کثرت سے آنے کی وجہ سے حوض یا تالاب کے کناروں کے ٹوٹ جانے یا خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ان پر پابندی عائد کر سکتا ہے کہ وہ احتیاط سے باری باری پلائیں اور خلاف ورزی کی صورت میں اس کو بالکل روک دینے کا بھی حق ہے۔

البتہ اگر وہ اس سے آب پاشی کرنا چاہیں تو اس کو حق ہے کہ وہ اس سے منع کرے، یا اس کا کرایہ لے کر ان کو پانی دے، اسی طرح جو ٹیوب ویل یا کنوئیں یا نہر سے آب پاشی کے لئے چھوٹی چھوٹی نالیاں بنائی جاتی ہیں، ان کا پانی بھی آدمی کے پینے اور جانوروں کے پلانے کے لئے مباح ہے، کوئی روک نہیں سکتا مگر کسی حکومت کے لئے یہ بھی زیادہ مناسب نہیں ہے کہ وہ عوام کے پیسے سے بنائی ہوئی نہروں یا ٹیوب ویلوں کے پانی کا کرایہ لے، اسلامی حکومت میں لوگوں سے زراعتی ٹیکس تو لیا جاتا تھا، مگر اس کی مثال نہیں ملتی کہ آب پاشی کا کوئی کرایہ لیا جاتا ہو۔

۴۔ چوتھے وہ پانی جو آدمی اپنے برتن میں یا بہشتی مشک میں بھر لیتا ہے، وہ اس کا مالک ہے اس کو وہ فروخت بھی کر سکتا ہے اور دوسروں کو پینے سے منع بھی کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص پیاس سے تڑپ رہا ہے اور وہ پانی نہیں دے رہا ہے، تو پھر اس سے زبردستی پانی لیا جا سکتا ہے۔

پانی کا شکار

دریا، تالاب وغیرہ کی مچھلیاں کسی کی ملکیت نہیں ہیں، جس کا جی چاہے، ان کو پکڑ سکتا ہے، اور ان کا شکار کر سکتا ہے، اگر کسی نے دریا کی مچھلی پکڑنے پر کسی کو مزدور رکھا تو یہ صحیح نہیں جو مچھلیاں وہ مزدور شکار کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہوں گی، مستاجر کو اس میں کوئی حق نہ ہوگا البتہ اگر اس نے جال وغیرہ اپنے پاس سے دیا ہے تو اس کا کرایہ لے سکتا ہے مگر خدا کی اس نعمت پر بغیر پکڑے ہوئے وہ اپنی ملکیت قائم نہیں کر سکتا، البتہ اگر کسی نے مچھلیاں اپنے ذاتی تالاب یا حوض میں پالی ہوں یا تالاب اس کا ذاتی نہ ہو مگر اس نے اس میں مچھلیاں لا کر ڈالی ہوں اور ان کے پالنے پر کوئی خرچ کیا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ حوض اتنا چھوٹا ہے یا تالاب بڑا ہے، مگر مچھلیاں اتنی زیادہ ہیں کہ بغیر کسی محنت کے آدمی ان کو پکڑ سکتا ہے

ایسی مچھلیاں اس کی ملکیت ہیں اور ان کو وہ حوض و تالاب میں رہتے ہوئے بھی بیچ سکتا ہے، دوسرے یہ کہ مچھلیوں کے پکڑنے میں کچھ تدبیر اور محنت کرنی پڑتی ہے، مثلاً جال ڈالنا پڑتا ہے یا شست لگانی پڑتی ہے تو مچھلیاں اس کی ملکیت ہیں دوسروں کو شکار کرنے اور پکڑنے سے وہ منع کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ ان کو پانی ہی میں بیچنا چاہے جیسا کہ عام طور پر دستور ہے تو اس کو اس کا حق نہیں ہے اگر وہ بیچنا چاہتا ہے تو پہلے ان کا شکار کرے پھر بیچے۔

۲۔ **گھاس** خودرو گھاس خواہ کسی کی ذاتی زمین ہی میں کیوں نہ ہو، جب تک اس پر اس نے کوئی محنت نہ کی ہو، یا کچھ خرچ نہ کیا ہو اس وقت تک وہ کسی کو اس کے کاٹنے یا جانوروں کو چرنے یا چرانے سے روک نہیں سکتا، اور نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے، البتہ اس کو یہ حق ہے کہ اپنی زمین کے احاطہ میں وہ کسی کو آنے نہ دے لیکن اگر اس نے اس گھاس اگانے پر خرچ کیا ہے، یا محنت کی ہے، تو پھر اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ دوسروں کو کاٹنے اور چرانے سے روک دے، اور اس کو یہ بھی حق ہے کہ وہ خود کاٹ کر یا مزدوری پر کٹوا کر یا بغیر کاٹے ہوئے اس کو بیچ دے۔

۳۔ **جنگلات** خودرو جنگلات بھی کسی کی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ ان سے ہر انسان کو لکڑی کاٹنے اور کاٹ کر لے جانے کا حق ہے، البتہ اگر وہ جنگلات کسی نے لگائے ہیں، یا کسی کی زمین میں اُگے ہیں، تو وہ اس شخص کی ملکیت ہوں گے۔

اگر کسی نے خودرو جنگل سے لکڑی کاٹی یا مزدوری دے کر کٹوائی تو اس کو اب کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔ (المجلہ ص۲۰۳)

۴۔ **رکاز** زمین کے اندر جو خزانے پوشیدہ ہیں، ان کو شریعت میں رکاز کہا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو خود بخود زمین کے اندر پیدا ہوتے ہیں، مثلاً کوئلہ، پٹرول، ابرق، گندھک، سونا، چاندی، لوہا، تانبا، پیتل اور نمک وغیرہ، دوسرے وہ جس کو کسی نے زمین میں دفن کر دیا ہے، پہلی قسم کو معدن کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو کنز، معدن کی دو صورتیں ہیں ایک تو وہ منجمد چیزیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم ہو جاتی ہیں، مثلاً لوہا، چاندی، سونا، تانبا وغیرہ، دوسرے وہ چیزیں جو فطرتاً سیال ہوں، مثلاً پٹرول، تیل وغیرہ یا وہ سیال تو نہیں ہیں مگر آگ میں ڈالنے کے بعد ویسے ہی

نہ ہی ہیں، مثلاً جواہرات تو پہلی قسم کا معدن اگر کوئی شخص پا جائے۔ اعلوم کرے تو اگر اس نے ایسی زمین میں پایا ہے جو اس کی ملک ہے تو اس معدن کا ⅕ حصہ تو اسلامی حکومت لے لیگی اور بقیہ ⅘ اس کا ہوگا لیکن اگر وہ زمین اس کی ملک نہ ہو، تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی کی ملکیت اس پر ہو ہی نہیں تو اس صورت میں بھی ⅕ بیت المال لے لیگا اور بقیہ ⅘ پانے والے یا دریافت کرنے والے کا ہوگا، لیکن اگر وہ زمین عام لوگوں کی ملکیت ہو، یعنی ان کا مفاد اس سے وابستہ ہو تو پھر وہ پورا معدن اسلامی حکومت کا ہوگا۔

اگر کوئی حکومت کسی ماہر کے ذریعہ کوئی معدن دریافت کرائے تو وہ اسلامی حکومت کی ملکیت ہوگا، کنز کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کسی مسلمان نے دفن کیا تھا تو اس کا حکم لقطے کا ہوگا اور اگر نہ معلوم ہو تو پھر ⅕ حکومت کا اور بقیہ پانے والا کا۔

۵۔ موات موات کے لفظی معنی مری ہوئی یا بیکار چیز کے ہیں، اور شریعت میں اس زمین کو کہتے ہیں جو اب تک مردہ پڑی ہوئی ہے، یعنی آباد نہ کی گئی ہو یا آباد تو کی گئی ہو، مگر اب اس کا کوئی مالک باقی نہ رہا ہو وہ پرتی پڑی ہو، ایسی زمین کو جو آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی، اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَيتَةً فَهِيَ لَهٗ (ترمذی)	یعنی جس نے کسی بیکار اور غیر آباد زمین کو آباد کیا وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

ایک دوسرا ارشاد ہے کہ:۔

مَنْ عَمَّرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (بخاری)	جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو اس کو جس نے آباد کیا ہے وہی اس کا حق دار ہے

موات ہونے کی شرطیں ۱۔ وہ بیکار، بنجر اور ادسر زمین موات قرار دی جائے گی، جو آبادی کے اندر نہ ہو اور نہ آبادی کے آس پاس ہو بلکہ آبادی سے تین چار فرلانگ[۱] دور

---

[۱] فقہا نے اس کا اندازہ یہ بتایا ہے کہ اگر آبادی کے باہر ایک آدمی کھڑا ہو کر بغیر کسی آلے کے آواز دے تو اس کی آواز جہاں تک پہنچے گی وہاں تک کی زمین کو موات نہیں کہا جا سکتا، راقم نے اندازاً تین چار فرلانگ لکھ دیا ہے۔

ہو، آبادی کے اندر کی بیکار زمینیں آدمیوں اور جانوروں کی ضروریات کے لئے مخصوص ہوں گی، مثلاً مکان بنانے کے لئے یا کوئی اور اجتماعی کام کے لئے یا جانوروں کے چراگاہ کے لئے مخصوص ہونگی، ان پر کوئی قبضہ نہیں جما سکتا، البتہ وہ زمین جو آبادی سے قریب تو ہو، مگر زراعت کے علاوہ کسی اور کام نہ آسکتی ہو تو اس پر حکومت سے اجازت لے کر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی مالک یا تو رہا ہی نہ ہو یا اگر رہا ہو تو اب موجود نہ ہو، اگر وہ موجود ہے اور اس میں کھیتی باڑی کر سکتا ہے، لیکن تین برس تک اس نے پرتی چھوڑ دیا ہے تو حکومت اس کو وارڈ (حجر) کر کے دوسرے کو دے دیگی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَیْسَ لِلْمُحْتَجِرِ بَعْدَ ثَلٰثِ سِنِیْنَ حَقٌّ — تین سال تک زمین بے کار چھوڑ دینے والے کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حکومت سے اجازت لے کر کسی بے کار زمین کو آباد کرے، اگر حکومت کی اجازت کے بغیر ایسا کرے گا تو وہ مالک نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا حِمٰی اِلَّا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ — کسی بیکار زمین کو اپنانے کا حق صرف اللہ اور رسول (حکومت) کو ہے۔

جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لوگ جہاں کوئی ایسی بیکار زمین دیکھتے تھے، جس میں زرخیزی کی صلاحیت ہوتی تھی اسے اپنے اور اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیتے تھے، چنانچہ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ ایسی زمین پر کسی کو حکومت کی اجازت کے بغیر قبضہ جمانے کی کوشش نہ کرنا چاہئے

(حاشیہ مشکوٰۃ بحوالہ مرقات)

اس سلسلہ میں دوسرا ارشاد ہے کہ:۔

"کوئی آدمی امام یعنی حکومت کی رضامندی کے بغیر کسی بیکار چیز کا مالک نہیں ہو سکتا"

یہ رائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ جو

زمینیں صحرا اور بیابان میں ہیں، یا آبادی سے بہت دور ہیں، ان کو اگر حکومت کی اجازت کے بغیر بھی قبضہ کرلے تو اس کا قبضہ تسلیم کرلیا جائے گا، کیونکہ اس صورت میں ایک عامی اور دیہاتی آدمی کے لئے حکومت سے اجازت لینے میں بڑی دقتیں ہیں، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے دونوں ممتاز شاگرد امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ (جن کو صاحبین کہا جاتا ہے) فرماتے ہیں کہ غیر آباد زمین کے آباد کرنے میں حکومت کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، خواہ وہ وہاں سے قریب ہو یا دور ہو

عام تمدنی اور انتظامی اعتبار سے تو امام صاحب کی رائے مرجح ہے، لیکن ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں، کہ ملک میں غلہ کی شدید ضرورت ہو اور بہت سی بیکار زمینیں ملک میں ایسی ہوں جن میں غلہ پیدا ہوسکتا ہے تو حکومت یہ کرسکتی ہے کہ ہر ہر ٹکڑے کی اجازت دینے کے بجائے عام اعلان کردے کہ جو جتنی بیکار زمین چاہے آباد کرکے غلہ پیدا کرلے، غرض یہ کہ ائمہ کا اختلاف تمدنی اور انتظامی حالات کے اختلاف کی بنا پر ہے۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ جس زمین کو آباد کرنا چاہتا ہے وہ اس کی جوتائی، گڑائی شروع کردے، یا پانی دینے کے لئے نالیاں وغیرہ بنادے یعنی اسے آباد کرنے کا کام شروع کردے۔

یہ چار شرطیں اگر پائی جائیں گی تو اس غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا، ورنہ نہیں۔

بعض اور ضروری مسائل

۱۔ اگر حکومت کسی بیکار یا پڑی ہوئی زمین کے بارے میں کسی کو یہ اجازت دے کہ اس سے صرف فائدہ اٹھاؤ مگر اس پر تمہارا حق ملکیت نہ ہوگا تو اس کو اس کا حق ہے (مجلہ ص ۲۵) لیکن ملکیت میں دے دینے کے بعد پھر حکومت بغیر کسی وجہ کے واپس نہیں لے سکتی۔

۲۔ اگر کسی نے دس ایکڑ زمین آباد کرنے کے لئے حکومت سے لی، مگر ۵ ایکڑ اس نے آباد کی اور ۵ ایکڑ بیکار چھوڑ دی ہے، تو اگر معذوری سے اس نے ایسا کیا ہے تو خیر ورنہ تین برس کے بعد حکومت دوسرے کو دے سکتی ہے۔ اگر اس نے تمام زمین آباد کردی ہے اور بیچ میں تھوڑی سی

چھوڑ دی ہے، تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے وہ اس کی ملکیت میں رہے گی، حکومت دوسرے کو نہیں دے سکتی۔

۳۔ اگر کسی نے کوئی زمین آباد کی اور پھر دوسرے لوگوں نے آ کر اس کے اردگرد کی زمین آباد کر لی، تو پہلے آدمی کے آنے جانے کے لئے بھی ان کو لامحالہ راستہ چھوڑنا پڑے گا، اور اس کے جانوروں کے آنے جانے کے لئے بھی۔

۴۔ اگر کسی نے زمین کو جوتا بویا تو نہیں مگر اس کے گرد چار دیواری یا کھاوان[1] بنا دیا، یا لوہے کے تار سے گھیر لیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے آباد کر دیا، خواہ کھیتی کرے یا نہ کرے لیکن اگر اس نے اس کے گرد صرف کانٹے دار یا بغیر کانٹے کی جھانگ پات رکھ دی یا چند پتھر اِدھر اُدھر گاڑ دیئے یا اس کی گھاس وغیرہ صاف کر دی، یا اس کے پاس کنواں کھود دیا، اور تین برس تک کھیتی نہیں کی تو اس پر آباد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اب حکومت اگر چاہے تو وہ زمین دوسرے کو دے سکتی ہے یا پھر اگر وہی لینا چاہتا ہے، اور حکومت یہ سمجھتی ہے، کہ یہ کسی معذوری کی وجہ سے آباد نہ کر سکا تھا تو اس کو بھی دے سکتی ہے۔

۵۔ جو کنواں اس نے غیر آباد زمین میں کھودا ہے، وہ اسی کی ملکیت ہو گا، خواہ زمین اس کی ملکیت میں رہے یا نہ رہے۔

غیر مسلم کا حکم

جس طرح مسلمان کسی زمین کو آباد کرے گا، تو اس کا مالک ہو جائے گا، اسی طرح اگر غیر مسلم بھی کوئی زمین آباد کرے گا تو وہ اسی کی ملکیت ہو گی، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آب پاشی کا انتظام

۱۔ آب پاشی کے لئے ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی زمین پر کنواں کھودے یا کوئی اور کام کرے، اسی طرح ندی، تالاب وغیرہ سے بھی ہر شخص کو آب پاشی کا حق ہے، ندی تالاب میں ایک ہی گھاٹ ہو اور پہلے یا بعد میں آب پاشی کرنے میں اختلاف ہو تو جس کا زیادہ نقصان ہو گا، وہ پہلے آب پاشی کرے گا، ندی تالاب میں مشین فٹ کرکے

[1] یو۔پی کے مشرقی اضلاع میں کھایان یا کھادان اس اونچی منڈیر کو کہتے ہیں جو وہ کھیت کے گرد بنا دیتے ہیں۔

بھی آب پاشی کرنے کا حق ہے، بشرطیکہ اس کی وجہ سے دوسروں کا نقصان نہ ہوتا ہو، مثلاً بالکل پانی ختم ہوجانے کا اندیشہ ہو، اور غریب اور کم آمدنی والے لوگوں کی آب پاشی کا کوئی دوسرا انتظام نہ ہو یا جانوروں کے پانی پینے کا کوئی دوسرا انتظام نہ ہو یا اس سے دوسری اجتماعی ضرورتیں وابستہ ہوں۔ تو مشین فٹ کرکے پانی نکالنے سے روکا جائے گا۔

۲۔ جہاں آب پاشی کا انتظام نہ ہو یا ہو تو مگر ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے البتہ اگر حکومت کے خزانہ میں اس کی گنجائش نہ ہو، تو پھر عام پبلک سے یہ کام رضاکارانہ لیا جاسکتا ہے، لیکن اس صورت میں حکومت ان سے پانی کا کرایہ نہیں لے سکتی۔

۳۔ جن تالابوں، نہروں اور کنوؤں سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر وہ پٹ جائیں، یا خراب ہوجائیں، تو ان کے استعمال کرنے والوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مل کر اس کو درست کریں یا کرائیں اگر وہ نہ کریں گے، تو حکومت ان سے بجبر اس کی مرمت کرا سکتی ہے اور اگر حکومت خود اس کی مرمت کراتی ہے، تو وہ عام ملکیت ہوجائے گی، جو لوگ اس سے پہلے فائدہ اٹھاتے تھے ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ کسی دوسرے کو فائدہ اٹھانے سے منع کردیں۔

کنویں کے گرد کی زمین اگر کوئی کنواں کھودا گیا ہے، تو جس کی زمین میں کھودا گیا ہے، اس نے کھودنے سے پہلے منع نہیں کیا ہے، یا اجازت دیدی ہے تو اس کے گرد اتنی زمین کنویں کی ملکیت سمجھی جائے گی، جتنی کہ اس سے کام لینے والوں کو ضرورت ہوگی، مثلاً اگر صرف آدمیوں یا جانوروں کے پانی پینے کے لئے ہے، تو کنویں کے گرد تقریباً دس گیارہ گز زمین کنویں کی سمجھی جائے گی۔ اور اگر اس سے آب پاشی بھی کی جائے تو پھر ضرورت کے مطابق اس میں کچھ اور اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

حَجر

حجر کے لفظی معنی روک دینے اور بیکار کرنے کے ہیں اور اسلامی شریعت میں کسی شخص

کو عارضی طور پر اس کی ملکیت[1] میں تصرف کرنے سے روک دینے کو حَجر کہتے ہیں، قرآن اور حدیث دونوں سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

چند اصطلاحیں صَبِیّ یعنی نابالغ بچہ (۲) مجنون یعنی جو بالکل پاگل ہو (۳) مُعتُوہ جس میں عقل کی اتنی کمی ہو کہ اپنے نفع نقصان کو نہ سمجھ سکتا ہو (۴) سفیہ یعنی وہ شخص جو اپنی دولت نہایت بے دردی سے صرف کرتا ہو، یا عیاش اور بدچلن سَفیہ میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی غفلت وحماقت کی وجہ سے اپنے معاملات میں ہمیشہ نقصان ہی اُٹھاتے ہوں۔

کن اسباب کی بنا پر تصرف سے روکا جاسکتا ہے دو سبب کی بنا پر حجر کیا جاسکتا ہے، ایک تو کسی کے اندر تصرف کی صلاحیت ہی نہ ہو دوسرے صلاحیت تو ہو، مگر اس کا استعمال غلط کر رہا ہو اور اس سے کوئی تمدنی بگاڑ پیدا ہو رہا ہو، مثلاً کوئی نابالغ بچہ ہو، یا کوئی پاگل ہو گیا ہو، یا اس میں عقل کی اتنی کمی ہو، کہ وہ اپنے معاملات کو سمجھ نہ پاتا ہو، تو ایسے تمام لوگوں کو ان کی جائداد اور مال میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا، اسی طرح کوئی عاقل بالغ بھی ہے اور معاملات کو سمجھتا بھی ہے، لیکن وہ اپنی دولت کو بیجا صرف کرتا ہے، اسراف کرتا ہے، یا اپنی غفلت وحماقت کی وجہ سے ہمیشہ معاملات میں نقصان اٹھاتا ہے ایسے آدمی کو بھی تصرف سے روک دیا جائے گا۔

حَجر کا حق کس کو ہے ۱۔ نابالغ بچہ (صبی) پاگل اور بے عقل کو اس کے مال وجائداد میں تصرف سے روکنے کا حق سب سے پہلے ان کے ولی کو ہے اگر ولی نہ ہوں تو ولی جس کو مربی اور وصی بنادیں وہ ان کے مال وجائداد کی نگرانی کریں، اور ان کی ضرورت پوری کریں، اور جب نابالغ بالغ ہو جائے اور وہ یہ محسوس کریں کہ اس میں ذمہ داری پیدا ہوگئی ہے تو وہ اس کا مال یا جائداد اس کے حوالہ کر دیں، اسی طرح اگر کوئی پاگل اچھا ہو جائے تو اس کے مال وجائداد کو بھی اس کے حوالہ کر دیں، اگر کوئی ولی اور مربّی ووصی نہ ہو تو پھر حکومت اپنی نگرانی

---

[1] ملکیت محروم کرنے اور عارضی طور پر تصرف سے روک دینے میں جو فرق ہے اس کو ذہن میں تازہ رکھنا چاہئے۔

میں ان کی جائداد اور مال و دولت کو لے لیگی، اور جس طرح ولی نگرانی کرتا ہے، اور ان کی ضرورت پوری کرتا ہے وہ پوری کرے گی۔

۲۔ سفیہ یعنی جو اپنی دولت کو بیجا صرف کرتا ہے، اس کو اپنی دولت وجائداد میں تصرف کرنے سے روکنے کا قانونی حق ولی یا وصی کو نہیں ہے، خواہ والدین ہوں یا کوئی اور اس کو تصرف سے روکنے کا حق صرف حکومت کو ہے۔

۳۔ ان دونوں قسموں کے علاوہ حجر کی ایک قسم کا ذکر حدیث نبوی میں آیا ہے، یعنی مقروض کے مال وجائداد کا حجر، اگر کوئی مقروض قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مگر وہ قرض دینے والوں کو پریشان کرتا ہے، تو دائن یعنی قرض دینے والوں کی درخواست پر حکومت اس کی جائداد اس کے ڈاک خانہ یا بینک کے روپے یا اثاث البیت پر قبضہ کر کے اس کو مجبور کرے گی کہ وہ قرض ادا کر دے، اگر وہ قرض ادا نہ کرے گا تو خود حکومت اس کو فروخت کر کے دائن کا قرض ادا کرے گی۔

نابالغ بچے، سفیہ اور مسرف وغیرہ کے بارے میں قرآن میں بڑی تفصیل سے احکام دیئے گئے ہیں، ان کے ولیوں اور نگرانوں کو ہدایت دیتے ہوئے کہا گیا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ
أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ
لَكُمْ قِيَامًا وَّارْزُقُوهُمْ
فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ
قَوْلًا مَّعْرُوفًا (النساء رکوع ۱)

اور وہ مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے، کم عقلوں کو نہ دو (کہ وہ اسے ضائع کر دیں) ان کو کھانا کپڑا دیتے رہو، اور ان کو سمجھاتے بجھاتے رہو۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ
إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ
آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا
فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ

اسی طرح نابالغ یتیموں کو بھی آزماتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہو جائیں اور تم ان میں (سنبھالنے کی) اہلیت اور ذمہ داری محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو اور جب

وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا تک وہ مال تمہارے قبضہ میں رہے تم ان کے مال ضرورت سے
اَنْ يَّكْبَرُوْا (نساء-۱) زیادہ اور جلدی جلدی اس خوف سے نہ کھاڈالو کہ وہ بڑے ہو جائیں (اور تم سے اپنا حق مانگنے لگیں۔

ان آیات میں حسب ذیل باتوں کی ہدایت کی گئی ہے۔

۱۔ پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی ملکیت میں تصرف کا اسی وقت تک حق ہے جب تک وہ اپنی ملکیت کو صحیح طور پر استعمال کر رہا ہے، لیکن جہاں وہ اس حد سے تجاوز کرے گا، اس کے سارے حقوق سلب کر لئے جائیں گے، کیونکہ گو وہ مال ایک آدمی کا ہے، مگر اس کو خدا نے بہت سے لوگوں کے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، وہ فضول خرچی کر کے اپنا ہی مال نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کا مال برباد کر رہا ہے، البتہ اس کی بنیادی ضرورتیں ہر حال میں پوری کی جائیں گی۔

۲۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ یتیم نابالغ بچے جن میں اپنے نفع و نقصان کے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، ان کے مال کی نگرانی ان کے مربی اور ولی کرتے رہیں، اور جب ان میں دو باتیں پیدا ہو جائیں۔ تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دیں ایک تو وہ بالغ ہو جائیں دوسرے اُن میں رُشد پیدا ہو جائے، رشد کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر اس کے تصرف کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ دولت کو برباد کر کے رکھ دیں۔

۳۔ دوسری آیت کے آخری ٹکڑے میں ولیوں کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ان کے اموال کی نگرانی ایک امین کی حیثیت سے کریں، اگر ان کی نگرانی میں ان کو کچھ زحمت اور پریشانی اٹھانی پڑ رہی ہے تو وہ اپنی محنت کی مزدوری لے سکتے ہیں، لیکن ان کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ ان کے بالغ ہونے تک سارا مال اڑا اپڑا کر برابر کر دیں اور اگر کوئی خوش حال ہے، خدا نے اس کو کھانے پینے کے لئے دیا ہے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس کے مال سے کچھ بھی نہ لے۔

حَجر کی بعض اور صورتیں

اسی طرح اگر کوئی معلّم صحیح تعلیم دینے کے بجائے بچوں کو غلط تعلیم دیتا ہے، یا کوئی شخص لوگوں کے اخلاق سُدھارنے کے بجائے بگاڑتا ہے، یا کوئی ادارہ گندی و فحش کتابیں شائع کرتا ہے، یا کوئی مفتی غلط فتوے

دیتا ہے، یا کوئی جاہل ڈاکٹر یا حکیم اپنا مطب کھول کر لوگوں کی صحت کو برباد کرتا ہے، یا کوئی پیشہ ور لوگوں کو دھوکا دیتا ہے، تو ایسے تمام لوگوں کو ان کے پیشہ سے روک دیا جائے گا، لیکن یہ حق صرف اسلامی حکومت ہی کو ہے، پبلک حکومت تک اپنی شکایت پہنچا سکتی ہے، مگر قانون ہاتھ میں نہیں لے سکتی، ایسے لوگوں کو بھی صرف پیشہ کرنے سے روکا جائے گا، دوسرے تمام معاملات میں ان کو ہر طرح کی آزادی ہوگی۔

محجور کی موجودگی

جس کو کسی تصرف سے روکا جائے، حجر کے وقت اس کی موجودگی ضروری نہیں ہے، بلکہ حکومت اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کی جائداد یا مال کو حجر کر سکتی ہے، البتہ اس کو اطلاع دیدی جائے گی۔

بعض اور ضروری مسائل

۱۔ اگر کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہے تو حکومت اس کو اس کی سزا دے گی لیکن محض فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کی جائداد یا مال کو حجر نہیں کرے گی، مال و جائداد کو حجر اسی وقت کیا جائے گا جب وہ اپنے مال میں بھی تصرف بے جا کرنے لگے۔

۲۔ ولی کو، کسی ناسمجھ نابالغ کو مالی تصرف کی اجازت نہ دینی چاہیے ورنہ اگر اس نے کوئی نقصان اٹھایا یا نقصان پہنچایا تو اس کا گناہ ولی پر ہوگا، کیونکہ اس نے اجازت دے کر مال ضائع کرنے کا راستہ کھول دیا خواہ وہ ضائع ہو یا نہ ہو اور اس کی یہ اجازت قانوناً معتبر بھی نہیں سمجھی جائے گی، ناسمجھ نابالغ نے جو کچھ تصرف کیا ہے وہ باطل قرار پائے گا، مثلاً اگر اس نے کوئی چیز ولی کی اجازت سے خریدی یا بیچی تو اس بیع و شرار کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، خواہ فائدہ ہو یا نقصان۔

۳۔ اگر کوئی نابالغ سمجھ دار ہے تو اس کے معاملہ کی کئی صورتیں ہیں، اگر اس نے کوئی ایسا معاملہ کیا جس میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، بلکہ فائدہ ہی متوقع تھا، تو ولی کی اجازت کے بغیر بھی اس کا معاملہ کرنا صحیح ہے، مثلاً کسی نے اس کو ہدیہ دیا، یا کسی نے کوئی چیز اس کو ہبہ کی اور اس نے قبول کر لیا، تو یہ ہدیہ اور ہبہ کی ہوئی چیز اس کی ملک میں آجائے گی، لیکن اگر اس نے ایسا معاملہ

کیا، جس میں فائدہ کی کوئی توقع نہیں تھی، بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ تھا تو ایسے معاملہ کی اجازت اگر ولی دے بھی دے تو جائز نہیں ہے، اس کا معاملہ باطل قرار پائے گا، مثلاً ولی اس سے کہے کہ فلاں چیز کسی کو ہبہ کردو یا ہدیہ دیدو تو اگر وہ دے بھی دے تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہے، وہ چیز قانوناً واپس لی جاسکتی ہے، اگر سمجھدار نابالغ نے کوئی ایسا معاملہ کیا جس میں نفع ونقصان دونوں کا اندیشہ ہے تو پھر یہ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، مثلاً اس نے کوئی چیز بیچی یا خریدی تو اس میں چونکہ اصلاً نفع ونقصان دونوں متوقع ہیں، اس لئے بیع وشرا کو اگر ولی صحیح قرار دے، تو یہ صحیح ہوجائے گی، خواہ نقصان ہی کیوں نہ ہو، اور اگر صحیح نہ قرار دے تو باطل قرار پائے گی، خواہ اس میں فائدہ ہی کیوں نہ ہو۔

۴۔ بالغ ہوجانے کے بعد جب ولی اس کی جائداد یا مال اس کے حوالہ کرنا چاہے تو تجربۃً پہلے تھوڑا سا مال یا جائداد دے کر اس کا تجربہ کرے کہ وہ اس کو سنبھالنے کے قابل ہوگیا ہے یا نہیں، جب اس کی اہلیت (رشد) کا ثبوت مل جائے، تو پوری جائداد یا مال جو کچھ ہو وہ اس کے حوالہ کردے۔

۵۔ ہوشیار وسمجھدار نابالغ کو اجازت دینے کے بعد اگر ولی یہ محسوس کرے کہ وہ تصرف صحیح نہیں کررہا ہے تو پھر وہ حجر کرسکتا ہے، لیکن بالغ ہونے کے بعد پھر ولی کو حق نہیں رہتا اب صرف حکومت ہی حجر کرسکتی ہے۔

۶۔ اجازت کبھی صراحۃً الفاظ سے دی جاتی ہے، اور کبھی طرزِ عمل سے مثلاً کسی ہوشیار نابالغ کو خرید وفروخت کرتے ہوئے ولی نے دیکھا اور کوئی روک ٹوک نہیں کی، تو یہ اجازت سمجھی جائیگی، اور وہ جو کچھ تصرف کرے گا وہ صحیح ہوگا۔

بالغ ہونے کی عمر

لڑکے کے بالغ ہونے کی عمر ۱۲ برس سے شروع ہوجاتی ہے اور لڑکیوں کی ۹ برس سے، اگر لڑکے ۱۲ اور چودہ برس کے درمیان اور لڑکیاں ۹۔ ۱۴ برس کے درمیان بالغ نہ ہوجائیں تو ۱۵ برس کی عمر میں ان پر بالغ ہونے کا حکم جاری کردیا جائے گا خواہ بالغ ہونے کی علامتیں ظاہر ہوں یا نہ ہوں، بالغ ہونے کی علامت لڑکوں کے لئے احتلام ہونا یا مباشرت میں منی نکلنا ہے اور عورتوں کے لئے حیض آنا یا

حاملہ ہو جاتا ہے۔

ولیوں کی ترتیب

حَجُر کے سلسلہ میں ولیوں کی ترتیب یہ ہوگی، سب سے پہلے ولایت کا حق دار باپ ہے، باپ کے بعد وہ شخص جس کو باپ نے اپنی زندگی میں وَصِیّ یعنی اس کا مربی و نگراں مقرر کر دیا ہو وہ ولی ہوگا اور باپ کے مر جانے کے بعد اس کا مقرر کردہ وصی جس کو مربی مقرر کر دے، اب وہ ولی ہو جائے گا اگر باپ نے ولی مقرر نہ کیا ہو یا باپ کا مقرر کردہ ولی مر جائے تو اگر دادا زندہ ہے تو وہ ولی ہوگا، اگر دادا چاہے تو باپ کی طرح اپنی زندگی میں دوسرے کو ولی مقرر کر دے جس کو وہ ولی مقرر کرے گا وہ اس کے بعد ولی ہوگا اب اگر باپ یا دادا یا ان کا مقرر کردہ کوئی ولی نہ ہو تو پھر حکومت اس کی ولی ہوگی، دوسرے جتنے اقربا اور اعزہ ہیں حجر میں وہ ولی تو نہیں ہو سکتے، البتہ اگر باپ دادا یا حکومت ان کو وصی یعنی ولی مقرر کر دے تو ولی ہو جائیں گے۔

سفیہ اور مدیون کے بعض اور ضروری مسائل

۱۔ سفیہ اور مدیون بھی تصرف مالی میں نابالغ کی طرح ہیں، مگر ان کی ولایت بجز حکومت کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔

۲۔ حکومت ان کا اور ان کے بال بچوں کا خرچ ان کی جائداد یا ان کے مال سے پورا کرے گی۔

۳۔ دوسرے جن لوگوں کے حق ان پر ہوں گے، سب کے حقوق ان کے مال سے پورے کئے جائیں گے۔

۴۔ مدیون کا وہی مال اور وہی جائداد حجر کی جائے گی جو حجر کے وقت تک موجود تھی، اس کے بعد وہ جو کچھ حاصل کرے گا اس میں حکومت کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

۵۔ مدیون کی جو جائداد یا مال حجر کیا گیا ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو اس سے اس کا اور اس کے بال بچوں کا خرچ پورا کیا جائے گا۔

۶۔ اگر حجر کی حالت میں سفیہ قرض لے لے تو اس کی جائداد سے ادا کیا جائے گا، البتہ اگر اس نے کسی فضول خرچی کے لئے لیا ہے تو پھر حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہے۔

شفعہ

اگر کوئی شخص اپنی غیر منقولہ جائداد مثلاً زمین یا مکان بیچتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ جائداد کئی آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، یا اس سے کئی آدمیوں کا فائدہ وابستہ ہو یا اس کے پڑوس میں ایک دوسرا شخص ہے تو ہو سکتا ہے کہ بائع سے ان لوگوں کے تعلقات اچھے رہے ہوں اور ہر ایک دوسرے کے نفع و نقصان اور تکلیف و آرام کا خیال کرتا رہا ہو لیکن ایک بالکل اجنبی شخص جو اس کو خرید رہا ہے ہو سکتا ہے کہ اس سے ان لوگوں کے تعلقات استوار نہ رہیں، یا بے مروت ہو یا کسی پڑوسی کے نفع و نقصان یا تکلیف و آرام کا خیال نہ کرتا ہو تو اس سے دونوں کو تکلیف ہوگی، جس سے معاشرہ میں ایک بگاڑ اور خرابی پیدا ہوگی، اس مصلحت کے پیش نظر شریعت نے شفعہ کرنے کی اجازت دی ہے، یعنی یہ اجازت دی ہے کہ بائع جتنی قیمت میں یہ جائداد بیچتا ہے اگر شفیع چاہے تو اتنی ہی قیمت پر وہ جائداد لے سکتا ہے۔

حدیث نبویؐ آپؐ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے، کہ آپؐ نے مشترک جائدادوں میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے۔

قَضٰی بِالشُّفْعَةِ فِیْ كُلِّ شَرِكَةٍ لَمْ تُقْسَمْ رَبْعَةٍ اَوْ حَائِطٍ لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّبِيْعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيْكَهٗ فَاِنْ شَاءَ اَخَذَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ فَاِنْ بَاعَهٗ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ	ہر مشترک جائداد میں خواہ مکان ہو یا باغ و زمین آپ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ جب تک اس کا شریک اجازت نہ دے وہ اسے فروخت کرے اگر وہ شریک چاہے تو خود لے ورنہ چھوڑ دے۔ اگر اس نے بغیر اجازت فروخت کر دیا تو شریک زیادہ حقدار ہے۔

(مشکوٰۃ)

شفعہ کے معنی اور اس کی تعریف

شفعہ کے لفظی معنی ملانے کے ہیں، اور شریعت میں دوسرے کی خریدی ہوئی جائداد کو اس کی قیمت ادا کر کے اپنی جائداد سے ملانے یا علیحدہ نہ ہونے دینے کو حق شفعہ کہتے ہیں۔

چند اصطلاحیں

۱۔ شفیع، شفعہ کرنے والا، (۲) مشفوع، جس زمین کا شفعہ کیا جائے، (۳) مشفوع بہ، شفیع کی وہ زمین، مکان یا زمین و مکان کا وہ حصہ جس کی وجہ سے اس کو یہ حق ملا ہے (۴) جار، پڑوسی، جارِ ملاصق جس کا مکان بالکل ملا ہوا ہو۔

شفعہ کے اسباب

تین اسباب کی بنا پر شفعہ کیا جا سکتا ہے، ایک تو وہ شخص شفعہ کر سکتا ہے جو اس جائداد میں حصہ دار ہو، دوسرے وہ شخص جو اس نفع میں شریک ہو، جو اس کی جائداد اور فروخت شدہ جائداد میں شریک ہے، مثلاً دونوں کا راستہ ایک ہے، یا دونوں ایک کنوئیں سے آب پاشی کرتے ہیں، تیسرے پڑوسی یعنی جس کا مکان اس کے مکان سے ملا ہوا ہو، یا زمین اس کی زمین سے ملی ہوئی ہو، یہ رائے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی ہے، مگر ائمہ ثلٰثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہم کے نزدیک پڑوسی کو شفعہ کی اجازت نہیں ہے۔

حق شفعہ میں ترتیب

۱۔ سب سے پہلے شریک جائداد کو شفعہ کا حق ہے، اگر وہ شفعہ نہ کرے تو پھر جس کا نفع مشترک ہو، اگر وہ بھی نہ کرے تو پھر پڑوسی کو، اگر پڑوسی نفع میں بھی شریک ہو تو پھر اس پڑوسی پر اس کو فوقیت حاصل ہوگی، جس کا مکان یا زمین ملی ہوئی تو ہے مگر نفع میں شریک نہیں ہے۔

۲۔ اگر دو منزلہ مکان ہو مگر اوپر کی منزل دوسرے کی ہو اور نیچے کی دوسرے کی، تو دونوں ایک دوسرے کے جارِ مُلاصق ہیں۔

۳۔ اگر دو پڑوسیوں کے مکان کی ایک دیوار مشترک ہو تو دونوں مکان میں شریک سمجھے جائیں گے یعنی سب سے پہلے ان ہی کو شفعہ کا حق ہوگا، لیکن اگر کسی پڑوسی نے پڑوسی کی دیوار پر اپنے مکان کی کڑی یا بلا رکھ لیا یا اس کی دیوار پر سلاپ لگا لیا اور پڑوسی نے اعتراض نہیں کیا تو اس

سے وہ شریک نہیں پڑوسی ہی سمجھا جائے گا۔

۴۔ اگر کسی زمین یا مکان کے دو یا کئی شفیع ہوں، اور ان سب کے حصے برابر نہ ہوں، تو بھی شفعہ کرنے کے اعتبار سے سب کو برابر کا حق ہوگا، مثلاً ایک مکان یا زمین میں تین شریک ہیں ایک کا آدھا حصہ ہے اور آدھے میں دو آدمی شریک ہیں ان میں ایک کا تیسرا اور ایک کا چھٹا حصہ ہے، تو اگر آدھے حصہ والا شریک اپنا حصہ بیچ دے، تو ان دونوں کو برابر کے شفعہ کا حق ہوگا اور جب وہ مکان یا زمین ملے گی تو برابر قیمت دے کر برابر تقسیم کر لیں گے، ان کے حصہ کی کمی بیشی کا کوئی اثر حق شفعہ پر نہیں پڑے گا۔

شفعہ کے صحیح ہونے کے شرائط اور بعض ضروری مسائل

۱۔ جوں ہی شفیع کو معلوم ہو کہ فلاں شرکت یا جوار کی زمین بکی یا کسی نے ہبہ کر دی ہے، اسی وقت اس کو یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ میں شفعہ کروں گا یا اسے کوئی ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے جس سے اس کی ناراضگی یا شفعہ کرنے کے رجحان کا پتہ چلے، اگر اس نے اس وقت نہ کچھ کہا اور نہ کیا تو پھر شفعہ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

۲۔ جب تک کوئی چیز فروخت نہ ہو جائے، یا ہبہ نہ کر دی جائے، اس وقت تک محض بائع کے ارادہ پر شفعہ نہیں ہوگا۔

۳۔ شفعہ صرف غیر منقولہ جائداد زمین، باغ، مکان وغیرہ میں جائز ہے، منقولہ اموال میں یا وقف اور حکومت کی جائداد میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔

۴۔ جس جائداد کے بیچنے یا ہبہ کرنے میں شفیع کی رضامندی شامل ہو اس میں اس کو شفعہ کا حق نہیں ہے، مثلاً اس نے بیچنے کا مشورہ دیا، یا جب اس کو بیع کا علم ہوا تو اس نے کہا اچھا ہوا تو اب اس کو شفعہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

۵۔ اگر کسی شفیع نے خریدار سے یہ کہا کہ اتنی رقم دے دو تو میں حق شفعہ سے باز آجاؤں، تو اس کہنے سے اب اس کو شفعہ کا حق باقی نہیں رہا اور اپنے حق کا دباؤ ڈال کر جو روپیہ وہ خریدار یا بائع سے لے گا، وہ اس کے لئے رشوت اور حرام ہوگا۔

۶۔ اگر خریدار نے بتایا کہ میں نے فلاں مکان دو ہزار یا دس ہزار میں لیا ہے اور شفیع نے رقم کی زیادتی کی وجہ سے شفعہ نہیں کیا، لیکن بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ اس نے غلط بتایا تھا اس سے کم قیمت میں بکا ہے، تو اس کو دوبارہ شفعہ کرنے کا حق باقی رہے گا۔

۷۔ اگر خریدار نے بیع میں کوئی اضافہ کر دیا ہے، مثلاً مکان میں کوئی ترمیم کر دی ہے، یا زمین میں مکان بنا لیا ہے، یا درخت لگا لیا ہے تو شفیع یا تو تمام کی قیمت دے کر اس کو لے یا اپنے حق سے باز آجائے۔

۸۔ شفیع نے جس مکان یا باغ کا شفعہ کر دیا ہے وہ شفعہ کرنے کے بعد گر گیا، یا باغ کے درخت سوکھ گئے: تب بھی اس کو پوری قیمت دینی پڑے گی، بشرطیکہ مشتری نے قصداً ایسا نہ کیا ہو۔

۹۔ اگر شفیع نے حق شفعہ کا دعویٰ کر دیا تھا، مگر فیصلہ سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا حق شفعہ جاتا رہا اب اس کے ورثہ کو اس کا حق نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر وہ شفعہ کرنے کا ارادہ تو ظاہر کر چکا ہے، لیکن ابھی اس نے دعویٰ نہیں کیا تو اس تاخیر سے اس کے حق شفعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، حق شفعہ، شفیع دو طرح سے حاصل کر سکتا ہے۔

۱۔ اسلامی حکومت کے سامنے دعویٰ کرے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خریدار قیمت لے کر اس کو یہ جائداد دینے پر راضی ہو جائے۔

مسلم اور غیر مسلم اس میں برابر ہیں

جس طرح ایک مسلمان ایک مسلمان سے شفعہ کر کے کوئی جائداد لے سکتا ہے، اسی طرح اسلامی مملکت کے غیر مسلم پڑوسی کو بھی یہ حق ہے کہ وہ شفعہ کر کے کسی مسلمان سے کوئی جائداد حاصل کر لے، صاحب ہدایہ عقلی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب شفعہ کا حق دفع ضرر کے لئے ہے، اور اس سبب و حکمت میں مسلم اور غیر مسلم باغی اور عادل سب برابر ہیں، تو استحقاق میں بھی ان سب کو برابر ہونا چاہیئے۔"

غصب

زبردستی، ناحق، بلا اجازت اور بغیر رضامندی کے کسی کی کوئی چیز لینا بہت بڑا گناہ ہے،

قرآن وحدیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے، یہاں تک کہ باپ کو بیٹے کی چیز اور بیٹے کو باپ کی چیز، بیوی کو شوہر کی چیز اور شوہر کو بیوی کی چیز بھی بلا اجازت لینی اور استعمال کرنی صحیح نہیں ہے اگر کسی نے کسی کی چیز بلا اجازت لے لی یا استعمال کرلی تو وہ غاصب کہا جائے گا، اس کی سزا اس کو دنیا میں بھی دی جاسکتی ہے، اور آخرت میں بھی اس کو عذاب بھگتنا پڑے گا، غصب ظلم کی ایک بدترین قسم ہے، قرآن میں کہا گیا ہے کہ،

"جو لوگ یتیموں کا مال ناحق اور بلا ضرورت کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں" آگ بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنا رہے ہیں، قرآن نے یہاں ظلم کا لفظ استعمال کیا ہے، جس میں ہر طرح کی زیادتی، زبردستی، اور ناحق طلبی شامل ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک یتیم جو ابھی عقل وتمیز نہیں رکھتا اس کا مال اس اندازہ سے خرچ کرنا جس اندازے سے وہ اپنا مال خرچ کرنا پسند نہیں کرتا، یا اس کے مال کی نگرانی کی اُجرت اتنی وصول کرنا جتنی کہ وہ خود دوسروں کو اپنے کام پر نہیں دیتا تو یہ خاص ظلم ہے، غصب تو ظلم اس حیثیت سے بھی ہے کہ وہ غاصب ایک کمزور کا مال ناحق کھا رہا ہے اور اس حیثیت سے بھی کہ وہ یتیم اگر بالغ ہوتا تو اپنی دولت کو اس طرح برباد کرنے کی اجازت نہ دیتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات ہیں، جن سے اس کی مذمت معلوم ہوتی ہے، اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غصب ایک بدترین ظلم ہے، آپ نے نہایت تاکید اور تنبیہ کے انداز میں فرمایا کہ

اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا یَحِلُّ	ہوشیار خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا، ہوشیار
مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسِہٖ	خبردار کسی آدمی کا مال اس کی مرضی کے
(مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی ودارقطنی)	بغیر لینا حرام ہے۔

آپ نے فرمایا کہ بلا اجازت کسی کی چیز نہ تو سنجیدگی سے لینا درست ہے، نہ مذاق اور تفریح میں لینا درست ہے۔

لَا یَاْخُذَنَّ اَحَدُکُمْ مَتَاعَ	تم میں سے ہرگز کوئی اپنے بھائی کا مال

اَخِیۡہِ جَادًّا وَلَا لَاعِبًا — نہ لے نہ تو سنجیدگی سے نہ تفریحاً

آپؐ نے فرمایا ہے کہ "کسی کی چھڑی بھی بغیر اجازت نہ اٹھانی چاہیئے" آپ نے فرمایا کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی کا دودھ دینے والا جانور پا جائے، اور بغیر اجازت اس کا دودھ دوہ لے آپ نے اس بات کو ایک تمثیل سے سمجھایا فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کروگے کہ تمہاری الماری یا برتن میں کھانے پینے کی کوئی چیز رکھی ہوئی ہو اور اس کو توڑ دیا جائے اور وہ کھانے کی چیز گر جائے تو جس طرح تم اس کو پسند نہیں کروگے کہ تمہارے کھانے پینے کی چیز کوئی اس طرح برباد کردے، اسی طرح جانوروں کے تھن بھی غذا کے خزانے ہیں، ان کو بھی مالک کی اجازت کے بغیر خالی کر لینا درست نہیں ہے۔ (مسلم)

زمین کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ "اگر کوئی شخص ایک بالشت زمین بھی کسی کی ناحق اور ظلم و غصب سے دبالے تو قیامت کے دن اس کی سات گنی زمین اس کے گلے میں طوق مذلت بنا کر ڈال دی جائے گی، آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کر لی تو قانوناً اس کھیتی سے اس کو کچھ نہ ملے گا، البتہ اس کی محنت کی مزدوری دے دی جائے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت میں حق مارنے والے سے کہا جائے گا کہ وہ غصب کردہ چیز واپس کردے، ظاہر ہے کہ وہ چیز تو وہاں وہ نہیں لا سکتا، اس لئے اس چیز کے بدلے اس کی نیکی کا کچھ حصہ اس شخص کو دے دیا جائے گا جس کا حق اس نے دبا لیا تھا، اگر اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہ ہوگی تو پھر اہلِ حقوق کے گناہوں کا کچھ بوجھ اس کے سر پر اور رکھ دیا جائے گا یعنی اس کی زیادتی کا بدلہ اس کو اس طرح ملے گا اور جن کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، ان کو اس کا اجر ملے گا۔

لیکن جن لوگوں پر زیادتی ہوئی ہے، ان کو یہ اجر و ثواب اسی وقت ملے گا، جب انھوں نے بھی ظلم کے بدلہ میں ظلم نہ کیا ہو اور زیادتی کے بدلہ میں دوسری زیادتی نہ کی ہو اور غصب کے بدلے غصب نہ کیا ہو، اگر انھوں نے بھی ایسا کیا ہے تو پھر ان کا اجر و ثواب تو جائے گا ہی ممکن ہے کہ وہ الٹے عذاب میں بھی ڈالے جائیں۔

یہ تو آخرت کا عذاب تھا دنیا میں غصب و ظلم کی کیا سزا اور بدلہ ہے اس کی تفصیل آیندہ

صفحات میں آئے گی۔

چند اصطلاحیں ۱۔ غاصب غصب کرنے والا (۲) مغصوب وہ مال جو غاصب نے غصب کیا ہے (۳) مغصوب مِنْہُ وہ شخص جس کا مال غصب کیا گیا ہے۔

غصب کی تعریف کسی حلال مال کو، مال والے کی اجازت کے بغیر اس طرح سے لینا کہ وہ مغصوب منہ کے قبضہ سے نکل کر غاصب کے قبضہ میں آجائے۔

غصب کا حکم ۱۔ جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا کہ کسی کی چیز بلا اجازت لینا سخت گناہ ہے، لیکن اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ قصداً ایسا کیا ہو اور دوسرے یہ کہ قصداً ایسا نہ کیا ہو بلکہ غلطی سے اس نے لے لیا ہو، قصد سے لینے کی صورت میں تو وہ گناہ گار بھی ہوگا، اور مغصوب چیز اس کو واپس بھی کرنی ہوگی، یا اس کا تاوان دینا پڑے گا، اور اگر غلطی سے یا اپنی چیز سمجھ کر کسی کی کوئی چیز لے لی تو اس کو گناہ نہیں ہوگا، صرف وہ چیز واپس کرنی ہوگی یا اس کا تاوان دینا پڑے گا، گناہ اس لئے نہیں ہوگا کہ غلطی اور چوک کو اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا ہے۔

۲۔ غاصب کے پاس اگر مغصوب چیز یا مال موجود ہے تو بعینہٖ وہی اس سے واپس لیا جائے گا لیکن اگر وہ موجود نہ ہو بلکہ اس نے خرچ کردیا ہو یا ضائع کردیا ہو تو اگر یہ ایسی چیز تھی جس کے مثل چیز مل سکتی ہے، تو اس کی وہی چیز خرید کر یا جیسے بھی ہو، واپس کرنی ہوگی، اگر یہ ایسی چیز ہے جو عام طور پر ملتی نہیں ہے یا بالکل اسی طرح کی نہیں ملتی تو پھر اس کو اس کی قیمت دینی پڑے گی۔

۳۔ اگر غاصب، مال مغصوب کی قیمت واپس کرے اور مغصوب مِنہ قبول نہ کرے تو حکومت اُس کو اس کے لینے پر مجبور کرے گی۔

۴۔ اگر مغصوب چیز میں کوئی کمی یا خرابی آگئی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اس میں معمولی خرابی آگئی ہے، تو پھر وہ چیز بھی واپس کرنی ہوگی، اور جتنی خرابی آئی ہے اس کے بقدر تاوان بھی دینا پڑے گا، لیکن اگر زیادہ خرابی آگئی ہے تو مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے وہ چیز واپس لے لے اور نقصان کے بقدر اس کا تاوان لے لے یا چیز واپس نہ لے، بلکہ پوری قیمت وصول کرے۔

۵۔ اگر غاصب نے مغصوب چیز میں ایسی تبدیلی کردی ہے، کہ اب اس کا نام بدل گیا ہے،

تو اس کو اس کی پوری قیمت دینی پڑے گی، مثلاً کسی نے کسی کی بکری بلا اجازت یا زبردستی لے لی اور اس کو ذبح کر دیا یا غلّہ لے لیا اور اس کو پسا کر آٹا بنا دیا تو اب یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز غاصب کی ملکیت میں آگئی، اس صورت میں اس کو ان دونوں چیزوں کی قیمت دینی پڑے گی، اور جب تک قیمت نہ دے گا اس کو استعمال کا حق نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے کپڑا غصب کیا اور اس کو رنگ دیا تو مالک کو رنگا ہوا کپڑا لینے یا پوری قیمت لینے دونوں بات کا حق ہوگا، کپڑا لینے کی صورت میں رنگائی کی قیمت مالک کو دینی پڑے گی۔

اسی طرح کسی نے سونا یا چاندی غصب کی اور اس کا زیور بنوا لیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالک کو وہی چیز واپس کر دی جائے گی، مگر صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مالک کو زیور نہیں بلکہ اس کی قیمت دلائی جائے گی۔

۶۔ مغصوب چیز میں غاصب کے پاس خود بخود جو زیادتی ہوگی وہ سب مالک یعنی مغصوب منہ کی ہوگی، مثلاً جانور نے بچہ دیا یا باغ میں پھل آیا تو یہ سب مالک کا حق ہوگا، اگر غاصب نے اسے بیچ دیا یا ضائع کر دیا، تو تاوان دینا پڑے گا۔

۷۔ اگر غاصب نے غصب کی ہوئی چیز میں خود کچھ اضافہ کر دیا ہے مثلاً مکان بنا لیا ہے یا اس میں باغ لگا دیا ہے تو غاصب کو حکم دیا جائے گا، وہ اپنا مکان ڈھا دے یا باغ کے درخت کاٹ لے جائے۔ لیکن اگر اس کے مکان کے گرانے یا درخت کے کاٹنے میں زمین کو کوئی نقصان ہوتا ہو تو مالک اس کی قیمت دے کر اس کو خود لے لے، غرض یہ کہ اس کی زیادتی کے بدلہ میں اخلاقاً یا قانوناً اس پر کوئی زیادتی نہ کی جائے گی۔

اِتلاف

جس طرح کسی کی چیز بلا اجازت لے لینا سخت گناہ ہے اسی طرح کسی کی چیز کا نقصان کر دینا یا قصداً نقصان کا سبب بننا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کی ایک

طشتری توڑدی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاوان دلوایا، اگر کوئی شخص کسی کی چیز قصداً یا بغیر قصد کے ضائع کرتا ہے تو اس کو اس کا تاوان دینا پڑے گا، البتہ قصداً ضائع کرنے میں اس کو تاوان کے ساتھ گناہ بھی ہوگا، اور بغیر قصد ضائع کرنے میں گناہ تو نہیں ہوگا، مگر تاوان دینا پڑے گا۔

اِتلاف کی ایک قسم جانی نقصان یعنی قتل کر دینا یا کسی کا کوئی عضو بیکار کر دینا ہے، لیکن اس کا تعلق سراسر اسلامی حکومت سے ہے اس لئے یہ بیان چھوڑ دیا جاتا ہے، یہاں صرف مالی نقصانات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کسی چیز کو نقصان پہنچانا یا ضائع کرنا دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اس نے براہِ راست کوئی چیز ضائع یا نقصان کر دی ہے دوسرے یہ کہ اس کا کوئی فعل نقصان یا ضائع کرنے کا سبب بنا ہے مثلاً کسی نے کسی کی ایک چیز زمین پر ٹپک دی، اور وہ ٹوٹ گئی، یا قصداً اس نے گلاس کو ایسی جگہ رکھ دیا یا ناسمجھ بچّہ کے ہاتھ میں دے دیا اور وہ ٹوٹ گیا تو پہلی صورت کو براہ راست نقصان قرار دیا جائے گا، اور دوسری صورت میں اس کو نقصان کا سبب قرار دیا جائے گا: تاوان دونوں صورتوں میں دینا پڑے گا ——— پہلی اور دوسری صورت میں فرق یہ ہے کہ :- دوسری صورت میں اگر کوئی دوسرا اس نقصان میں شامل ہو جائے گا، تو پہلے شخص پر کوئی ذمّہ داری نہیں ہے، مثلاً کسی نے راستہ میں ایک کنواں کھود دیا تو اگر کوئی آدمی خود گر پڑے تو اس کا خون بہا کنواں کھودنے والے کو دینا پڑے گا، لیکن اگر کوئی دوسرا آدمی کسی آدمی یا جانور کو اس میں گرا دے تو پھر اس کی ذمّہ داری گرانے والے پر ہوگی، کنواں کھودنے والے پر نہیں۔

دونوں صورتوں کے کچھ مسائل یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

براہ راست نقصان کرنا

براہ راست نقصان قصداً کرے یا بغیر قصد کے اس کو تاوان دینا پڑے گا مثلاً:

۱۔ کسی نے کوئی چیز عاریۃً لی یا بطور کرایہ لی، یا بطور امانت رکھی اور اس نے اس کو قصداً توڑ دیا، یا اس کو غلط طریقہ پر استعمال کیا، یا اس کی جتنی حفاظت کرنی چاہیے تھی، نہیں کی تو

اس نقصان کا جرمانہ دینا پڑے گا، مثلاً سائیکل لی اور خراب راستہ یا مجمع میں تیز چلائی، اور کوئی پرزہ ٹوٹ گیا، یا لڑ گئی تو اس کو اس کا جرمانہ دینا پڑے گا، یا مثلاً کسی سے کتاب لی، اور اس کو ایسی جگہ رکھ دیا کہ چوہے نے اس کا کچھ حصّہ کاٹ دیا، یا اس کے بچّہ نے پھاڑ دیا، تو اس کو نقصان کے بقدر تاوان دینا پڑے گا، اگر وہ بالکل بے کار ہو گئی تو پوری قیمت دینی پڑے گی۔

۲۔ کوئی پھسل کر گر پڑے اور ہاتھ میں دوسرے کی کوئی چیز تھی اور وہ ٹوٹ گئی، یا کسی چیز کے اوپر گر پڑا اور وہ ٹوٹ گئی، تو دونوں صورتوں میں تاوان دینا پڑے گا۔

۳۔ کسی دوسرے کی چیز اپنی سمجھ کر توڑ دی یا ضائع کر دی، یا خرچ کر دی تو اس کا بھی تاوان دینا پڑے گا۔

۴۔ کسی نے کسی کا کپڑا پکڑ کر کھینچ لیا اور پھٹ گیا، تو پوری قیمت دینی پڑے گی، لیکن اگر اس نے کسی کا دامن پکڑا، مگر کھینچا نہیں بلکہ جس کا کپڑا پکڑا تھا اس نے جھٹکا دیا بھاگا اور کپڑا پھٹ گیا تو نصف قیمت دینی پڑے گی، کیونکہ اس میں دونوں کے فعل سے کپڑا پھٹا تھا، اس لئے آدھی ذمہ داری دونوں پر ڈالی جائے گی۔

۵۔ اگر کسی کا بچّہ کسی کی کوئی چیز نقصان کر دے، تو اس کا تاوان اس کے وارث سے نہیں لیا جا سکتا، اگر اس بچّہ کے نام کوئی مال یا جائداد ہے تو اس سے اس کی قیمت ادا کی جائے گی، ورنہ پھر اس وقت کا انتظار کیا جائے گا، جب وہ اس کی ادائگی کے قابل ہو جائے۔

۶۔ اگر کسی نے کسی مکان کا کوئی حصّہ گرا دیا یا کوئی درخت کاٹ دیا یا درخت کا پھل توڑ کر گرا دیا تو ان صورتوں میں نقصان کرنے والے کو تاوان دینا پڑے گا، گرتے ہوئے مکان کا جو ملبہ ہے اگر اس کی کوئی قیمت ہے تو اس کی قیمت وضع کر کے مالک مکان اس سے بقیہ کا تاوان لے یا ملبہ گرانے والے کو دیدے اور پورے نقصان کا معاوضہ لے اس کو دونوں کا اختیار ہے اسی طرح درخت کی لکڑی اور پھل کی قیمت وضع کر کے تاوان لے یا پوری قیمت، دونوں کا اختیار ہے۔

۷۔ اگر محلہ میں آگ لگ گئی اور لوگوں نے مالک سے پوچھے بغیر بغل کا مکان گرا دیا، پیٹ پاٹ

دیا یا اس کی کوئی چیز آگ بجھانے میں نقصان ہوگئی، تو اس کا تاوان ان لوگوں کو دینا پڑے گا جن لوگوں نے نقصان کیا ہے، البتہ اگر حکومت کے ذمہ داروں کے حکم سے وہ مکان گرایا گیا ہے یا اس کو نقصان پہنچایا گیا ہے تو گرانے والے سے کوئی تاوان نہیں لیا جاسکتا، اس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

نقصان کے بدلہ نقصان کرنا جائز نہیں

۸۔ اگر زید نے عمر کا کوئی مال یا چیز نقصان کردی، تو عمر اس سے تاوان تو لے سکتا ہے لیکن اس کو یہ حق شریعت نے نہیں دیا ہے کہ زید کی کوئی چیز ضائع یا نقصان کردے، اگر ایسا کرے گا تو گنہ گار بھی ہوگا، اور زید کی چیز کے نقصان کا معاوضہ بھی دینا پڑے گا، غرض یہ کہ اس وجہ سے وہ گناہ اور تاوان سے نہیں بچ سکتا کہ اس نے نقصان کے بدلہ میں ایسا کیا ہے بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کے نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

تاوان کرنے والے پر ہوگا، حکم دینے پر نہیں

۹۔ احمد نے خالد سے کہا کہ طارق کی فلاں چیز توڑ دو یا پھینک دو، یا فلاں آدمی کو مار دو تو اس کی سزا اور تاوان توڑنے والے، پھینکنے والے اور مارنے والے پر ہوگا، حکم دینے والے پر نہیں البتہ اگر یہ حکم اسلامی حکومت کا ذمہ دار دے یا اس کو اس کے کرنے پر مجبور کردیا جائے، تو پھر ان دونوں صورتوں میں کرنے والے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے،

(۲) نقصان کا سبب بننا

نقصان کا سبب بننے کی صورت میں یہ کلیہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ وہ اسی وقت ذمہ دار قرار دیا جائے گا، جب اس میں قصد پایا جائے۔

اَلْمُتَسَبِّبُ لَا يَضْمَنُ اِلَّا بِالتَّعَمُّدِ — کسی نقصان کا سبب بننے والا قصد و ارادہ ہی سے ضامن قرار دیا جائے گا۔

۱۰۔ کسی نے کسی کے کمرے یا بکس کا تالا کھول دیا اور اس سے کوئی چیز چوری ہوگئی، تو اس کا تاوان کمرہ اور بکس کھولنے والے پر ہوگا، اسی طرح کسی نے کسی کی کھیتی یا باغ میں پانی نہیں

جانے دیا اور غلّہ اور پھل سوکھ سا کھ گئے یا اس نے اپنے کھیت کا زیادہ پانی دوسرے کے کھیت میں کاٹ دیا اور اس کی کھیتی کو نقصان پہنچ گیا تو پانی روکنے والے اور کاٹ دینے والے سے اُس کا تاوان لیا جائے گا، کیونکہ ان تمام صورتوں میں قصداً وہ اس نقصان کا سبب بنا ہے۔

۱۱۔ کوئی شخص راستہ جا رہا ہے اور کوئی جانور اس کو دیکھ کر بھڑکا اور رسّی تڑا کر بھاگ گیا، اور وہ ضائع ہو گیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں لیکن اگر اس نے بھڑکا دیا یا چھتری دکھا کر ڈرا دیا اور ضائع ہو گیا تو اس کو اس کی قیمت دینی پڑے گی، کسی نے شکار کرنے کے لئے بندوق چلائی اور اس کی آواز سے ڈر کر کوئی لڑکا گر پڑا، اور اس کو موت آ گئی، یا کوئی جانور رسّی تڑا کر بھاگا اور گم ہو گیا، تو بندوق چلانے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اگر اس نے قصداً ڈرانے ہی کے لئے چھوڑی تو وہ ذمہ دار ہو گا۔

۱۲۔ کسی نے عام راستہ پر کوئی کنواں حکومت کے حکم سے کھودا اور کوئی گر گیا، تو اس پر اس کا خوں بہا نہیں ہے، بلکہ حکومت کے اوپر ہے، لیکن اگر اس نے خود اپنی طبیعت سے ایسا کیا ہے تو اس کو خوں بہا دینا پڑے گا، اگر اس نے اپنی ذاتی زمین میں کوئی کنواں کھودا اور کوئی گر کر مر گیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۳۔ مزدوروں اور پیشہ وروں کے نقصان کرنے کی تلافی اور تاوان کا بیان اجارہ کے بیان میں آ چکا ہے۔

جانوروں کے نقصان کا تاوان

۱۔ اگر کسی کا جانور رات میں یا دن میں اتفاق سے کھل گیا اور اس نے کسی کا کھیت کھا لیا تو اس نقصان کا تاوان جانور کے مالک سے نہیں لیا جا سکتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ — جانور کے نقصان کا کوئی تاوان نہیں ہے

لیکن اگر قصداً اس نے کھول دیا یا اس کو کھلنے کا علم ہوا اور اس نے باندھنے کی کوشش نہیں کی، یا چرواہا ساتھ تھا مگر اس کے باوجود کھیت میں جانور پڑ گیا تو ان تمام صورتوں میں خواہ رات ہو یا دن تاوان لیا جائے گا۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنے جانور عام راستہ سے لے جارہا ہے اور جانوروں نے کسی کا کھیت چرلیا، یا کچل دیا، یا اس میں بیٹھ گئے اور بہت سے پودے ضائع ہوگئے، تو اس کو تاوان دینا پڑے گا، البتہ اگر اس نے پیر جھاڑا، یا لتی چلائی، یا دُم ہلائی اور اس سے کوئی نقصان ہوگیا تو تاوان نہیں ہوگا کیونکہ یہ حیوان کی فطرت ہے، اس سے کوئی مالک اس کو باز نہیں رکھ سکتا۔

۳۔ سواری کے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے، جو عام جانوروں کا ہے، لیکن اگر راستہ میں کوئی گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہوکر جارہا تھا، کسی نے اسے بھڑکادیا اور وہ بھاگا تو اس صورت میں جتنا نقصان ہوگا اس کا تاوان بھڑکانے والے کے ذمہ ہوگا سوار پر نہیں ہوگا اگر بھڑکانے والے کو اس نے لتی ماردی اور وہ مرجائے تو اس کا خون بہا جانور کے مالک کو نہیں دلایا جائے گا، کیونکہ مقتول نے جانور کو خود چھیڑا تھا۔

۴۔ اگر دو چرواہے ہیں، ایک جانوروں کے آگے ہے، دوسرا ان کے پیچھے سے ہانک رہا ہے تو جو کچھ نقصان ہوگا، دونوں سے اس کا تاوان لیا جائے گا۔

بے جان سواریوں کا حکم

بے جان سواریوں مثلاً سائیکل، موٹر، ریل، ہوائی جہاز وغیرہ کا حکم بھی یہی ہے، کہ خواہ قصداً اس سے کوئی نقصان پہنچے یا بغیر قصد کے اس کا تاوان سواری کے مالک یا ذمہ دار سے نہیں بلکہ ڈرائیور سے لیا جائے گا، البتہ اگر کوئی اس کے سامنے کوئی چیز ڈال دے یا خود سواری کے آگے لیٹ جائے تو پھر ڈرائیور پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

اس سلسلہ کے مزید مسائل سواریوں کے لڑجانے، حادثہ پیش آجانے کی صورت میں تاوان ہوگا یا نہیں، اگر ہوگا تو کن پر ہوگا، ان پر علماء کو غور کرکے اس کی تفصیل پیش کرنی چاہیئے، راقم نے سایق وقائد پر قیاس کرکے اس مسئلہ کو لکھ دیا ہے، سایق وہ جو جانوروں کو پیچھے سے ہنکائے اور قائد جو جانوروں کے آگے آگے ہو اور جانور اس کے پیچھے ہوں۔

وکالت

آدمی کو زندگی میں بے شمار کام ایسے پیش آتے ہیں، جن کو وہ خود انجام نہیں دیتا، بلکہ دوسروں سے انجام دلاتا ہے، کسی کام کے انجام دینے یا نہ دے سکنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی کام کی آدمی کو ضرورت تو ہوتی ہے، لیکن اس کام کو پورا کرنے کی خود اس میں اہلیت اور صلاحیت نہیں ہوتی، اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کام میں مشغول ہوتا ہے اور کوئی دوسرا کام پیش آجاتا ہے اس لئے کسی دوسرے سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے، یا یہ کہ وہ کام اتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہوتا ہے، کہ ایک آدمی کے بس کا کام نہیں ہوتا، اس لئے اس میں دوسروں کو شریک کرنا پڑتا ہے، غرض یہ کہ جو کام آدمی خود کر لیتا ہے، یا کر سکتا ہے، اس کو دوسروں سے بھی کرا سکتا ہے، شریعت میں اس کی اجازت ہے، اور اسی کو وکالت کہتے ہیں۔

وکالت کے معنی اور اس کی ضرورت

وکالت کے لفظی معنی نگرانی وحفاظت، چارہ سازی و کارسازی کے ہیں، اسی لئے خدا کی ایک صفت وکیل بھی ہے کیونکہ وہ ہمارے تمام کاموں کا نگراں، محافظ اور کارساز ہے، اسی سے توکیل کا لفظ نکلا ہے، جس کے معنی بھی نگراں مقرر کرنا یا کوئی کام کسی کے سپرد کر دینا ہیں، وکالت کا لفظ توکیل کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، یعنی یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔

جو شخص کسی دوسرے کو اپنا کام سپرد کرتا ہے یا ذمہ دار بناتا ہے، اس کو موکل اور جو یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے اس کو وکیل اور جس کام کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے، اس کو موکل بہ کہتے ہیں، مثلاً احمد کو ایک گھڑی خریدنے کی ضرورت ہے، لیکن وہ گھڑی کی اچھائی برائی کو نہیں جانتا اس لئے وہ خالد سے جو گھڑی کے پرزوں وغیرہ سے واقف ہے یہ کہتا ہے کہ میرے لئے آپ ایک گھڑی اتنے روپے میں خرید دیجئے، خالد اس کے لئے گھڑی خریدنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، تو احمد موکل ہوا، اور خالد وکیل، اور گھڑی موکل بہ ہوئی، اسی طرح ایسے تمام

کاموں کے لئے آدمی کسی کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے، جس کو وہ خود انجام تو دے سکتا ہے، مگر کسی وجہ سے نہیں دے پاتا ہے مثلاً مضاربت، شرکت، رہن، صلح، اپنے دعوی کی پیروی، نکاح وغیرہ امور میں وہ اپنا وکیل بنا سکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بہت سے کاموں کے لئے دوسروں کو وکیل بنایا ہے، حضرت عروہ بن ابو جعد البارقی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دینار دیا کہ میں ان کے لئے ایک بکری خرید وں، چنانچہ میں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر دی، اور ایک بکری اور ایک دینار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر حاضر کیا تو آپؐ نے میرے لئے دعا فرمائی، اسی طرح آپ نے حضرت حکیم بن حزام کو اپنے لئے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے فرمایا تھا، اور وہ خرید کر لائے، اسی طرح ایک بار صدقہ فطر کا غلّہ کافی جمع ہو گیا، تو آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کی نگرانی کا کام سپرد کیا۔

حضرت میمونہؓ سے آپ کا نکاح بھی وکالت ہی کے ذریعہ ہوا تھا، آپ اس وقت مدینہ منورہ میں تھے، اور حضرت میمونہؓ بنت حارث مکّہ میں تھیں، آپ نے مدینہ سے اپنے خادم ابو رافع اور ایک انصاری کو بھیجا انھوں نے ایجاب وقبول کرایا۔

وکالت کی تعریف اور وکیل کی حیثیت

وکالت کا لفظ عموماً ہماری زبان میں اس پیشہ کے لئے بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ حق یا ناحق سچ یا جھوٹ جس طریقہ سے بھی ہو، کسی کا حق ہو یا نہ ہو اس کو دلانے کی کوشش کی جاتی ہے اور وکیل اس شخص کو کہتے ہیں، جو غیر اسلامی قانون کے ذریعہ غیر اسلامی عدالت کے سامنے لوگوں کے جھوٹے سچے مقدمات کی پیروی اور نمائندگی کرتا ہے، لیکن اسلامی شریعت میں وکالت کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع اور بلند ہے، اور وکیل حق و ناحق کی تمیز کے بغیر پیسہ کمانے والے کو نہیں کہتے، بلکہ اس کی حیثیت اس سے بہت زیادہ وسیع اور بلند ہوتی ہے، اوپر ذکر آچکا ہے جو جائز ذمہ داری بھی کسی انسان کے سپرد کی جاتی ہے، اس کے لئے شریعت میں امانت کا

لفظ بولا جاتا ہے، یعنی وہ شخص اس ذمہ داری کو اسی طرح ادا کرے جس طرح ایک امین اپنی امانت کو ادا کرتا ہے، وکالت بھی ایک ذمہ داری ہے اس لئے ضرورت ہے کہ جس کو بھی کسی کام کا وکیل بنایا جائے، اس کو اسی طرح پورا کرے جس طرح ایک امین امانت کی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ خازن اور امین وہ شخص ہے جو خوشی سے اس کام کو پورا کرے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ (المنتقی ص ۳۷۶ ب) اس بنا پر فقہا نے وکالت کی تعریف یہ کی ہے۔

تَفْوِیْضُ اَحَدٍ اَمْرَہٗ لِاٰخَرَ وَاِقَامَتَہٗ مَقَامَہٗ — کسی شخص کا کسی کام کو دوسرے کے سپرد کر دینا اور اس کو اپنا قائم مقام بنا دینا۔

ظاہر ہے کہ جس طرح تمام معاملات میں آدمی کے لئے خود دو چیزوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اسی طرح وکیل بنانے میں بھی ان کا لحاظ ضروری ہے، ایک یہ کہ تراضی ہو، دوسرے یہ کہ معاملہ باطل، حرام، اور ناحق نہ ہو، مقصد یہ ہے کہ مؤکل اور وکیل دونوں ذمہ داری سونپنے اور قبول کرنے کے لئے راضی بھی ہوں، اور یہ رضامندی کسی باطل معاملہ میں نہ ہو، یعنی اگر دونوں کسی غیر اسلامی قانون وعدالت میں اپنا فیصلہ لے جائیں، تو اسلامی شریعت اس معاملہ کو باطل قرار دے گی، اور اگر دونوں اس پر اصرار کریں گے، تو ان کو سزا بھی دی جائے گی، کیونکہ باطل میں رضامندی ایک جرم ہے۔

اس تفصیل سے غالباً موجودہ پیشۂ وکالت کی محدود، غلط اور غیر ذمہ دارانہ حیثیت بھی معلوم ہو گئی ہوگی، اور اسلامی شریعت میں اس کا جو وسیع اور ذمہ دارانہ مفہوم ہے وہ بھی اچھی طرح واضح ہو گیا ہوگا۔

وکالت دو قسم کی ہوتی ہے

وکالت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک با اُجرت، دوسرے بے اُجرت دونوں کے احکام یکساں ہیں، صرف ایک معاملہ میں بے اُجرت وکیل کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔

با اُجرت وکیل میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو اُجرت لے کر یا کمیشن پر کوئی کام کرتے ہیں، کسی حکومت کے تمام ملازمین اس کے وکیل ہوتے ہیں، اس لئے ان کو اپنی حکومت کی

مرضی کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔

آپ اپنے ذاتی ملازم سے کوئی کام کرائیں تو یہ آپ کا وکیل سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر آپ کمیشن ایجنٹ مقرر کریں، تو یہ آپ کا وکیل سمجھا جائے گا، یعنی اس کو آپ کی ہدایت کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔

وکالت کے ارکان و شرائط

۱۔ دوسرے معاملات کی طرح وکالت میں بھی موکل و وکیل کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ زبانی یا تحریری طور پر دونوں ایجاب و قبول کریں، مثلاً آپ نے کسی سے کہا یا کسی کو لکھا کہ میرا فلاں کام آپ کر دیجئے، اور اس نے کہہ دیا یا لکھ دیا کہ ہاں میں کر دوں گا، تو ایجاب و قبول ہو گیا، یا اس نے زبانی یا تحریری کوئی جواب آپ کو نہیں دیا، مگر آپ کا کام اس نے کر دیا یا کرنا شروع کر دیا، تو اب وہ وکیل ہو گیا، اگر اس نے زبانی یا تحریری طور پر رد کر دیا تو اب اس کو اس کا حق ہے۔

۲۔ ایجاب و قبول کے بعد دوسری شرط یہ ہے کہ وکیل وہ کام مؤکل کی رائے و مرضی کے مطابق کرے، اگر وہ اپنی رائے سے کوئی کام کرے گا، تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہو گی، مثلاً آپ نے ملازم سے کہا کہ آدھ سیر گوشت لے آؤ وہ ایک سیر لایا آپ نے کہا کہ سیب لیتے آؤ اور وہ ناشپاتی لے آیا، یا آپ نے کہا کہ منقی لے آؤ اور وہ کشمش لایا یا آپ نے کہا ایک تھان چھالٹی لیتے آؤ اور وہ مارکین خرید لایا، تو آپ اس کو واپس کر سکتے ہیں اگر دکاندار واپس نہ کرے اور آپ بھی اس چیز کو نہ رکھنا چاہیں تو ملازم اس کو اپنے استعمال میں لائے، یا بیچ دے، آپ اپنا دام اس سے وصول کر سکتے ہیں، اسی طرح حکومت کے کارکن اور ملازمین اگر حکومت کی ہدایت کے خلاف کوئی کام کریں اور کوئی نقصان ہو تو اس کی ذمہ داری کارکنوں اور ملازموں پر ہو گی، البتہ اگر کسی نے ملازم سے یوں کہا کہ گوشت لیتے آؤ اور وزن نہیں بتایا یا دس گز کپڑا لیتے آؤ اور کپڑے کی قسم نہیں بتائی، تو وہ جیسا کپڑا یا گوشت لائے گا، اس کو لینا پڑے گا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مؤکل اور وکیل دونوں عقل و تمیز رکھتے ہوں یعنی بالکل ناسمجھ بچے

اور پاگل نہ ہوں، بچے اور پاگل کا نہ تو وکیل بنانا درست ہے اور نہ وکیل بننا۔

۴۔ وکیل کی حیثیت ایک امین اور نمائندہ کی ہے، اس لئے اس کے لئے ضروری ہے کہ جس کام کے لئے وہ وکیل بنایا گیا ہے، اس کام کی نسبت اپنی طرف نہ کرے، بلکہ مؤکل کی طرف کرے، البتہ خرید و فروخت میں یا کسی چیز کے کرایہ پر لینے یا دینے میں یا مزدوروں کے تقرر میں یہ شرط ضروری نہیں ہے ـــــ مثلاً اگر کسی نے کسی کو اپنے تمام کاروباری امور کا وکیل بنادیا، تو اگر وکیل مؤکل کی کوئی چیز ہبہ کرے یا اس کے لئے ہبہ و ہدیہ قبول کرے یا اس کے لئے کوئی چیز عاریۃً لے یا دے یا کسی معاملہ میں شرکت کرے یا بطور مضاربت مؤکل کے روپے کسی کو دے یا اس کے نام سے بطور مضاربت روپے لے یا اس کے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرے، یا اس کے مقدمہ کی پیروی کرے تو ان تمام صورتوں میں وکیل کو معاملہ کرنے والوں سے واضح کردینا ضروری ہے کہ میں فلاں کی طرف سے بحیثیت وکیل کام کررہا ہوں، لیکن اگر خرید و فروخت یا اجارہ وکرایہ کا وکیل بنایا گیا ہے، تو مؤکل کا نام لئے بغیر بھی وہ خرید و فروخت کرسکتا ہے، کوئی چیز کرایہ پر دے یا لے سکتا ہے، اس کا کوئی کام مزدور سے لے سکتا ہے، ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جن معاملات میں اس کو اپنی طرف نسبت کرنے کی اجازت ہے، اور اس نے وہ کام اپنے نام سے کیا ہے، اس کام سے جتنے مطالبے متعلق ہوں گے اس کا ذمہ دار وہی ہوگا، اور جن معاملات میں اس کو اس کی اجازت نہیں ہے، اس میں اس سے کوئی مطالبہ نہیں ہوسکتا، بلکہ مؤکل سے مطالبہ ہوگا، مثلاً آپ کے ملازم نے کوئی چیز ادھار خریدی اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کے لئے خرید رہا ہے، تو اب دکاندار اس سے مطالبہ کرے گا، مؤکل سے نہیں کرسکتا، اسی طرح اس نے کوئی چیز ادھار بیچی تو اس کی قیمت کی وصولی بھی اس کے ذمہ ہوگی، البتہ اگر خریدار وہ چیز آپ کو دے جائے تو پھر ملازم سے تقاضا نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اگر ملازم نے یہ کہہ کر کوئی چیز اُدھار خریدی یا بیچی کہ یہ فلاں صاحب کی ہے، یا فلاں صاحب کے لئے ہے، تو پھر اس کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اس کی حیثیت ایک قاصد اور پیام بر کی ہوگی، جن معاملات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی اجازت

اس کو نہیں ہے اگر ان کی نسبت وہ اپنی طرف کرتا ہے تو اس کی وکالت صحیح نہیں ہے، اور جب اس نے موکل کے نام سے وہ کام کر دیا تو تمام مطالبات موکل سے ہوں گے اس کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، مثلاً اگر کسی نے کسی کا نکاح بحیثیت وکیل کر دیا تو عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں موکل سے کرے گی کسی مقدمہ کا فیصلہ اس کے خلاف ہوا تو اس کا جو جرمانہ ہوگا یا جو جائداد اور مال ادا کرنا ہوگا وہ سب موکل ادا کرے گا، وکیل سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

اسی طرح اگر موکل نے کوئی فوجداری کا جرم کیا ہے تو اس کی سزا بھی موکل کو بھگتنی پڑے گی، مثلاً کسی نے قتل کر دیا، تو قتل کے الزام میں اسی کو پھانسی دی جائے گی، یا اس کا خوں بہا اسی کو ادا کرنا پڑے گا، نہ تو وکیل سے مطلب ہوگا اور نہ کسی دوسرے آدمی کو اس کے بدلہ میں سزا دی جا سکتی ہے۔

۵۔ وکیل نے موکل کے لئے کوئی چیز خریدی یا کسی سے اس کا قرض وصول کیا اور اتفاق سے خریدی ہوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹوٹ گئی یا ضائع ہو گئی، یا روپیہ گم ہو گیا۔ تو اگر بے توجہی غفلت، یا قصد و ارادہ سے اس نے ضائع نہیں کیا ہے تو اس کا تاوان اس سے نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اس کی حیثیت امین کی ہے اور امانت کے گم ہو جانے میں تاوان نہیں ہے، وہ چینی کا برتن خرید کر لا رہا تھا اور راستہ میں دھکا لگا اور گر کر ٹوٹ گیا، یا روپیہ تھا کسی نے جیب کاٹ لی تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر وہ پٹری پر چلنے کے بجائے بیچ سڑک سے جا رہا تھا، یا اوپر کی جیب ہوتے ہوئے اس نے نیچے کی جیب میں روپیہ رکھ دیا تھا، اور کسی نے کاٹ لیا، یا نکال لیا تو دونوں صورتوں میں اس پر ذمہ داری ہوگی، کیونکہ اس میں بے قاعدگی اور غفلت پائی گئی ہے۔

۶۔ وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ جس مال کو موکل نے اپنے لئے خریدنے کے لئے کہا ہے، اسے وہ خود خرید لے مثلاً آپ نے اپنے ملازم سے کہا کہ فلاں مال فلاں کے یہاں سے خرید لاؤ تو اب اس کو یہ حق نہیں ہے کہ اسے اپنے لئے خرید لے، اگر آپ نے اس کی جو قیمت بتائی تھی

اس قیمت پر وہ مال نہیں مل رہا تھا تو اس کو حق ہے کہ وہ زیادہ دام پر وہ چیز اپنے لئے خرید لے لیکن اگر آپ نے قیمت کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا، تو پھر اس کو اپنے لئے کسی قیمت پر خریدنے کا حق نہیں ہے۔

۷۔ اگر کسی نے بغیر قید کے کسی کو اپنے کسی معاملہ کا وکیل بنادیا تو وکیل اپنی صواب دید سے جس طرح چاہے معاملہ کرے مثلاً آپ نے اُس سے کہا کہ میں روپیہ دیتا ہوں، تجارت کرو تو اب وکیل چاہے مال اُدھار خریدے یا ادھار بیچے اس کو اختیار ہے، البتہ اتنی مدت کے لئے اُدھار نہ دے، جتنی مدت کا تاجروں میں عموماً رواج نہیں ہے۔

۸۔ اگر کوئی اپنا مقدمہ خواہ وہ دیوانی معاملہ ہو یا فوجداری اسلامی حکومت کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہو اور وہ اصالۃً یعنی خود براہ راست اس کو پیش کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو دوسرے کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے، لیکن یہ یاد رہنا چاہیئے کہ کسی غیر اسلامی عدالت میں غیر اسلامی قانون کے مطابق حتی الامکان نہ تو اپنا فیصلہ کرانا چاہیئے، اور نہ غیر اسلامی قانون کی توجیہ کے لئے غیر اسلامی عدالتوں میں کسی مسلمان کو وکیل ہی بننا چاہئے، قرآن میں غیر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرانے والے اور کرنے والے اور اس کو پیش کرنے والوں کو ظالم، فاسق، بلکہ کافر تک کہا گیا ہے۔

۹۔ اگر دو یا اس سے زیادہ آدمیوں کو وکیل بنانا ہو تو دونوں کو موجود رہنا چاہیئے۔

۱۰۔ وکیل کو موکل کی مرضی کے بغیر دوسرے کو وکیل بنانے کا حق نہیں ہے، مثلاً آپ نے ملازم سے کوئی چیز منگائی اس نے پیسہ کسی دوسرے کو دے دیا کہ یہ چیز لیتے آنا تو دوسرے کی لائی ہوئی چیز کے بارے میں آپ کو حق ہے کہ آپ اس چیز کو لیں یا واپس کر دیں۔

۱۱۔ آپ نے جنس یا اور کوئی چیز ملازم یا کسی دوسرے آدمی سے منگائی تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس سے وہ چیز چپکے سے آپ کو دیدے اگر اسی کو دینا ہے تو بتا دے کہ یہ چیز میرے پاس ہے اگر اجازت ہو تو میں ہی دیدوں۔

وکیل کی برطرفی ۱۔ کسی کام کے کرنے سے پہلے یا کرنے کے بعد موکل کو حق ہے کہ وہ جب

چاہے وکیل کو وکالت سے علیحدہ کر دے، مثلاً آپ نے کسی سے کہا کہ میرے لئے ایک تھان کپڑا خرید دو، پھر خریدنے سے پہلے آپ نے منع کر دیا تو اب اس کو خریدنے کا حق نہیں ہے، اسی طرح آپ نے کسی سے کہا کہ بحیثیت وکیل میرے لڑکے کا نکاح پڑھا دو، پھر پڑھانے سے پہلے آپ نے منع کر دیا تو آپ کو حق ہے، اسی طرح کام سے پہلے وکیل نے معذوری ظاہر کر دی تو اس کو بھی اس کا حق ہے، لیکن اگر وکیل نے کوئی کام ادھورا کیا ہے، تو اگر یہ کام ایسا ہو کہ اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہو، یا نقصان ہو تو پھر علیحدگی کا حق نہیں ہے لیکن اگر کوئی حق وابستہ نہ ہو یا کسی کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو تو پھر وکیل کے علیحدہ ہو جانے یا موکل کے علیحدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ وکیل کی علیحدگی کی اطلاع اس کو خواہ زبانی دی جائے، یا آدمی کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ تمام صورتیں صحیح ہیں، مثلاً موکل نے وکیل کو کسی آدمی کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ علیحدہ کرنے کی اطلاع دیدی، یا وکیل نے زبانی نہیں کہا آدمی کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ موکل کو اپنی معذوری کی اطلاع دی تو یہ بھی صحیح ہے، یعنی وکالت سے علیحدگی ہو جائے گی۔

وقف

وقف کے لفظی معنی روک لینے اور خاص کرنے کے ہیں، اور شریعت میں اپنی کوئی چیز یا اس کا فائدہ رفاہ عام کے لئے خاص کر دینے کو وقف کہتے ہیں، جس طرح صدقہ کر دینے سے ایک چیز آپ کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، اور آپ کو اس کا ثواب بھی ملتا ہے، اسی طرح کسی چیز کو رفاہ عام کے لئے وقف کر دینے میں بھی وہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور اگر اس نے ثواب کی نیت سے اچھے کام کے لئے اس کو وقف کیا ہے تو اس چیز سے جب تک لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے، صدقہ سے بھی زیادہ ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "موت کے بعد

انسان کے تمام اعمال اس سے منقطع ہوجاتے ہیں، مگر اس کے تین اعمال ایسے ہیں، جن کا ثواب اس کو برابر ملتا رہے گا۔

صَدَقَۃٌ جَارِیَۃٌ اَوْعِلْمٌ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْلَہٗ

صدقہ جاریہ اور علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک وصالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

صدقہ جاریہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز وقف کر دے جس سے ہر کس وناکس مادی فائدہ اٹھاتا رہے، یا اس کے ذریعہ کوئی نیک کام انجام پارہا ہو تو جب تک لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے اور وہ نیک کام انجام پاتا رہے گا اس کو اس کا ثواب ملتا رہے گا، اور علم سے فائدہ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کوئی کتاب اسی جذبہ سے لکھ دی یا کوئی کتاب رفاہ عام کے لئے وقف کر دی یا کچھ لوگوں کو علم دین پڑھا دیا تو جب تک اس کتاب اور علم سے فائدہ پہنچتا رہے گا، آپ کو ثواب ملتا رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں میٹھے پانی کی بڑی کمی تھی اور جس حصہ میں آپؐ اور مہاجرین آباد تھے اس میں صرف ایک کنواں بیر رومۃ تھا جو ایک شخص خاص کی ملکیت میں تھا، اور اس کا پانی وہ بہ قیمت دیتا تھا، آپؐ نے اس سے کہا کہ اس کو تم رفاہِ عام کے لئے وقف کر دو، خدا اس کا بدلہ جنت میں دے گا، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور میرے اہل وعیال کی پرورش کے لئے اس کے علاوہ کوئی سامان نہیں ہے، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو خرید کر عامۃ المسلمین کے لئے وقف کر دے، خدا اس کا بدلہ اس کو جنت میں دے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب منشائے نبوی کی اطلاع ملی تو انھوں نے ۳۵ ہزار درہم دے کر اس کے مالک سے خرید لیا اور آپ کی خدمت میں آکر یہ خوش خبری سنائی آپؐ نے فرمایا کہ جَعَلْتُھَا لِلْمُسْلِمِیْنَ "میں نے اس کو عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔" (المنتقیٰ)

اسی طرح حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا ایک باغ صدقہ کر دینے

کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کسی ایک آدمی کو صدقہ کر دینے کے بجائے اس کو اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کا پھل غربا، مساکین اور حاجتمندوں کے لئے مخصوص کر دو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اب نہ تو یہ باغ بیچا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے، نہ اسے کوئی وراثت میں پا سکتا ہے یعنی آپؐ نے اس کی نگرانی کی ذمہ داری حضرت عمرؓ ہی پر ڈالی، لیکن اس کا فائدہ رفاہ عام کے لئے مخصوص کرا دیا۔

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ایک گھوڑا خدا کی راہ میں ایمان واحتساب کے ساتھ وقف کر دے، تو اس کا کھانا پینا اس کا بول وبراز ہر چیز اس کے حق میں نیکی ہے (بخاری)

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى	تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک اس
تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ	چیز کو خدا کے لئے خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہے۔

تو حضرت ابوطلحہ انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور فرمایا کہ مجھے بیرحا[1] کی زمین سب سے زیادہ پسند ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے فی سبیل اللہ وقف کر دوں، آپ نے فرمایا کہ اس کے بجائے تمہارے خاندان میں جو لوگ نادار ہیں ان کے لئے اس کو وقف کر دو، چنانچہ حسان بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ اور بعض دوسرے غریب اہل خاندان کے لئے انھوں نے وہ زمین وقف کر دی۔ (بخاری ومسلم)

ان ارشادات نبویؐ سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ انفرادی طور پر دو چار دس روپے سے جو کسی کی مدد کی جاتی ہے، اس کا ثواب بھی ہوتا ہے، اگر محدود ہوتا ہے، لیکن رفاہ عام کا کوئی ایسا کام کر جانا جس کا فائدہ دو چار افراد کو نہیں، بلکہ بے شمار افراد کو پہنچتا ہے، اس کا ثواب اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ چیز قائم رہتی ہے، مثلاً کسی نے مدرسہ قائم کر دیا، کتب خانہ کھول دیا، تو جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو ثواب پہنچتا رہے گا، لیکن اس ثواب کے حاصل کرنے کے لئے دو

---

[1] ایک مقام کا نام ہے،

شرطیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ خالص رضائے الٰہی کے لئے ایسا کیا جائے، دل میں نام و نمود اور شہرت کی خواہش نہ چھپی ہوئی ہو اگر یہ چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں تو اور بات ہے، دوسرے یہ کہ یہ موقوفہ چیز مفید اور فائدہ بخش بھی ہو، فائدہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی اس سے اپنی کوئی ناگزیر مادی دنیاوی ضرورت پوری کرے یعنی وہ چیز آدمیوں کے اخلاق و کردار کے بگاڑنے کا سبب نہ ہو، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی تو وہ موقوفہ چیز جب تک رہے گی، ثواب کے بجائے عذاب کا اضافہ اس کے نامۂ اعمال میں ہوتا رہے گا، نبیؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ رائج کر جائے گا، تو جو لوگ اس پر چلیں گے، اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا، اور جو لوگ کوئی بری راہ دکھا جائیں گے ان کی گردن پر ان لوگوں کا عذاب بھی ڈال دیا جائے گا جو اس پر چلیں گے، مثلاً آپ نے مسجد کے بجائے مندر بنا دیا، مدرسہ کے بجائے سینما ہاؤس بنا کر اس کو وقف کر دیا، آپ نے بچے کو صحیح تعلیم دینے کے بجائے مشرکانہ و ملحدانہ تعلیم دیدی تو ان تمام صورتوں میں جتنا عذاب مندر میں پوجا کرنے والوں کو، سینما دیکھنے والوں کو اور بچے کے مشرکانہ و ملحدانہ خیال سے اس کو پہنچے گا، اسی کے بقدر عذاب آپ کی گردن پر بھی ہوگا۔

۲۔ ان ارشادات سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آدمی جو چیز صدقہ کرے یا وقف کرے وہ ردی اور گھٹیا نہ ہو بلکہ وہ چیز ہونی چاہئے جس سے اسے دلی لگاؤ اور محبت ہے، اگر آپ کے پاس کئی مکان ہیں، ان میں ایک مکان وقف کرنا چاہتے ہیں، یا کئی زمینیں ہیں، اور ان میں سے ایک کو آپ وقف کرنا چاہتے ہیں، تو وہ مکان اور زمین وقف کیجئے جو سب سے اچھی اور آپ کو پسند ہو، البتہ اگر آپ کے پاس ایک ہی مکان ہے تو وہ اچھا ہو یا برا آپ وقف کر سکتے ہیں، اور اس کا ثواب وہی ملے گا جو اچھے اور محبوب کا ملتا۔

اسی طرح اگر آپ کے ایک ہی بچہ ہے اور آپ کو اس سے شدید محبت ہے تو آپ کی دینداری اور آپ کے اسلامی احساس کا تقاضا ہے کہ آپ اس کو غیر دینی اور غلط تعلیم میں لگانے کے بجائے خالص دینی تعلیم میں لگائیں، ایسے ہی بچہ کی دعا اور اس کا ہر عمل آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا، ورنہ اگر آپ نے غلط تعلیم و تربیت دے کر اس کو بگاڑنے کی پوری کوشش کی اور اتفاق سے بن گیا تو اس کے نیک اعمال کا ثواب آپ کو نہیں ملے گا۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ جو چیز آپ وقف کریں، اس کی حفاظت و نگرانی کا کام ایسے لوگوں کے سپرد کر جائیں جو اس کا فائدہ ہڑپ کرنے کے بجائے رفاہِ عام میں خرچ کریں، اس میں دو باتیں دیکھنے کی ہیں، ایک یہ کہ جو شخص اس

کی نگرانی کا خواہاں ہو اس کو یہ امانت نہ سونپی جائے، دوسرے یہ کہ وہ شخص فاسق نہ ہو، یعنی احکام اسلامی کا پابند ہو، اگر کسی میں یہ دونوں باتیں یا ایک بات بھی پائی جائے گی تو پھر اس کو اس کا متولی بنانا صحیح نہ ہوگا۔

وقف کا حکم ۱۔ جب آدمی نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ فلاں چیز میں نے وقف کر دی تو اب وقف ہو گئی، یا اس نے کوئی زمین قبرستان کے لئے دیدی اور اس میں کوئی مردہ دفن کر دیا گیا تو یہ زمین وقف ہو گئی یا مسجد بنا دی تو زبان سے کہے یا نہ کہے وہ مسجد وقف ہو گئی۔ وقف دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ آدمی اس کو خدا کے لئے وقف کر دے، اور اس کے بعد اس سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ یہ شرط لگا دے کہ میں اپنی زندگی بھر اس سے فائدہ اٹھاؤں گا، یا میرے بعد میری اولاد اس کے کچھ حصہ سے فائدہ اٹھائے گی اور بقیہ رفاہ عام کے لئے ہوگا تو دونوں صورتوں میں موقوف چیز پر اب واقف کا کوئی حق نہیں رہتا، بلکہ اب یہ اللہ تعالیٰ کی ہو گی، نہ اب وہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، نہ رہن کر سکتا ہے، اور نہ وراثت میں اس کی ملکیت کسی کو مل سکتی ہے، البتہ اگر اپنے یا اپنی اولاد کے لئے اس سے فائدہ اٹھانے کی قید لگا دی ہے، تو اس کے بقدر وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ (ہدایہ)

ضروری مسائل ۱۔ اگر وقف کی چیز خراب ہو رہی ہو تو اس کے متولی کا فرض ہے کہ وہ اس کو درست کرائے اگر اس کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہ ہو یا وہ ایسی چیز ہو جس سے کوئی آمدنی نہ ہوتی ہو تو پھر اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو عام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس کو درست کرائیں۔

۲۔ اگر کسی نے مسجد بنا دی تو اب اس کی کوئی چیز مثلاً اینٹ، گارا، چٹائی، لوٹا، مسجد بنانے والا یا کوئی اور اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لا سکتا، اگر اس کی کوئی چیز بیکار ہو گئی یا سڑ گل گئی، تو اس کو بیچ کر پھر مسجد کے کام میں لگا دینا چاہیے۔

۳۔ اگر کسی نے مسجد بنوائی یا مدرسہ بنوا کر وقف کر دیا مگر مسجد کے دروازہ پر یا مدرسہ کے بغل میں کچھ دکانیں اس خیال سے بنوا دیں کہ اس کے کرایہ سے وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش کرے گا، تو یہ جائز ہے، ان دکانوں کو مسجد یا موقوفہ مدرسہ کے قریب یا ان کے نیچے ہونے کی وجہ سے وقف نہیں سمجھا جائے گا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی اجازت دی ہے کہ اگر کسی کو مکان کی تنگی ہو اور وہ مسجد بنوا کر اس کے اوپر کے حصہ میں اپنے رہنے کے لئے مکان بنوا لے تو یہ جائز ہے، البتہ اس کو پیشاب پاخانہ کرنے میں مسجد کے احترام کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔

عنوانات اسلامی فقہ

تیسرا حصہ

کاتب:۔ عبداللہ

إن الحسنات يذهبن السيئات

مکتبۃ الحسنات رامپور دہلی